رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

جنوری ۱۹۲۶ء

قیمت: صہ سالانہ،

مطبع معارف میں چھپکر
دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے شائع ہوا،

دار المصنفین اعظم گڈھ

کی

خاص کتابیں (ٹائٹیل کے صفحوں پر)

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اوّل طبع دوم، تقطیع ۲۰×۲۶، حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات، قیمت باختلاف کاغذ . . . . سے اور للعہ

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی، تکمیل شریعت، تاریخ احکام، وفات، اخلاق وشمائل وغیرہ طبع اوّل قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلاں . . . . . عہ

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد صر ۸ عہ

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلاں قسم اوّل عہ قسم سوم، سے

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کے لائف اور طرز حکومت، سے

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس . . . . ۸ عہ

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور ان کا فلسفہ، ۸ عہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل ۸ عہ

سوانح مولانا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی پر تبصرہ اور ان کی تصنیفات پر تنقید . . . . . ۸ عہ

رسائل شبلی، مولانا کے . . . مختلف علمی مضامین کا مجموعہ، عہ

مقالات شبلی، مولانا کے . . . مختلف مضامین کا مجموعہ، عہ

موازنہ انیس و دبیر، . . . کے حالات زندگی اور انکی شاعری پر ریویو ۸

شعر العجم حصہ اوّل، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز و قدما کا دور . . . . . سے

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور عہ

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عہ

ایضاً حصہ چہارم، فارسی . . . پر ریویو سے

ایضاً حصہ پنجم، فلسفہ، صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ عہ

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، ۸

موازنہ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ، اردو میں اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ، . . . عہ

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس، قیمت عہ

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع، عہ

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اوسکی عہد بعہد کی ترقیان اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس عہ

الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے، اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس، قیمت . . . . . عہ

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستہ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں ۲۰×۲۶ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت . . . . . عہ

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی . . . کے متعلق لکھی گئی تھیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، عہ

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہیں، یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے، جسکی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتوں کا ربط و نظام اور بعض عجیب حقایق مستورہ کا تسلی بخش انکشاف ہے۔

تفسیر سورہ والذاریات،	۶
تفسیر سورہ اللہب	۴
تفسیر سورہ والتین،	۴
تفسیر سورہ والکوثر،	۴
تفسیر سورہ القیامہ	۴
تفسیر سورہ عبس،	۴
تفسیر سورہ والمرسلات	۴

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ، یہودیوں، اور عیسائیوں کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کا قلع و قمع کر دیا ہے، ، ، ۱۰

دائرۃ المعارف

یعنی

معارف، اعظم گڈھ،

کی

سولھویں جلد

از

جولائی ۱۹۲۵ء تا دسمبر ۱۹۲۵ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگاران معارف

جلد شانزدہم جولائی ۱۹۲۵ء، دسمبر ۱۹۲۵ء

بہ ترتیب حروف تہجی

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	جناب قاضی احمد میان صاحب جوناگڈھی	۲۹۲-۱۵
۲	جناب حافظ احمد علی صاحب ناظم اسسٹنٹ لائبریری رامپور	۳۳۲
۳	مولوی الف دین صاحب	۳۸۰
۴	پروفیسر حبیب الرحمن صاحب ایم اے عثمانیہ کالج	۳۰، ۱۱۵
۵	مولوی سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین	۱۳۰
۶	جناب سردار محمد صاحب ایم اس سی پی آر ایس	۹۸
۷	مولانا سید سلیمان صاحب ندوی،	۱۳، ۷۸، ۱۶۶، ۲۸۲، ۸۸، ۲۸۲، ۲۶۶، ۳۳۹، ۲۴۰، ۳۱۱، ۳۲۲، ۳۲۶، ۴۰۲، ۴۱۰، ۴۴۴،
	" " " " "	
۸	مولوی عبد الباسط صاحب بچھرایونی،	۳۰۷، ۳۳۷، ۴۴۵
۹	مولانا عبد السلام صاحب ندوی،	۳۹۵
۱۰	پروفیسر میمن عبد العزیز صاحب،	۲۶۷، ۲۸۲، ۳۴۸
۱۱	جناب غلام حیدر صاحب	۴۵۰

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبر شمار
۱۲	مولوی محفوظ الحق ایم اے لکچرر پریزیڈنسی کالج کلکتہ	۴۵
۱۳	مولوی سید مقبول احمد صاحب ایم ار اے اس	۱۵۱
۱۴	جناب حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ	۴۲۱
۱۵	مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی	۳۰۷
۱۶	مولوی سید نور الہدیٰ صاحب ندوی	۳۶۶
۱۷	مولوی سید ہاشم صاحب ندوی	۳۳۶
۱۸	جناب محمد یوسف صاحب سلیم شاوانی	۲۴۹
	شعراء	
۱	اطہر، جناب اطہر ہاپوڑی وکیل جے پور	۶۵
۲	تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ صاحب بی اے امرتسر	۴۶۳
۳	شبلی، علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ	۶۳، ۳۰۷
۴	عزیز، جناب عزیز صاحب لکھنوی	۱۴۹

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
	شعراء		۶	منیرؔ، پروفیسر محمد اکبر صاحب منیر	۳۲۶
۵	ماجدؔ، مولوی سید ماجد علی صاحب	۶۴	۷	ہادیؔ، جناب سید محمد ہادی صاحب مچھلی شہری	۱۵۰
؍	بی اے ال ال بی الہ آباد	؍؍	؍؍	بی اے ال ال بی،	؍؍

فہرست مضامین

جلد شانزدہم جولائی ۱۹۲۵ء - دسمبر ۱۹۲۵ء

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ہفدہم جنوری سنہ ۱۹۲۶ء تا جون سنہ ۱۹۲۶ء

بہ ترتیب حروف تہجی،

فہرست مضامین

جلد ہفدہم جنوری سنہ ۱۹۲۶ء، جون سنہ ۱۹۲۶ء

مجلد ہفدہم | ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۲۶ء | عدد اول

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

سال کے اختتامی ہفتہ میں کانپور اور علی گڈھ کے ہنگامے یادگار رہیں گے، کانگریس میں پانچ چھ برسوں سے جو انقلاب پیدا ہوگیا ہے وہ مخفی نہیں، کانگریس اب خوشنما لباسوں، گداگرانہ تجویزوں، اور فصاحت و بلاغت کی نمایشوں سے خالی ہوگئی ہے، اب وہ صرف کام کرنے والوں کی جماعت بنگئی ہے، اس کا مخاطب اب حکومت سے نہیں، ملک سے ہے، اس کو اب آزادی کا مطالبہ گورنمنٹ سے نہیں بلکہ خود قوم سے ہے، مسلمانوں کی شرکت نے اوسکی ہمتوں کو بڑھادیا ہے،



ہم سال بھر تک ہندو مسلم بگاڑ کے افسانے بہت سنتے رہے، اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ہندوں کی ایک تعداد مسلمانوں ہی سے لڑنا ہندوستان کی آزادی سمجھتی ہے اور ان کا اکھاڑا ہندو مہا سبھا ہے لیکن کانپور کی کانگریس نے یہ بات ثابت کردی کہ ابھی تک سمجھدار ہندو مسلمانوں کی تعداد ملک میں کافی موجود ہے، مالوی جی اور پنڈت موتی لال نہرو کی تجویز و ترمیم بظاہر ایک خاص تحریک سے متعلق تھی، مگر درحقیقت وہ محض تجویز و ترمیم کی جنگ نہ تھی، بلکہ دو مقابل کے نظام کار اور طرز عمل کی لڑائی تھی جسمیں مالوی جی کو شکست فاش ملی،



امسال کی کانگریس کے متعلق یہ شکایت بجا ہے کہ اوس کے اعلانات اور سائن بورڈوں اور کتبوں

میں اردو کو جگہ نہیں دیگئی تھی جسکی وجہ سے ہندی نہ جاننے والوں کو دقتیں پیش آتی رہیں، تاہم اسکی داد دینی چاہیئے کہ صدر استقبالیہ نے اپنا پورا خطبہ صاف ستھری اردو میں پڑھا، کانگریس کی صدر محترمہ نے بھی اپنی آدھی تقریر اردو ہی میں کی، اور آدھی انگریزی میں اور اپنی لکھی ہوئی تقریر اردو اور انگریزی اور ہندی تینوں زبانوں میں چھپوا کر تقسیم کی، پنڈت موتی لال نہرو اور دیگر اکابر نے اردو ہی میں تقریریں کیں،



خلافت کا اجلاس کانپور گو تزک و احتشام سے خالی تھا، مگر تین چیزیں بالکل صاف اور کھلی تھیں، یہاں اعزاز و احترام کا مدار جیب کی گرانی اور دنیادی اعزاز پر نہ تھا، کام پر تھا، تمام مہمانوں میں سلوک اور برتاؤ کی یکسانی اور مساوات کار فرما تھی، دوسری چیز یہ تھی کہ یہ محض خوش پوش بات بنانے والے لوگوں کا مجموعہ نہ تھا، بلکہ صرف کام کرنیوالوں اور کام چاہنے والوں کا مجمع تھا، تیسری چیز یہ تھی کہ اس کے احاطہ میں مذہب صرف فیشن کے لیے نہ تھا، بلکہ دل اور عمل کے لیے تھا،



مجلس خلافت کے متعلق ایک بات صاف صاف کہنی چاہیے کہ اس مجلس کی اصل بنیاد گو خلافت کے قیام اور حجاز کی حقیقی آزادی پر رکھی گئی تھی، تاہم کچھ ملکی کام بھی اس نے اپنے ہاتھ میں لیے تھے، خارجی ممالک کے معاملات میں ہم عملی کام بجز تہنیت اور اظہار افسوس اور وفد بھیجنے، مشورہ دینے اور روپیہ جمع کرنے کے اور کیا کر سکتے ہیں؟ حالات بدلتے جا رہے ہیں، اور اسی نسبت سے ہم کو اپنے رویہ میں بھی تبدیلی کرنی چاہیئے، نئے انقلاب کی سب سے بڑی یادگار ہمارے پاس جامعہ ملیہ ہے، مجلس خلافت کو اب اس کو اپنا کام سمجھنا چاہیئے، اور اسی اصل کے ماتحت اس کو اپنی تمام تعلیمی و تبلیغی دینی سرگرمیوں کا آغاز کرنا چاہیے،



امسال کے اجلاس خلافت میں سب نے اس کو محسوس کیا ہے کہ کوئی بڑا کام استقلال اور مضبوطی سے

مسلمانوں سے اس وقت تک بن نہیں آسکتا، جب تک ان میں دماغی انقلاب و اصلاح پیدا نہ ہوں، اور اسکے لیے ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے گاؤں تک میں مکتب، دار المطالعہ، اور مدرسہ تبلیغیہ کا جال بچھا دیا جائے، اسکے متعلق امسال ایک برمحل تجویز منظور کیگئی ہے، اور گویا یہی تجویز امسال کے اجلاس کا حاصل ہے اور یہی اصل کار ہے،



امسال کانپور سے علی گڈہ جانے والوں کو یہ صاف نظر آگیا کہ دونوں مجمعوں کی ذہنیتوں میں کیا فرق ہے؟ علی گڈہ کے میدان میں داخل ہونے کے ساتھ چہل پہل، رونق اور نمائش کا پوری طرح اظہار ہو رہا تھا، ڈھائی ہزار طلبہ کے ساتھ چند ہزار مہمانوں کی لال ٹوپیوں اور سیاہ کپڑوں میں آمد و رفت نظر فریب منظر تھا، اور جلی صورتیں شرکائے جلسہ کی کثرت و قلت کے مسئلہ کے لیے ہمیشہ پردہ پوش رہیں، معلوم ہوتا تھا کہ ادھر پانچ چھ برسوں سے جن فلیشن ایبل لیڈروں، رہنماؤں، سرکاری عہدہ داروں، رئیسوں اور قومی تماشائیوں کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع نہیں ملتا تھا، وہ سب کے سب ایک دفعہ ابل پڑے تھے، کہ ہمارا پرانا زمانہ قسمت سے پھر عود کر آیا، ہمارے جاہ و جلال کا تخت دوبارہ بچھے گا اور قوم کی باگ ایک دفعہ پھر ہمارے ہاتھوں میں آگئی

علی گڈہ کی سب سے نمایاں جگہ یعنی صدر نشین کی نشستگاہ کے اوپر علی گڈہ کے کسی خوش مذاق شاعر کا جلی حرفوں میں کپڑے پر لکھکر یہ شعر آویزاں کیا گیا تھا،

وفا شعاریؔ و حبِّ وطنیؔ و دیں پرستی کی علامت
کہ اپنے قومی نشان میں تاج اور کھجور اور ہلال بھی ہے

یہ صحیح و فصیح و بلیغ شعر جس کے موزوں پڑھنے میں متعدد باکمال شاعروں کو کافی زحمت اٹھانی پڑی،

درحقیقت علی گڈہ کی اصلی اور اندرونی ذہنیت تھی، جو اس کے ذرہ ذرہ سے نمایاں تھی، منتظمینِ کار کو داد دینی چاہئے

فرنگی محل کی آخری شمع بجھ گئی

آہ! مولانا عبدالباری!!

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد
قیس کا مرنا صرف ایک آدمی کا مرنا نہیں ہے،

ولکنہ بنیان قوم تھدّما
بلکہ پوری قوم کی بنیاد کا گر جانا ہے

دریغا! کہ آج قلم کو اوس مجسمۂ علم و اخلاص کا ماتم کرنا ہے جس کے وصف و مدح کا فرض اسکو بارہا ادا کرنا پڑا ہے، دار العلم والعمل فرنگی محل کی کہنہ عمارتوں میں فضل وکمال، اخلاق و ایمان، اور زہد و ورع کی جو آخری شمع جل رہی تھی وہ ۱۹-۲۰ کی درمیانی شب میں ہمیشہ کے لیے بجھ گئی،

فرنگی محل کے متأخرین میں حضرت استاذ الاستاذی مولانا عبدالحئیؒ کے بعد مولانا عبدالباری کی ذات نمایاں ہوئی تھی، جو بزرگ اجداد کی بہت سی روایات کی حامل تھی، ارشاد و ہدایت، وعظ و نصیحت، درس و تدریس، تلاش و مطالعہ، تحریر و تالیف، ان کے روزانہ مشاغل تھے، ان دینی و علمی مناقب کے ساتھ دین و ملت کی راہ میں ان کا جانفروشانہ جذبہ اور مجاہدانہ اخلاص ہمرنگ شہدا تھا،

ذاتی اخلاق، جود و سخا، تواضع و انکسار، علم کی عزت، صداقت، حق گوئی، ان کے اوصاف گرانمایہ تھے، وہ بیکسوں کے ملجا، مسافروں کے ماویٰ، اور تنگدستوں کے دستگیر تھے، عبادت گذار شب زندہ دار اور حق کے طلبگار تھے، ہندوستان میں اونکی ذات ذی اقتدار علمار کی حیثیت

سے اس وقت فرد تھی، جدید تعلیم یافتوں کی سیاسی جدوجہد کو مذہبی تحریک بنادینا یقیناً اونھیں کا کارنامہ شمار کیا جائے گا، اسیلیے اونکی یہ غیر متوقع موت صرف فرنگی محل کا نہیں، بلکہ اسلام کا سانحہ ہے، اور بنابریں اونکی جوانامرگی ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک واقعہ شمار ہوگا،

شمع بجھ گئی، مگر اوس کے دھوئیں کی سیاہی سے جریدۂ عالم پر یہ ہمیشہ لکھا نظر آئے گا،

رفتم و از رفتن من عالمے تاریک شد

من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

مولانا مرحوم کا سن غالباً ۹۰ کے قریب ہوگا، مولانا عبدالحی صاحب کے شاگرد خاص مولانا عین القضاۃ صاحب سے لکھنؤ میں تحصیل کی، پھر حجاز گئے، وہاں حدیث کی سند لی، ملک شام کا سفر کیا، علما سے فیض اٹھایا، مدینہ منورہ سے ہندوستان واپس آئے، اور خدام کعبہ میں پرجوش شرکت کی، پھر مجلس خلافت اور جمعیۃ العلماء کی تاسیس میں حصہ لیا، ترک موالات کے علمبردار بنے،

دوسری طرف فرنگی محل میں مدرسۂ نظامیہ کے نام سے ایک باقاعدہ مدرسۂ عربیہ کی بنیاد ڈالی اور اسکو ایک باقاعدہ مدرسہ بنایا جس سے متعدد اصحاب فکر اور اہل قلم طلبہ پیدا ہوئے،

انھوں نے اپنے بعد اپنی تالیفات و تصنیفات کی فہرست یادگار چھوڑی ہے، وہ فقہ حنفی کے پرجوش حامی تھے، اور اونکی قلمی و علمی کوششیں زیادہ تر اسی کے متعلق صرف ہوتی رہیں، اون کی چھوٹی بڑی تصنیفات و رسائل کی فہرست ۱۰۰ کے قریب ہوگی جنمیں سب سے زیادہ مفید کارآمد ان کی اردو تفسیر تھی جو افسوس کہ ناتمام رہی، امام محمد کی سیر کبیر کا کام بھی ان کے پیش نظر تھا، علم حدیث میں بھی ان کے ایک دو رسالے ہیں،

افسوس کہ یہ چشمۂ فیض اب ہمیشہ کے لیے خشک ہوگیا،

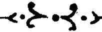
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

کہ انھوں نے علی گڈھ کا دل نکالکر سب کے سامنے رکھدیا تھا،



اردو کی بیکسی کا یہاں بھی وہی عالم تھا، کانفرنس تک تو کچھ خیریت تھی ورنہ سات روز کے اندر کم کسی مشہور لیڈر نے اردو کو شرف بخشا، الایہ کہ انگریزی نے خود ان کو اپنی واقفیت کے شرف سے محروم کیا ہو تاہم دو چار سیکھے اور رٹے ہوئے فقرون کا برمحل اور بے محل بولدینا تو ضروری تھا، اردو کتب فروشوں نے بھی مسلم یونیورسٹی کا نام سنکر اپنی کتابوں کی دکانیں سجائی تھیں، مگر شاید ہی کسی سپید پوش سیاہ پوش نے ادھر نظر اٹھائی ہو، اور اس پر اردو کی بیکسی کا اوسی اسٹیج پر ماتم ہے،

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا



جوبلی کا اجلاس ہر حیثیت سے نہایت شاندار تھا، کئی ہزار کا مجمع تھا، بجز ودطبقہ کے ہر طبقہ کے مسلمان بھی تھے انگلستان اور ہندوستان کی متعدد یونیورسٹیوں کے نمایندے بھی تھے، ویسرائے، حضور نظام، دیگر حکام اور ر مسلمان رؤسار کے تہنیت نامے بھی آئے تھے، افغانستان کی تعلیمی نمایندگی بھی ہورہی تھی اور لوگوں کو اس سے بیحد دلچسپی بھی تھی، قوم کے مدعیان رہنمائی اور مشاہیر بھی تھے، اور یہ ایک دلچسپ نظارہ تھا، مگر ان لال ٹوپیوں کے بیچ میں ہماری آنکھیں جبہ و دستار کو بھی ڈھونڈ رہی تھیں، السنہ مغربی کی یونیورسٹیوں کے نمایندوں کی صف میں ہم اپنی مشرقی درسگاہوں کے فضلار کو بھی دیکھنے کی آرزو رکھتے تھے، مگر وہ نہ تھے،



بہرحال ایک خاص خیال کے مسلمانوں کا نہایت مغتنم مجمع فراہم ہوگیا تھا، موقع تھا کہ واقعی علی گڈھ تحریک کے پنجاہ سالہ جدوجہد پر ایک تبصرہ کیا جاتا، اور اگر مسلمان دوسرے رہنماؤں کی غلط پیروی میں برباد ہورہے ہیں، تو ان کو صحیح ہدایت کیجاتی، اور مسلم یونیورسٹی کو صحیح مسلمان یونیورسٹی بنانے کے لیے غور کیا جاتا

اور امرا کی جیبوں کو ٹٹولنے کے علاوہ ارباب دانش کے سینے بھی ٹٹولے جاتے اور آئندہ کیلئے قوم کی تعلیمی علمی جدوجہد کیلئے ایک پروگرام بنایا جاتا، علی گڈھ تحریک نے مسلمانوں کو فائدہ بھی پہنچایا ہے اور نقصان بھی پہنچایا ہے، کاش اصحاب علیگڈھ سکون خاطر کیساتھ پچاس برس کے قطع مسافت کے بعد ایک دفعہ پیچھے مڑکر دیکھ بھی لیتے کہ ہم کہاں تک صحیح راستہ پر چلے اور آئندہ منزلوں کے طے کرنے کیلئے کیا ضرورتیں ہیں؟ اور کیا صحیح مشورے ہیں؟



قیامت ہے مسلم یونیورسٹی کی پنجاہ سالہ جوبلی کا نادر موقع جو پچاس برس کے بعد آیا تھا، اور اب پچاس ہی برس کے بعد آئے گا، اوسکی افتتاحی اور صدارتی تقریر جو پنجاہ سالہ تجربوں کا نچوڑ اور حسب وعدہ قوم کی پنجاہ سالہ جدوجہد اور سعی وکوشش کا جائزہ اور آئندہ پچاس برس کا پروگرام ہوتی، وہ محض وقتی زبانی خوش کن ظرافتوں چٹکلوں اور گذشتہ وعدوں کا اعادہ تھی، اللھم ارحم امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم،



تعلیمی اور علمی حیثیت سے جوبلی میں سب سے بہتر تقریر شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر (پنجاب) کی تھی، انھوں نے بالکل بجا طور پر مسلم یونیورسٹی کو ایک علمی یونیورسٹی بنانے کا صحیح مشورہ اور صحیح نقشہ پیش کیا جس میں مشرقیات، علوم عربیہ، اور اردو کو صحیح جگہ دیگئی تھی، کاش شیخ صاحب کی یہ مفید تقریر آئندہ ہماری مسلم یونیورسٹی کا نظام عمل اور طریقہ کار بن سکتی، جامعۂ عثمانیہ کے کامیاب تجربہ کے بعد اب اردو کے ذریعۂ تعلیم بننے میں کسی کو کیا عذر ہوسکتا ہے



ایجوکیشنل کانفرنس کی بہار کے دن تو مدت ہوئے گذر چکے، امسال توقع تھی کہ اس غیر معمولی مجمع کے موقع پر اسکی کرسیاں بھی خالی نہ رہیں گی، مگر واقعہ ایسا نہ ہوا، لوگوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور اپنے قدیم طلبگاروں کی موجودگی میں بھی اسکی یہ بے رونقی افسوس کا باعث تھی، چند سال سے مسلمان خواتین کو کانفرنس میں اپنے مناسب حق نہ ملنے کی یہ خاش تھی، امسال یہ حق زبردستی حاصل کرلیا گیا، اور خود کانفرنس کے اسٹیج سے دو خاتونوں کی طلب حق کے لیے "بغاوت انگیز" تقریریں ہوئیں، کانفرنس کی تجویزیں اسی پرانی بولی اور

اصطلاحوں میں تمین جواب صرف ایجوکیشنل کانفرنس کے "نوری ممبروں" کی زبانوں سے سنی جاتی ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سالانہ عرض و معروض کا آخر حاصل کیا ہے؟ بجز اس کے کہ

حافظ وظیفۂ تو دعا کردن است وبس

دربند آن مباش کہ نشنید یا شنید



ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر صاحبزادہ سر عبد القیوم کی طرف سے جو صدارتی خطبہ پڑھا گیا ہمارے خیال میں خیالات اور مشوروں کے لحاظ سے اوس کے اکثر حصے بیحد عمدہ تھے، خصوصاً تعلیمی نصب العین، مطالعۂ و تحقیق (طلبہ میں) اور ذریعۂ تعلیم کے عنوانوں کے ماتحت نہایت عاقلانہ اور سودمند تجویزیں پیش کیگئی ہیں، صاحبزادہ صاحب کا یہ پورا خطبہ عملی نقطۂ نظر سے صد درجہ قابل غور ہے، اور یہ وہی روح ہے جو ان کے ماتحت اسلامیہ کالج کے بعض مسلمان فاضل پروفیسروں میں ہے،

متاعِ خویش ز ہر دکان کہ باشد

امید ہے کہ اسلامیہ کالج پشاور بھی ان سے عملاً فائدہ اُٹھائے گا،



تنظیم کانفرنس، علی گڈہ میں ہوئی، مگر اس کا علی گڈہ میں ہونا پسند نہ آیا، اور آج نہیں تو کل تنظیم کے کار فرماؤں کو اس بے جوڑ اور ناہل صحبت پر خود افسوس آئیگا، تنظیم کے مقاصد سے کسی مسلمان کو شاید ہی اختلاف ہو سکتا ہو، بحث صرف اسکی ہے کہ آیا اس کام کے لیے کسی الگ مجلس کی بھی ضرورت ہے یا نہیں؛ اور جن لوگوں کو ملانے کے لیے یہ الگ بن رہی ہے وہ آگے چلکر کچھ مفید بھی ہو سکیں گے یا نہیں؟ بہرحال اس قابل غور نقطہ سے آگے بڑھکر جو کچھ بھی اس کے ہال میں کہا گیا درست تھا، شیخ عبد اللہ علی یوسف صاحب کی تقریر میں صحیح ضرورتوں کا احساس اور صحیح علاج درج ہے، تنظیم کی تجویزوں میں سب سے اہم چیز ایک خدام الاسلام تربیت گاہ کا قیام ہے،

مسلم یونیورسٹی کانوو کیشن میں سب سے پہلے ڈاکٹر کی اعزازی ڈگری کے لیے ہمارے کاروان کے آخری نقش قدم نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی کا نام پیش ہوا، موصوف کا اس اعزاز کے لیے استحقاق بداہت سے بھی زیادہ روشن ہے، کہ اس سے اگر نواب صاحب کے سابق علمی اعزاز میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، تو ہماری یونیورسٹی کے سابق علمی اعزاز میں ضرور اضافہ ہوا،

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت



علی گڈھ میں ہز ہائنس مہاراجہ الور کی تشریف آوری کئی حیثیتوں سے یادگار رہی، اوّلاً تو نفس ایک والی ملک کی ایک علمی و تعلیمی مجمع میں آمد، دوسرے اس موقع پر ملک کے مسلمان والیانِ ریاست کا تغافل اور ہندو خودمختار رئیس کی فرض شناسی، پھر نہ صرف آنا، بلکہ تقریر کرنا، اور ایسی تقریر کرنا کہ اسکی فصاحت و بلاغت، شاعرانہ نزاکت، تاریخی حوالوں، اخلاص و محبت کی زبان، ہندو مسلم اتحاد کی خواہش، مذاہب کا سچا ادب دیکھ کر لوگ عش عش تھے، اور بڑے بڑے طمطراق والے بھی حیرت سے انگشت بدنداں تھے، اور اسی تعجب و حیرت کے سکون اور جوش و خروش کے نعروں میں مہاراجہ صاحب نے ۲۵ ہزار کے عطیہ کا اعلان کیا،



مہاراجہ صاحب کو جو ایڈریس یونیورسٹی کی طرف سے دیا گیا، اس میں اس بات کا خاص طور سے تذکرہ تھا، کہ افسوس ہے کہ "ہمارے پاس دینیات کے صیغہ کے لیے سرمایہ نہیں" ہندو والی ملک نے نہایت خندہ جبینی سے مسلمانوں کی دینیات کی تعلیم کے لیے ۵ برس کے لیے ۶ ہزار سالانہ کا عطیہ پیش کیا، اور انھوں نے قبول کیا، اور صدر سے لیکر پائیں تک اس کے لیے اس زور شور کی تالیاں گونجیں کہ کان کے پردے اڑ گئے، اس خوشی اور شادمانی کے غل میں ایک حزیں و مغموم آواز عالم سروش سے آئی،

نامِ رقیب بر لبِ جانانِ من گذشت ۔۔۔ واقف نشد کسے کہ چہ بر جانِ من گذشت

اور کسی کے متعلق تو معلوم نہیں، لیکن نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خاں شروانی کے متعلق سنا ہو کہ انھوں نے یہ آواز سنی! کیا ہمارے رؤسائے دین پرور اس پانچ سال کی رقم کو خود دائمی نہیں بنا سکتے؟



مسلم لیگ کا اکھاڑا امسال نہایت شاندار تھا، وہ تمام سیاسی رہنما جو اسی مسلم لیگ کی کرسی سے اُٹھ اٹھکر سرکاری مناصب عالیہ حاصل کر چکے تھے، اپنی اپنی باری پوری کر کے پھر اسی مسلم لیگ کی کرسیوں پر فرصت کے خالی گھنٹوں کو پُر کرنے کیلئے جلوہ فرما تھے، سر عبد الرحیم کا خطبۂ صدارت اون کے عظیم الشان روایات کے بالکل خلاف تھا، اور صرف اسلیے اوسکو پسند کیا جا سکتا ہے کہ وہ مہاسبھا کی صدارتی تقریروں کا جواب بالمثل تھا۔ دو روز کے اجلاس میں جو کچھ ہوا وہ الفاظ کی سحر کاری، مذہب کی نمائش اور لفظ آزادی کے مجازی استعمال سے زیادہ نہ تھا،

علمی دنیا میں نئے سال کا سب سے افسوسناک سانحہ مشہور انگریز مستشرق پروفیسر اڈورڈ جی براؤن کی وفات ہے، موصوف نے اس مہینہ کے آغاز میں غالباً ساٹھ پینسٹھ سال کی تخمینی عمر میں انتقال کیا، وہ پہلے کیمبرج میں فارسی کے لکچرر تھے، پھر ۱۹۰۲ء میں وہ عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، انھوں نے طب کی تعلیم بھی حاصل کی تھی، عربی میں وہ پروفیسر پامر کے شاگرد تھے، انکی سب سے جامع، بسوط اور مشہور تصنیف لٹریری ہسٹری آف پرشیا کی ضخیم جلدیں ہیں، موصوف نہ صرف علمی حیثیت سے، بلکہ ایک بے تعصب عالم ایک ہمدرد مشرق، اور ایک شریف انسان ہونے کے لحاظ سے بھی نہایت بلند درجہ تھے، قومی تنگ ظرفی، اور مذہبی عصبیت سے وہ قطعاً مبرا تھے، ان آنکھوں کو یہ عزت حاصل ہے کہ انھوں نے مرنے والے کی زیارت کی تھی، آیندہ معارف میں ان کے کچھ حالات سپرد قلم ہونگے، ہندوستان میں ان کو ہم سے بہتر جاننے والے اشخاص بلکہ ان کے شاگرد موجود ہیں، کیا بہتر ہو اگر ان میں سے کوئی صاحب ہماری مدد فرمائیں اور براؤن پر ایک عمدہ مضمون لکھکر عنایت فرمائیں، اور اگر احباب پسند کریں تو معارف کا ایک نمبر صرف براؤن پر شائع کیا جائے کہ انکے احسانات کا یہ ادنیٰ ترین معاوضہ ہے،

مقالات

محمد بن عمر الواقدی

اور سیرۃ میں

علمائے مستشرقین کی ایک نئی غلطی

سیرۃ کے مشہور راویوں میں سے ایک محمد بن عمر واقدی ہے سنہ ۱۳۰ھ میں پیدا ہوا، اور سنہ ۲۰۷ھ میں وفات پائی، مدینہ منورہ میں پیدائش ہوئی، اور بغداد میں سکونت اختیار کی، اور قضا کا منصب حاصل کیا، ابتدائی مصنفین سیرت میں اس کا شمار ہے، سیرت میں اسکی ایک کتاب ہے جس کا نام کتاب **المغازی** ہے، جس میں عہد نبوت کی لڑائیوں کا حال لکھا ہے، اگلے مصنفین کا یہ حال تھا کہ چونکہ وہ ہر واقعہ کو اور واقعہ کے ایک ایک جزء کو الگ الگ سلسلہ سے بیان کرتے تھے اس لیے واقعہ کا تسلسل بیچ بیچ سے ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا جس سے عام لوگوں کی دلچسپی کم ہو جاتی تھی، واقدی نے یہ طرز اختیار کیا کہ پورے واقعہ یا پورے غزوہ کے سارے راویوں کا نام شروع میں گن دیا اور ایک دلچسپ مسلسل داستان کی صورت میں پورے واقعہ یا پورے غزوہ کو بیان کر دیا، اس طرز سے عام لوگ جو روایتوں کے پرپیچ عالمانہ سلسلوں میں پھنسکر اپنا لطف مطالعہ نہیں کھونا چاہتے تھے، انھوں نے اوسکی کتاب کو بیحد پسند کیا، اور خلفائے عباسیہ اور دیگر امرائے بزم کی نگاہ میں اس نے بڑا رتبہ پیدا کیا لیکن جس قدر امراء اور سلاطین کے ہاں اسکی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا اسی قدر علمائے زمانہ ائمہ حدیث اور معتبر بزرگوں کی مسند اعتبار سے اسکو دوری حاصل ہوتی گئی،

اس بات پر مخالف و موافق رائے شہادتیں متفق ہیں کہ اس کا حافظہ نہایت قوی تھا، اور اسی قوتِ حافظہ کی بنا پر اوس کو خاص امتیاز ہے، چنانچہ اس کے کاتب محمد بن سعد نے طبقات (۵-۴۲۱) میں لکھا ہے،

وکان عالما بالمغازی والسیرة والفتوح وباختلاف الناس فی الحدیث والاحکام واجتماعهم علی ما اجتمعوا علیه،

وہ مغازی، سیرۃ فتوحات اور حدیث و احکام میں لوگوں کے اختلافات اور جن امور پر اون کا اجماع ہے، اونکا عالم تھا،

مجاہد بن موسیٰ کا قول ہے کہ میں نے واقدی سے زیادہ حفظ یاد رکھنے والے سے نہیں لکھا، حافظ ذہبی میزان میں اس قول کو لکھکر کہتے ہیں،

قلت وصدق کان الی حفظه المنتهی فی الاخبار والسیر والمغازی والحوادث وایام الناس والفقه وغیر ذلك

میں کہتا ہوں کہ یہ بات سچ ہے، واقدی کے حافظہ، تاریخ، سیر غزوات، وقائع اور لوگوں کے حالات اور فقہ میں انتہا ہے،

معصب زبیری کہتے ہیں،

والله ما رأینا مثل الواقدی قط

بخدا ہم نے واقدی کا مثل نہیں دیکھا،

خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں کہتے ہیں

هو ممن طبق الارض شرقها وغربها ذکره ولم یخف علی احد عرف اخبار الناس امره، وسارت الرکبان بکتبه فی فنون العلم من المغازی والسیر والطبقات واخبار النبی صلعم والاحداث الکائنة فی وقته وبعد وفاته

یہ ان لوگوں میں سے ہے جسکی شہرت نے زمین کے مشرق و مغرب کو گھیر لیا ہے، اور جو شخص کہ تاریخ سے واقف ہے اس سے اس کا حال چھپا نہیں ہے، مغازی، سیر اور طبقات اور آنحضرت صلعم کے حالات اور جو واقعات آپ کے زمانہ میں ہوئے اور آپکی وفات کے بعد ہوئے، ان چیزوں میں اسکی کتابوں کو لوگ ہر جگہ لیے پھرتے ہیں

یہ واقدی کے علم و حفظ کے وہ واقعات ہیں جنپر سب کا اتفاق ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ واقدی وثوق،

اعتبار اور سند کے لحاظ سے کس رتبہ کا آدمی ہے؟ بعض لوگوں نے اس کے موافق شہادت دی ہے، مگر فن کے ناقدوں اور رجال کے واقفکاروں کا بڑا حصہ جس میں امام شافعی، امام ابن حنبل، امام بخاری وغیرہ داخل ہیں، اوس کو بے اعتبار جھوٹا اور دروغگو کہتا ہے، اور اسی لیے اوسکی روایتوں کو محدثوں نے حدیث اور احکام کی کتابوں میں جگہ نہیں دی ہے، اور نیز علما، کے نزدیک اوسکی کتاب المغازی کو وہ حیثیت نہیں حاصل ہوئی، جو محمد بن اسحاق کی سیرت کو حاصل ہوئی، بہرحال واقدی کی کتاب المغازی ایک نادر و کمیاب کتاب تھی اور ہم علمائے مستشرقین کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کو چھاپکر وقف عام کیا،

۱۸۵۰ء کے پس و پیش عہد میں جرمن عالم ڈاکٹر اسپرنگر کے بدولت ہندوستان میں عربی کتابوں کی اشاعت کا نادر موقع بہم پہنچا، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے اس باب میں خاص اہمیت حاصل کی، صحابہ کے حالات میں حافظ ابن حجر کی تصنیف الاصابہ فی تمیز الصحابہ کی اشاعت سے ڈاکٹر اسپرنگر اور ایشیاٹک سوسائٹی کو خاص شہرت حاصل ہوئی، اور اسی کے ساتھ ڈاکٹر اسپرنگر پہلے یورپین عالم ہیں جنھوں نے عربی ماخذوں سے "دی لائف آف محمدؐ" ترتیب دی، اور اسلیے اس نے یورپ کے علمی حلقوں میں ایک جگہ پیدا کرلی،

لے، وان، کریمر (A. VAN KREMER) جو مشہور یورپین مستشرق ہیں، اور سرکاری تعلق یعنی آسٹریا کے وکیل مطلق کنسولیٹ جنرل کی حیثیت سے اسکندریہ (مصر) میں مقیم تھے، انھوں نے واقدی کی کتاب المغازی کا واحد نایاب نسخہ دمشق کے ایک کتبخانہ میں پایا، جون ۱۸۵۴ء میں ڈاکٹر اسپرنگر نے اسکندریہ میں الفرڈ وان کریمر صاحب سے ملاقات کی، اور اونکی کتاب المغازی واقدی کا نسخہ دیکھا، اور ان کو آمادہ کیا کہ ببلوتھیکا انڈیکا کے سلسلہ میں وہ اس کو مرتب (اڈٹ) کریں اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں چھپوائیں، فروری ۱۸۵۶ء میں جب وہ ہندوستان آئے تو یہ کتاب چھپ چکی ہے، یعنی ۱۸۵۵ء میں وہ چھپ چکی تھی، بہرحال ابن ہشام کے بعد سیرۃ نبوی میں یہ دوسرا ابتدائی ماخذ تھا، جو یورپ کے ہاتھ آیا، اس لئے اس کے ساتھ خاص اہتمام برتا گیا، ولہاوسن نے ۱۸۸۲ء میں "محمد مدینہ میں" کے عنوان سے جرمنی میں اس کا ترجمہ شائع کیا، اور یہ بڑی حد تک یورپ کے

مستشرقوں میں سند اور ماخذ قرار پایا، چنانچہ ۱۹۰۵ء میں پروفیسر مارگیولیوتھ نے انگریزی میں محمد اور ترقی اسلام کے نام سے سیرۃ میں جو فاضلانہ کتاب تصنیف کی ہے، اور جسمیں پہلی دفعہ ایک مستشرق نے سیرۃ میں احادیث کو ماخذ قرار دیا ہے، اور اسلیے وہ خاص اعتنا کی مستحق ہے، اس میں بھی وہ ولہاوسن سے مستغنی نہ ہو سکے، اور کتاب المغازی کے اصل عربی نسخہ کے بجائے ولہاوسن ہی کے ترجمہ کو اونھوں نے قابل قبول سمجھا،

اتنی تمہید کے بعد اب اصل مقصد سنئے، ابھی حال میں مانچسٹر گارجین اخبار (انگلستان) میں ایک مضمون نکلا ہے جس میں مضمون نگار نے ایسے فقرے لکھے ہیں جنسے حضور انور صلعم کی شان میں گستاخی ہوتی ہے، منجملہ اُن کے ایک فقرہ یہ ہے کہ "آپ ایسے بزدل اور ڈرپوک تھے کہ بدر میں جب خون بہتے دیکھا تو آپ کو غش آگیا" ایک مسلمان نے مضمون نگار سے اس واقعہ کا حوالہ دریافت کیا، تو اس نے مارگیولیوتھ کی کتاب کا حوالہ دیا، مارگیولیوتھ نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں (صفحہ ۲۵۹) میں بے حوالہ نقل کیا ہے، اسلیے مارگیولیوتھ صاحب سے اس کا ماخذ دریافت کیا گیا تو انھوں نے واقدی کے جرمن ترجمہ ولہاوسن کا حوالہ دیا، اس پر واقدی کے معتبر و غیر معتبر ہونے کی بحث چھڑ گئی، جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے پچھلی ڈاک سے یہ پوری خط و کتابت میرے پاس بھیجدی ہے، اس کو پڑھکر یورپین مستشرقین کے علمی تبحر اور فضل و کمال کی ایک اور عمدہ مثال ہاتھ آگئی، پروفیسر مارگولیوتھ اپنے کرمنامہ میں لکھتے ہیں،

مورخہ ۴ نومبر ۱۹۲۵ء آکسفورڈ

"جناب من! میرا خیال ہے کہ مضمون نگار نے "محمد اور ترقی اسلام" کے حسب ذیل فقرہ کا حوالہ دیا ہے (صفحہ ۲۵۹)

"جب خون کا پہلا قطرہ بہایا گیا تو پیغمبر اپنے جھونپڑے میں واپس آئے اور نڈھال ہو کر غش کھا گئے" FAINTED

یہ بعینہ واقدی کے الفاظ ہیں، برٹش میوزیم ۱۸۸۴ء جس کا ترجمہ ولہاوسن نے "محمد مدینہ میں" کے عنوان سے برلن میں ۱۸۸۲ء میں کیا ہے، (صفحہ ۵۴) "کہ جب فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آئیں تو محمد نڈھال ہو کر غش کھا گئے FAINTED تا گیا دوسری شکل میں ہے (صفحہ ۵۰) کہ جب واقدی آگے کہتا ہے کہ محمد بہر حال بہت جلد ہوش میں آگئے" روا لڑائی شروع ہوئی تو محمد نے دعا کی، ابوبکر نے تسلی دی" صحیح مسلم مطبوعہ قاہرہ ۱۲ جلد ۲ صفحہ ۵۵ اور واقدی صفحہ ۵۵

سے یہ ظاہر ہے کہ یہ دعا اس بیہوشی کے دورہ سے افاقہ کے بعد مانگی گئی تھی یعنی واقدی کے اس فقرہ کو کہ جب فوجین ایک دوسرے کے مقابل آئیں، اس طرح ادا کرنے میں کہ جب خون کا پہلا قطرہ گرایا گیا، خود واقدی کا مطلب ادا کر دیا ہے

خواجہ صاحب نے جب پروفیسر مارگولیتھ کو لکھا کہ واقدی کا حوالہ بیکار ہے کہ وہ مسلمانوں میں معتبر نہیں، تو موصوف نے یاقوت حموی کی کتاب معجم الادبار کی جلد، کا جو ہنوز ان کی اڈیٹرشپ میں زیر طبع ہے اس کا حوالہ دیا کہ یاقوت نے لوگوں سے اوسکی توثیق نقل کی ہے، خط کی عبارت یہ ہے ؛۔

مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۲۵ء

جناب من! میں فرصت کے وقت اوس نقطہ پر غور کرونگا جدھر آپ نے مجھکو متوجہ کیا ہے، اور یہ مجھ کو اس صدمہ سے بھی نجات دلانے کیلئے تھوڑا سا وقت لیگا کہ آپ واقدی ایک مسلمان مؤرخ کو جو بہت سے مستند اصحاب کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہے، ایک مشہور دروغگو کہتے ہیں، وہ ائمۂ اسلام جو واقدی کو اس نظر سے دیکھتے ہیں، یعنی یہ کہ وہ ہر حیثیت سے بالکل معتبر ہے، یاقوت نے معجم الادبار کی ساتویں جلد میں جو ابھی زیر طبع ہے، ان کو گنایا ہے"۔

سب سے پہلے ہم کو پروفیسر مارگولیتھ صاحب کے اس احسان کا شکریہ ادا کرنا ہے، کہ انھوں نے واقدی کی توثیق اور معتبر ہونے کے لیے یاقوت کا حوالہ دیا ہے، دنیا جانتی ہے کہ یاقوت کا شمار ناقدین حدیث اور علمائے اصول میں نہیں ہے، وہ صرف ادب وجغرافیہ و تاریخ کا آدمی ہے، اوسکو اشخاص کی جرح و تعدیل سے کیا تعلق ہے ؟ ہمارے پروفیسر صاحب کو واقدی کے معتبر شمار کرانے میں خاص انہماک ہے، ۱۵ یا ۱۹۱۶ء میں جب وہ پنجاب یونیورسٹی کے بلاوے پر ہندوستان آئے تھے تو لکھنؤ میں گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے ان سے ملاقات کا اتفاق ہوا تھا، لیکن اس ملاقات میں بھی دانستہ یا نادانستہ واقدی ہی کی معتبری و نامعتبری کی بحث چھڑ گئی تھی، میں نے کہا تھا کہ واقدی کی حیثیت ایک داستان گو کی ہے، جسکا شمار معتبر مؤرخین میں نہیں ہوسکتا، تاریخ وسیرت میں اس کا حوالہ دینا ایسا ہی ہے جیسے آپ ملکہ الزبتھ کی سوانحعمری میں رینالڈس کا حوالہ دیں، پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ امام شافعی کی نسبت کیا کہتے ہو کہ وہ اس سے روایت کرتے ہیں؟ میں نے کہا اگر یہ درست ہے تو نفس روایت کرنا یہ معنی نہیں رکھتا کہ

امام نے اوسکی توثیق کی ہے، درآنحالیکہ کتب نقد میں یہ صاف تصریح ہے کہ امام موصوف اوسکی تصنیفات کو جھوٹ کا انبار کہا کرتے تھے،

بہر حال اب معجم الادبار کی اڈیٹری کی تقریب سے پروفیسر صاحب کو واقدی کے مداحوں کے چند نام اور ہاتھ آئے ہیں، لیکن میں بتانا چاہتا ہوں کہ واقدی کی توثیق کے لیے ایک ادیب وجغرافی واخباری کی تصنیف کے حوالہ کی ضرورت نہیں، واقدی کی حمایت میں جو اقوال اسکے اندر ہونگے، وہ ہماری نگاہوں سے مخفی نہیں ہیں، آٹھویں صدی میں یاقوت نے جو کچھ جمع کیا ہے، وہ سب آٹھ صدیوں کی جرح وتعدیل کی کتابوں میں مذکور ہے، محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر واقدی کا حامی اور مدافع علامہ ابن سید الناس اندلسی المتوفی ۷۳۴ھ سے زیادہ کوئی نہیں، انھوں نے ان دونوں کے متعلق جسقدر توثیق اور استناد کے اقوال تھے سب کو اپنی کتاب عیون الاثر فی فنون المغازی والتاریخ والسیر کے مقدمہ میں سب یکجا کر دیا ہے، اسی کے ساتھ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اون کے مخالف وموافق جو کچھ کہا گیا ہے سب جمع کر دیا ہے، اس سے کچھ زیادہ یاقوت کی متوقع جلد میں ہوگا،

نفس واقعۂ غشی کی تحقیق کے لیے بحث کی تین منزلیں ہیں، واقدی کی حیثیت، اس کی کتاب المغازی کی حیثیت، اصل واقعہ کی صورت،

واقدی کی حیثیت واقدی کے حافظہ اور کثرت معلومات کی شہادتیں اوپر گذر چکی ہیں، امام شاذکونی نے اسکے متعلق ایک نہایت ظریفانہ فقرہ کہا ہے کہ "واقدی بہرحال بہت بڑا آدمی تھا، اگر وہ جھوٹا تھا تب بھی بہت بڑا آدمی تھا اور اگر سچا تھا تب بھی بہت بڑا تھا"، واقدی کی ذات آج نہیں بلکہ ہمیشہ سے معرض بحث میں رہی ہے اور اس کا سلسلہ خود اوسکی زندگی میں شروع ہو چکا تھا، چھوٹے سے چھوٹا کوئی ایسا بدقسمت راوی شاید ہی ملے گا جسکی ایک آدھ نے توثیق نہ کردی ہو، اس لیے علمائے اصول کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ مخالف یا موافق دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھکر اور اون کو باہم تول کر اوس کے متعلق قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں، واقدی کا بھی یہی حال ہے، چنانچہ اوس کے متعلق مخالف وموافق دونوں پہلو حسب ذیل ہیں،

اوس کے مواقق پہلو کا روشن حصہ یہ ہے کہ اوس کے علم و حافظہ کی سب نے تعریف کی ہے، یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام مالک سے قتل ساحرہ کی نسبت دریافت کیا گیا تو امام نے فرمایا دیکھو واقدی کے پاس اس کے متعلق کچھ ہے، لوگوں نے اوس سے پوچھ کر امام کو اطلاع دی، تو لوگ کہتے ہیں کہ امام نے اس پر قناعت کی، اسی طرح ایک دفعہ اور امام سے کسی نے دریافت کیا کہ خیبر کی اوس یہودی عورت کو جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملایا تھا، آپ نے کیا برتاؤ کیا، امام نے فرمایا کہ مجھکو اس کے متعلق کوئی علم نہیں، اہل علم سے دریافت کرونگا، چنانچہ امام نے واقدی سے ملاقات کی تو دریافت کیا، اور حلقہ میں آکر فرمایا کہ اہل علم نے یہ جواب دیا، دراوردی ایک ناقد حدیث ہیں اون سے کسی نے پوچھا کہ واقدی کے متعلق آپکی کیا رائے ہے؟ انھون نے جواب دیا تم واقدی کو مجھسے پوچھتے ہو، تم واقدی سے مجھ کو پوچھو، یہی جواب ابو عامر عقدی اور معن بن عیسیٰ نے بھی دیا ہے،

ان اقوال کے علاوہ میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب اور عیون الاثر میں جن علماء نے جن الفاظ میں اسکی توثیق کی ہے، وہ حسب ذیل ہین،

نام	اصل قول	ترجمہ
دراوردی،	الواقدی امیر المؤمنین فی الحدیث،	واقدی حدیث میں مسلمانون کا امیر ہے،
یعقوب بن شیبہ،	حدثنی بعض اصحابنا انہ ثقۃ،	ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ وہ ثقہ ہے،
مصعب زبیری،	ھو ثقۃ مامون	وہ ثقہ اور مامون ہے،
ابن نمیر،	اما حدیثہ ھنا فھو مستو اما حدیث اھل	انکی حدیث یہان تو برابر ہے لیکن اہل مدینہ کی حدیث تو
؍؍	المدینۃ فھم اعلم بہ،	وہ اس سے زیادہ واقف ہیں، (یعنی اس کے متعلق وہ فیصلہ کرین)
ابراہیم الحربی،	الواقدی امین الناس فی الاسلام،	واقدی اسلام میں لوگوں کا امین ہے،
محمد بن اسحاق الصنعانی،	لولا انہ عندی ثقۃ ما حدثت بہ،	اگر وہ میرے نزدیک ثقہ نہ ہوتا تو میں اس سے روایت نہ کرتا

یزید بن ہارون،	الواقدی ثقہ	واقدی ثقہ ہے،
عباس عنبری،	ھو احب الیَّ من عبد الرزاق	وہ مجھے عبدالرزاق سے زیادہ پسند ہے،
ابوعبید القسم بن سلام،	ثقہ،	وہ ثقہ ہے،
مسیتبی،	ثقہ	وہ ثقہ ہے،

یہ واقدی کے طرفداروں کی سب سے بڑی فہرست ہے مگر یہ دیکھو کیا ان میں کوئی بھی مشہور امام ہے، فنِ نقد کے اساطینِ اعلام میں سے کسی کا نام ہے؟ بے شبہہ یہ لوگ بھی قابلِ وقعت ہیں اوران سے بڑی مخالف شہادتیں اگر موجود نہ ہوتیں، تو اونکی موافق شہادتیں بڑا درجہ رکھتیں، مگر حالت یہ ہے کہ خود ان طرفداروں میں سے بھی جو لوگ اوسکی حالت سے واقف ہوگئے انھوں نے اس کو چھوڑ دیا، چنانچہ ابن نمیر جنھوں نے یہ کہا ہے کہ "اوسکی حدیث یہاں ٹھیک ہے" انھوں نے بھی اوسکو چھوڑ دیا (تہذیب) ابن سعد جو واقدی کا کاتب تھا اور جس سے اوسکی حمایت کی امید ہوسکتی ہے، دو صفحوں میں اس نے اوس کا حال لکھا ہے، مگر ایک حرف بھی اوسکی توثیق اور اعتبار و استناد کے متعلق نہیں لکھا، امام شافعی فرماتے ہیں کہ "اوسکی کتابیں جھوٹ کا انبار ہیں"، سب سے بڑے ناقد فن اور امام حدیث امام بخاری اپنی تاریخ صغیر میں جو اس وقت اسماء الرجال کی سب سے پرانی دستاویز ہمارے پاس ہے، واقدی کے متعلق محدثین کا یہ طرزِ عمل ظاہر کرتے ہیں، (مطبوعہ الہ آباد صفحہ ۲۲۸)

محمد بن عمر الواقدی ابوعبد اللہ الاسلمی مدنی قاضی بغداد ترکوہ،	محمد بن عمر واقدی، ابوعبداللہ اسلمی، مدینہ کے ہیں، بغداد کے قاضی تھے، محدثین نے اونکو چھوڑ دیا ہے،

امام ممدوح کتاب الضعفاء الصغیر میں فرماتے ہیں، (مطبوعہ الہ آباد صفحہ ۳۲)

متروک الحدیث،	وہ متروک الحدیث ہے،

امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ جنکی تصنیف حدیث کی چھ معتبر کتابوں میں سے ایک ہے، اپنی تصنیف کتاب الضعفاء والمتروکین میں کہتے ہیں،

متروك الحديث (الٰہ آباد صفحہ ۲۲۰) وہ متروک الحدیث ہے،

امام موصوف اسی کتاب میں لکھتے ہیں (صفحہ ۳۵)

والکذابون المعروفون بوضع الحدیث علی اور وہ جھوٹے جو حضور انور صلعم پر حدیث گھڑ کر بیان کرنے میں مشہور

رسول اللّٰہ صلعم اربعۃ ابن ابی یحیی بالمدینۃ ہیں، چار شخص ہیں، ابن ابی یحیی مدینہ میں، واقدی بغداد میں،

والواقدی ببغداد ومقاتل بن سلیمان بخراسان مقاتل بن سلیمان خراسان میں، اور محمد بن سعید شام میں،

ومحمد بن سعید بالشام، " " " " " " " " " "

ان متفق علیہ اماموں کے فتویٰ کے بعد واقدی کے طرفداروں کی حیثیت جس قدر رہجاتی ہے وہ ظاہر ہے،

اب آگے چلیے، رجال کی عام کتابوں تہذیب التہذیب ابن حجر، میزان الاعتدال ذہبی، وغیرہ کا جائزہ

لیجئے، امام بخاری کے استاد ابن مدینی کہتے ہیں،

عندہ عشرون الف حدیث یعنی مالہا اصل و قال واقدی کے پاس ۲۰ ہزار حدیثیں ہیں یعنی انکی کوئی اصل نہیں ہے، دوسری جگہ

فی موضع آخر لیس ھو بموضع للروایۃ وابراہیم بن وہ کہتے ہیں کہ واقدی روایت کے کسی رتبہ میں نہیں ہے، ابراہیم بن یحیی بڑا

یحیی کذاب وھو عندی احسن حالا من الواقدی (التہذیب) جھوٹا ہے، مگر واقدی میرے نزدیک اچھا ہے،

ایک اور ان کا قول ہے،

الھیثم بن عدی اوثق عندی من الواقدی ہیثم بن عدی میرے نزدیک واقدی سے زیادہ قابل اعتبار ہے ہیں

ولا ارضاہ فی الحدیث ولا فی الانساب ولا فی شیء (تہذیب و میزان) واقدی کو حدیث میں اور نہ نسبوں کے بیان میں اور نہ کسی چیز میں پسند کرتا ہوں

الواقدی یضع الحدیث، (میزان) واقدی حدیث جعلی بنایا کرتا ہے،

امام شافعی فرماتے ہیں،

کان بالمدینۃ سبع رجال یضعون الاسانید مدینہ میں سات آدمی تھے جو اسناد جعلی بنایا کرتے تھے، ان میں ایک

واحدھم الواقدی (تہذیب) واقدی ہے، "

اہل سنت کے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں

الواقدی کذاب (تہذیب)
واقدی بڑا جھوٹا ہے،

لم یزل امر الواقدی یدافع حتی روی عن معمر عن الزهری عن نبهان عن ام سلمة فجاء بشیئ لا حیلة فیه (تہذیب)
واقدی کی طرف سے ہمیشہ مدافعت کیجاتی رہی، یہانتک کہ اوسنے معمر، زہری، نبہان اور ام سلمہ کے مسلسل واسطہ سے روایت کی تو اب اسکی مدافعت کا کوئی حیلہ باقی نہ رہا،

ھو کذاب یقلب الاحادیث (میزان)
وہ بڑا جھوٹا ہے، حدیثیں الٹ پلٹ ڈالتا ہے،

دیکھو فن کے اماموں نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے،

قال البخاری الواقدی متروک الحدیث ترکه احمد وابن المبارک وابن نمیر واسمٰعیل بن زکریا (تہذیب)
بخاری نے کہا واقدی متروک الحدیث ہے امام احمد، عبد اللہ بن مبارک، ابن نمیر اور اسماعیل بن زکریا نے اوس کو چھوڑ دیا،

علی بن مدینی بغداد آئے تو وہاں کے شیوخ کے حلقوں میں پھرے، واقدی کے حلقہ میں چلنے کی اُنکے رفیق نے سفارش کی تو ان کو متردد پایا، بالآخر بغداد کے امام احمد بن حنبل کو لکھکر استصواب کیا، امام نے یہ جواب دیا،

کیف تستحل ان تکتب حدیث رجل روی عن معمر حدیث نبهان، (تہذیب)
تم اس شخص سے حدیث لکھنا کیسے جائز سمجھتے ہو جس نے معمر سے نبہان والی حدیث روایت کی،

فن نقد کے امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں،

ضعیف، لیس بشیئ، کان یقلب حدیث یونس یغیرہ عن معمر، لیس بثقة (تہذیب)
ضعیف ہے، وہ کچھ نہیں، وہ یونس والی حدیث دوسرے کے نام بدل دیتا تھا وہ ثقہ نہیں ہے،

لیس بثقة لا یکتب حدیثه (میزان)
وہ ثقہ نہیں، اوسکی حدیث نہ لکھی جائے،

صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ایک ابو داؤد کہتے ہیں،

لا اكتب حديثه ولا احدث عنه ما اشك انه — میں اوسکی حدیث نہیں لکھتا، اور نہ اس سے روایت کرتا، مجھے

كان يفتعل الحديث، (تهذيب) — کوئی شک نہیں ہے کہ وہ حدیث جعلی بنایا کرتا تھا،

امام ترمذی کے شیخ بندار کہتے ہیں،

ما رأيت اكذب منه (تهذيب) — میں نے اس سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا،

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں،

هو عندي ممن يضع الحديث (تهذيب) — میرے نزدیک وہ اون لوگوں میں ہے جو حدیث وضع کیا کرتے تھے

ابو زرعہ رازی، ابو بشر دولابی اور عقیلی کہتے ہیں،

متروك الحديث، (تهذيب) — اسکی حدیث چھوڑ دی گئی ہے،

ناقد حدیث ابو حاتم رازی کہتے ہیں، کہ انھوں نے اور محدثین نے کیونکر اس کا امتحان لیا،

وجدنا حديثه عن المدنيين عن شيوخ مجهولين مناكير قلنا يحتمل ان تكون تلك الاحاديث منه ويحتمل ان تكون منهم ثم نظرنا الى حديثه عن ابن ابي ذئب ومعمر فانه يضبط حديثهم فوجدناه قد حدث عنهما بالمناكير فعلمنا انه منه فتركنا حديثه (تهذيب)

ہمنے مدینہ والوں سے اوسکی حدیث نامعلوم شیوخ سے روایت کی ہوئی منکر پائی، ہمنے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ اسکی کارروائی ہے، یا اس کے ان نامعلوم استادوں کی ہو، پھر ہمنے غور سے اوسکی حدیث کو جو ابن ابی ذئب اور معمر سے تھی، دیکھا کیونکہ وہ ان لوگوں کی حدیثوں میں ضبط رکھتا تھا، تو پایا کہ اوس نے ان دونوں بزرگوں سے بھی منکر روایتیں کی ہیں، تو ہمنے جان لیا کہ اسی کی کارروائی ہے تو پھر ہمنے اوسکی حدیث چھوڑ دی

ابو حاتم اور نسائی کا بیان ہے،

يضع الحديث، (ميزان) — وہ حدیث وضع کرتا تھا

دار قطنی،

فيه ضعف (ميزان) — اس میں کمزوری ہے،

جوزجانی

لم یکن مقنعا، (تہذیب) وہ تسلی دینے والا نہیں،

ابن عدی،

احادیثہ غیر محفوظۃ والبلاء منہ (عیون الاثر) اسکی حدیثیں غیر محفوظ ہیں، اور آفت اوسی سے ہے

واقدی کے متعلق اس کے معاصرین اور اس کے قریب العہد ناقدین کی جنمیں اسلام کے نامور ترین علما اور ائمہ داخل ہیں، یہ رائیں ہیں، غور کرو کہ ایسا شخص سیرۃ کے اہم مباحث میں کوئی قابل وقعت سند بن سکتا ہے، متاخرین نے اوسکی نسبت جو آخری اور اختتامی فیصلہ کیا ہے وہ بھی سن لیجیے،

امام نووی (صحیح مسلم کے شارح) شرح مہذب کتاب الغسل میں لکھتے ہیں،

الواقدی ضعیف باتفاقہم (تہذیب) واقدی بالاتفاق ضعیف ہے،

امام ذہبی میزان میں کہتے ہیں،

استقر الاجماع علی وھن الواقدی، واقدی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہو چکا ہے،

علامہ زرقانی مالکی سیرۃ کی سب سے مشرح ومبسوط کتاب شرح مواہب میں غزوۂ بدر کے بیان میں واقدی کی نسبت لکھتے ہیں،

الحافظ المتروک مع سعۃ علمہ (جلد اول صفحہ ۵۰۰ مطبوعہ مصر) حافظ ہیں، باوجود اپنی وسعت علم کے متروک،

غرض وہ بالاتفاق متروک ہے یعنی چھوڑ دیا گیا ہے، اور اسکی روایت سے پرہیز کیا جاتا ہے، اسلیے وہ استناد کے قابل نہیں، ابن سید الناس نے عیون الاثر میں محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر الواقدی دونوں کی توثیق وجرح کے اقوال یکجا کئے ہیں، اور جرح کے جوابات دینا چاہتے ہیں، چنانچہ محمد بن اسحاق کی جرح کے جوابات بہت جوش وخروش سے دئیے ہیں، مگر محمد بن عمر واقدی کی جرح کے جوابات نہ دیسکے، اور شروع ہی میں سپر ڈالدیا کہ

اما الکلام فیہ فکثیر اس پر اعتراضات بہت زیادہ ہیں،

واقدی کی کتاب کی حیثیت | خود مصنف کی حیثیت متعین ہو جانے کے بعد اوسکی تصنیف کی حیثیت بھی متعین ہو جاتی ہے، ایسے غیر معتبر، دروغگو اور جھوٹے کی روایتوں کے مجموعہ کا کیا درجۂ استناد ہو سکتا ہے، اسی لیے امام شافعی فرماتے ہیں،

کتب الواقدی کلہا کذب — واقدی کی تمام کتابیں جھوٹ ہیں،

امام دارقطنی فرماتے ہیں،

الضعف یتبین علی حدیثہ — اسکی روایت پر ضعف نمایاں ہے،

واقدی کا طرزِ تصنیف بتا چکا ہوں کہ وہ راویوں کے متعدد ناموں کو یکجا کر کے پورا واقعہ بلکہ پوری کتاب قصہ کی طرح بیان کر دیتا ہے، جس سے یہ بالکل نہیں معلوم ہوتا کہ یہ خاص خاص روایتیں اوس نے کہاں سے لی ہیں، اور اسی لیے اسکی کتابیں غیر معتبر سمجھی جاتی ہیں، اب اسی کتاب المغازی کو لیجئے، جو وان کریمر کے جمع و تحشیہ سے کلکتہ میں چھپی تھی کہ اُس کے شروع میں ایک ہی جگہ اپنے ۵ ۲ شیوخ کے نام لکھدیئے ہیں، اور کہدیا کہ "ان میں بعض کی باتیں بعض میں ملگئی ہیں" اور اس کے بعد بے سند مسلسل ایک کہانی کی طرح غزوات کے تمام حالات بیان کر دیئے ہیں، کہیں کہیں سند الگ بھی آتی جاتی ہے، مگر منقطع، بہرحال یہ ابتدائی سند بھی صرف اس کے شیوخ کی ہیں، اون کے آگے کے راویوں کا اوس نے کوئی پتہ نہیں دیا ہے، سمجھ لیجئے کہ ایسی روایتوں کے مجموعہ کی محدثین میں کیا وقعت ہو سکتی ہے، اور اسی لیے واقدی کی کتاب المغازی اہل نقد میں کوئی درجہ نہیں رکھتی، چنانچہ امام احمد بن حنبل نے واقدی کی اسی طرزِ تالیف کی بنا پر اوسکی کتاب کو غیر مسلّم ٹھہرایا ہے، (عیون الاثر) ایک حربی واقدی کے ایک طرفدار نے یہ کہا ہے کہ "اگر یہ واقدی کا عیب ہے تو زہری اور ابن اسحاق نے بھی یہ طرز اختیار کیا ہے" مگر یہ جواب اسلئے صحیح نہیں کہ زہری اور ابن اسحاق کی شخصیت بجائے خود بلند ہے، اس کے علاوہ انہوں نے کہیں کہیں یہ طرز اختیار کیا ہے، پوری کتاب کی بحالت انھوں نے یہ نہیں بنا دی ہی، اور واقدی نے اپنی ذاتی کمزوری، اور بے اعتباری کے ساتھ ساتھ عموماً اپنا یہ دتیرہ اختیار کر لیا، اس سے اوسکی کتاب گر گئی، اور قابل نہیں رہی، پوری کتاب میں شاذ و نادر ہی اس کے یہاں پوری سند موجود ہے، اگر کہیں کہیں ہے تو

ابتدائی عینی شاہد تک تو وہ پہنچتی ہی نہیں، اور جو پہنچے بھی تو روا ۃ ناقابل اعتبار، اسلیے اس کتاب کے ایسے واقعات جو دوسری معتبر کتابوں میں موجود نہ ہوں ناقابل تسلیم ہیں،

واقعہ کی اصلیت اب اتنی تمہیدوں کے بعد بدر میں آپ کے ڈر کر بیہوش ہوجانے کی روایت پر غور کیجئے اگر یہ واقعہ بالفرض واقدی کی کتاب المغازی میں ہو بھی تو اوسکی حیثیت کا اندازہ آپ مصنف اور تصنیف کی حیثیت سے لگا چکے ہونگے اور آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ ایسے جھوٹے، بے اعتبار، جعلی حدیث بنانے والے کی روایت کا کیا درجہ ہو گا؟ یہ واقعہ واقدی کی جس روایت پر مبنی ہے، واقدی نے اوسکا سلسلہ سند مطلق نہیں بیان کیا ہے، کہ اس سے کس نے یہ بیان کیا، اور اوس نے کس سے سنا، اور اس کا آخری شریک واقعہ عینی گواہ کون ہے، غرض مطلق بے سند بات ہے، اور سیرت اور حدیث کی کس کتاب سے اسکی تصدیق و تائید ہوتی ہے،

بہرحال اس خاص واقعہ کی تحقیق کے سلسلہ میں جب مارگولیتھ صاحب کی کتاب "محمد اور ترقی اسلام" (محمد اینڈ دی رائز آف اسلام) اور ولہاوسن کی "محمد مدینہ میں" کا اقتباس مذکور دیکھا، اور اس کا وان کریمر کے شایع کردہ اصل عربی متن سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس دروغبافی میں بیچارہ واقدی کا اوتنا قصور نہیں جسقدر ولہاوسن صاحب اور مارگولیتھ صاحب کا ہے، "اول ظلم در جہان اندک بود، ہر کہ آمد برآن مزید کرد" سب سے پہلے آپ مارگولیتھ صاحب کی روایت پڑھیے:-

"جب خون کا پہلا قطرہ گرایا گیا، تو پیغمبر اپنے جھوپڑی میں واپس آیا، اور غش کھا گیا، جب وہ ہوش میں آیا تو اس نے اپنا وقت دعا کے نذر کیا، تاکہ وہ یہ دکھائے کہ وہ بالکل ہوشیار تھا" (صفحہ ۲۵۹)

مارگولیتھ صاحب اپنے اس اختراع فائقہ کا ماخذ واقدی کے جرمن ترجمہ کو بتاتے ہیں، جسکا مترجم ولہاوسن ہے، اور جس نے اس کا نام "محمد مدینہ میں" رکھا ہے:-

"جب فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آئیں تو محمد کو غش آگیا۔ . . . بہرحال وہ بہت جلد ہوش میں آگئے" (برلن ۱۸۸۲ء صفحہ ۴۵)

اب آئیے اور واقدی کی کتاب المغازی کھولیں، اس میں کیا ہے؟ لفظی ترجمہ یہ ہے،

پھر عتبہ نے اپنے مقابلہ کے لیے (مسلمانوں کو) پکارا، اور رسول اللہ صلعم اپنے عریشہ میں تھے، اور آپ کے صحابہ اپنی صفوں میں تھے، تو آپ لیٹ گئے تو آپ کو نیند نے چھالیا، جو آپ پر غالب آگئی تھی، اور فرمایا تم اس وقت تک نہ لڑو، جب تک میں تم کو اجازت نہ دوں، اور اگر وہ تمھارے قریب آجائیں تو ان کو تیر مارو، اور تلوار اس وقت تک نہ کھینچو جب تک وہ تم پر چھا نہ جائیں، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! لوگ قریب آگئے، اور انھوں نے ہمیں پالیا، تو رسول اللہ صلعم بیدار ہوئے، اور خدا نے آپ کو کافروں کو خواب میں تھوڑا کر کے دکھایا اور بعض کو بعض کی آنکھوں میں تھوڑا کر کے دکھایا، تو رسول اللہ بیقرار ہوئے اور دونوں ہاتھ اپنے اٹھائے تھے اپنے رب سے موعودہ نصرت مانگ رہے تھے، (کتاب المغازی واقدی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۵ء (دان کریمر)

ناظرین! غور کریں، بات کہاں سے کہاں گئی، واقدی تو نیند کا ذکر کرتا ہے، ولہاؤسن اس کا ترجمہ غشی کرتے ہیں، مارگولیتھ صاحب ڈر سے غش کھا کر گر جانا (FAINTED) اس سے مطلب نکالتے ہیں، کیا یورپین مستشرقانہ تحریف کی اس سے بہتر کوئی مثال ہو سکتی ہے؟ عربی جاننے والوں کے لیے ہم واقدی کی کتاب کی اصل عبارت نقل کر دیتے ہیں،

"ثم دعا عتبة الى المبارزة ورسول الله صلعم فی العریش واصحابه على صفوفهم، فاضطجع فغشيه نوم غلبه وقال لا تقاتلوا حتى اوذنكم وان اكثبوكم فارموهم ولا تسلوا السيوف حتى يغشوكم، قال ابوبكر رضی یا رسول الله قد دنا القوم وقد نالوا منا فاستيقظ رسول الله وقد اراهم الله ايا هم فی منامه قليلا وقلل بعضهم فی اعين بعض ففزع رسول الله صلعم وهو رافع يديه يناشد ربه ما وعده من النصر"

ہمارے عربی خوان طلبہ غور سے اس عبارت کا ایک ایک لفظ پڑھ جائیں اور بتائیں کہ اس میں کون لفظ ہے جس کا ترجمہ اوکسفورڈ اور جرمنی کے عربی پروفیسروں نے ڈر کر غش کھا کر گر جانا کیا ہے نہ تو اس میں خوف

کے پہلے قطرہ کے گرنے" کا لفظ ہے، نہ اس میں اس موقع پر" باہر سے اندر غشیہ میں آنے کا لفظ" ہے، نہ "فوجوں کے باہم مقابل آنے کا لفظ" ہے نہ "غش کھانے کا لفظ" ہے، نہ پھر" ہوش میں آنے" کا لفظ ہے، کیا مستشرقانہ ژرف نگاہی کی اس سے اور زیادہ بہتر دلیل چاہیئے ؟ کیا یہ علمائے یورپ کے ناطرفدارانہ مطالعۂ مشرقیات کی سب سے اچھی مثال نہیں ؟ اور اوکسفورڈ کے عربی پروفیسر کے تبحر اور فضل و کمال اور بے تعصبی کی عمدہ نمایش نہیں ؟

اب میں بتاتا ہوں کہ ان فضلائے روزگار کی غلطی کا کیا منشا ہے ؟ واقدی نے اس موقع پر غشیہ نوم غلبہ (نیند آپ پر چھا گئی جو آپ پر غالب آگئی تھی) غشی کا لفظ اس میں ہے، جس کے معنی عربی میں چھا جانے کے ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے،

واللیل اذا یغشیٰ — قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے،

اوکسفورڈ اور جرمنی کے فاضلوں نے غشی کو غشی اور بیہوشی سمجھا، حالانکہ عربی کا ایک معمولی طالب العلم یہ جانتا ہے کہ جب غشی اور بیہوشی کے معنی اس لفظ سے ادا کرنا چاہیں گے تو باب افعال کا صیغہ مجہول استعمال کیا جائیگا، یعنی اُغشِیَ، پھر جب اس میں مجرد ثلاثی کے فعل معروف کے ساتھ غشیہ موجود ہے، اس کے بعد اس کا فاعل لفظ نوم (نیند) موجود ہے، اسکے بعد استیقظ، نیند سے بیدار ہونا موجود ہے، پھر خواب کا دیکھنا مذکور ہے، تو پھر اس موقع پر سو جانے کے بجائے غش کھانا ترجمہ کرنا کس درجہ نادانی اور جہالت ہے، اسی کے ساتھ سونے کے وقت جنگ کا نقشہ اور تدبیر بھی آپ بتا رہے ہیں کیا کوئی ایسی انقباضی غشی بھی ممکن ہے، جسکو تھوڑی دیر دیکھ کوئی جناب کی اہم بحث کا فیصلہ بھی کرتا جائے،

نیند کے چھانے کا محاورہ قرآن میں اسی موقع پر آیا ہے،

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ (انفال) — یاد کرو جب خدا اپنے امن سے تم پر نیند کو چھا رہا تھا،

کیا یہاں بھی ترجمہ بیہوش کر رہا تھا" مناسب ہوگا ؟

اب رہی واقدی کی اصل روایت یعنی اس وقت آنحضرت صلعم کے سونے اور بیدار ہونے اور خواب میں

فوج کو کم تعداد میں دیکھنے کی روایت تو یہ سرتا پا لغو ہے، اس موقع پر کے تمام واقعات احادیث اور معتبر کتب مغازی میں مذکور ہیں، لیکن اس موقع پر تو نیند، بیداری اور خواب کا مطلق ذکر نہیں، بلکہ اس وقت بیداری اور عام مفسرین کا بیان تصریح ہے، یہ مشہور و معروف واقعہ کہ جب عتبہ نے مبارزت طلب کی تو پہلے تین انصاری جوان مقابلہ کو نکلے، عتبہ نے اون سے لڑنے سے انکار کر دیا، اور چلا کر کہا کہ محمد یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں، ہمکو اپنے برادر عم زاد سے غرض ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے، اور آپ نے حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ اپنے عزیزوں کو بھیجا، کہاں یہ واقعہ اور کہاں واقدی کا یہ بیان کہ عتبہ نے مبارزت طلب کی، آنحضرت صلعم پر اس وقت نیند چھائی جارہی تھی، آپ سو گئے، اور پھر خواب دیکھا، اور حضرت ابوبکرؓ کے پکارنے سے پھر اُٹھے۔

ابو داؤد میں اس واقعہ کی اصلی صورت موجود ہے،

عن الساعدی قال النبی صلعم یوم بدر اذا	ساعدی سے روایت ہے کہ آپ نے بدر کے دن فرمایا جب قریش تمھارے قریب آجائیں
اکثبوکم فارموهم بالنبل ولا تسلوا السیوف	تو انکو تیر مارو، اور تلوار اس وقت تک نہ کھینچو جب تک وہ تم کو چھا نہ لیں،
حتی یغشاکم[1] (کتاب الجهاد باب فی سل السیوف)	" " " " " " " " " " "
عن علی قال تقدم یعنی عتبة بن ربیعة	حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ یعنی عتبہ آگے بڑھا، اور اس کے پیچھے
وتبعه ابنه واخوه فنادی من یبارز فانتدب	اوس کا بیٹا اور اسکا بھائی آیا، اور عتبہ نے پکار اکہ کون مقابل آتا ہے؟ تو چند انصاری
له شباب من الانصار فقال من انتم فاخبروه	نوجوانوں نے ان کا جواب دیا، اس نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے بتایا،
فقال لاحاجة لنا فیکم انما اردنا بنی عمنا فقال	اس نے کہا، ہمکو تمھاری ضرورت نہیں ہمکو اپنے چچازاد بھائی چاہئیں، رسول اللہ

رسول اللہ صلعم قم یا حمزة قم یا علی قم یا عبیدة (الخ) صلعم نے فرمایا اے علی تم اُٹھو، اے حمزہ تم اٹھو اے حارث تم اٹھو،

کیا یہ کسی بزدل بیہوش کے کام ہیں، پھر خود آنحضرت صلعم نے اپنے ہاتھ میں تیر لیکر مسلمانوں کی صفوں کو

---

[1] اسی معنی کی روایت صحیح بخاری جلد ۲ غزوۂ بدر میں بھی ہے،

درست کیا، اور ان کو برابر کیا، کیا یہ کسی بزدل اور بیہوش کا کام ہے؟ بدر کے ہیرو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے بہادر شخص وہ سمجھا جاتا تھا جو لڑائی میں آپ کے برابر کھڑا ہوتا تھا، کیا یہ کسی بزدل و بیہوش کا کام ہے؟ احد میں جب اکثروں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، کون حملوں کا نشانہ تھا، اور وہ اپنی جگہ پر کھڑا تھا؟ محمد رسول اللہ صلعم! کیا یہ کسی بزدل کا کام ہے؟ حنین میں جب دس ہزار صحابہ نے تھوڑی دیر کے لیے قدم پیچھے ہٹائے، تو پہاڑ کی طرح کون اپنی جگہ پر جما رہا؟ محمد رسول اللہ صلعم! ایک غزوہ کی واپسی میں ایک منزل پر دوپہر کو جب تمام صحابہ مختلف درختوں کے سایہ میں آرام کر رہے تھے اور ایک بدوی آپ ہی کی تلوار بے نیام کر کے آگے بڑھا، اور آپ سوتے سے جاگ پڑے، اور اس نے پوچھا کہ اے محمد! تم کو اب کون مجھ سے بچا سکتا ہے، آپ نے جواب دیا اللہ! اوسنے یہ معجزانہ سکون اور طمانیت دیکھکر تلوار نیام میں کر لی، تو یہ کارنامہ کسی بزدل کا ہے؟ یہ سچ ہے کہ آپ نے اپنا ہاتھ کسی کے خون سے رنگین نہیں کیا، یہ پیغمبرانہ پاکی تھی، مگر یہ قلب کے ضعف اور دل کی کمزوری کی علامت نہیں،

واقدی نے یہ روایت بناکر حقیقت میں قرآن مجید کی اس آیت پاک کی تفسیر کرنی چاہی ہے جو واقعہ بدر کے تعلق سے نازل ہوئی،

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ (انفال) — یاد کر وجب خدا نے تجکو تیری نیند میں ان لوگوں کو تھوڑا کر کے دکھایا، اور اگر ان کو زیادہ کر کے تجھے دکھاتا، تو تم سست ہو جاتے اور لڑائی کے فیصلہ میں باہم اختلاف کر لیتے،

واقدی نے اپنی جہالت سے اس خواب کا موقع عین معرکہ کا وقت سمجھکر اس معجزانہ خواب کی روایت تیار کرلی، حالانکہ خود اسی آیت میں یہ موجود ہے کہ لڑائی کے متعلق فیصلہ ہو جانے سے پہلے ہی آنحضرت کو یہ تمثیلی خواب دکھایا گیا تھا، جس میں اونکی تعداد کی کثرت کو نتیجہ کے لحاظ سے کم تعداد کر کے دکھایا گیا تھا یعنی قریش کی شکست کی یہ پیشگوئی عالم رویا میں دکھائی گئی تھی،

پروفیسر مارگولیتھ صاحب نے اسی "فرضی واقعہ بیہوشی" کے تذکرہ سے پہلے آنحضرت صلعم کی کمزوری کے ثبوت میں ایک دو اور بے جوڑ باتوں کی تمہید کی ہے، وہ بھی سرتاپا لغو ہیں، پروفیسر صاحب کو واقعات

کے بگاڑنے، واقعات کی غلط ترتیب دینے، اور اچھی سے اچھی بات کو بدنما صورت میں دکھانے میں ید طولی حاصل ہے، جسکے لیے وہ عقل کے علاوہ صرف ونحو ادب ولغت ہر فن کا گناہ کرنے کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہیں چنانچہ اسکی بدترین مثال ان کی کتاب کے صفحہ ۰ میں ہے، کہ:-

"محمد خدیجہ کے ساتھ ملکر رات کو سونے سے پہلے ایک خانگی عبادت ایک دیبی کی تعظیم میں کیا کرتے تھے"

موصوف نے اسکے لیے مسند جلد ۴ صفحہ ۲۲۲ کا حوالہ دیا ہے حالانکہ مسند کی روایت محولہ میں بالکل اس کے خلاف واقعہ درج ہے، اور آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہؓ کا نہیں بلکہ اہل عرب کا یہ دستور مذکور ہے کہ وہ عزّیٰ کی پوجا کر کے سویا کرتے تھے، چنانچہ عربی جاننے والے کے لیے اصل روایت لکھی جاتی ہے،

حدثنی جارٌ لخدیجۃ بنت خویلد انہ سمع النبی	حضرت خدیجہؓ کے ایک ہمسایہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انھوں نے آنحضرت صلعم کو
صلعم وھو یقول لخدیجۃ ای خدیجۃ واللہ	سنا کہ وہ حضرت خدیجہؓ سے فرما رہے تھے کہ اے خدیجہؓ خدا کی قسم میں لات وعزّیٰ کی پرستش
لا اعبد اللات والعزی واللہ لا اعبد ابداً	نہیں کرونگا، خدا کی قسم نہیں کرونگا، حضرت خدیجہؓ کہتی تھیں لات کو جانے دیجئے
قال فتقول خدیجۃ خل اللات خل العزی	عزّیٰ کو جانے دیجئے (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئے) راوی کہتا ہے کہ یہ
قال کانت صنمھم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون	قریش کا وہ بت تھا جسکو وہ پوجتے تھے پھر لیٹتے تھے،

اللہ اکبر کتنی بڑی تحریف ہے، ایک معمولی عربی کا واقف سمجھ سکتا ہے، صنمھم اور کانوا یعبدون، اور یضطجعون، میں جمع کی ضمیر ہے، جو اہل عرب اور قریش کی طرف پھرتی ہے، اور "وہ دو" یعنی (محمد صلعم اور حضرت خدیجہؓ) کی طرف نہیں پھر سکتی، انھوں نے بجائے عربی کے شاید انگریزی قاعدہ کے مطابق جمع کی ضمیر تثنیہ کی طرف پھیر کر ایک ایسی بات کہی جو علمائے یورپ کے فضل وکمال کے دامن پر ہمیشہ داغ رہے گا،

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

افسوس کہ معارف کے مختصر صفحات اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں رکھتے اس کے لیے سیرت کی پانچویں جلد کا جو خاص اسی موضوع پر ہوگی ناظرین کو انتظار کرنا چاہیئے،

مساحتِ ذہنی

از جناب ظفر حسین خانصاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس فتحپور،

آج کل کے جدید دریافت شدہ مسائل میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے، جسکی تعبیر مساحت ذہنی کے نام سے کیگئی ہے، اور جس کو فنِ تعلیم کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے، ہمارے دوست ظفر حسین خانصاحب سب ڈپٹی مدارس فتحپور، اپنی فلسفیانہ افتادِ طبع کے ساتھ ساتھ اپنے منصب کے لحاظ سے بھی پچھلی ششماہی میں اسی جدید نظریہ کے مطالعۂ و تحقیق میں مصروف رہے، اور جسکا نتیجہ یہ اوراق ہیں جو آج ناظرین کے سامنے ہیں،

"معارف"

انسانی سیرت و باطن کا انکشاف، انسان کا ہمیشہ ہمیشہ کا مشغلہ ہے، اس معمہ کے حل کرنے میں اوسنے اپنی دھن میں، دور و نزدیک، ممکن و غیر ممکن، متعلق و غیر متعلق، ہر قسم و ہر قبیل کے وسائل و ذرائع استعمال کئے ہیں، سیاروں کی چال، کف دست کے خطوط، چہرہ کی ساخت، سر کی بناوٹ، رفتار، گفتار غرضکہ جہاں سے ہو سکا اس نے اپنے مدعا کی لم لینے کی کاوش کی ہے، لیکن بالآخر یہ تمام کوششیں "اہل تدبیر کی واماندگیاں" ثابت ہو کر رہیں،

نشاۃ جدیدہ کے برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ نفسیات جو دو ہزار برس سے زائد، مابعد الطبعیات کا "جزو لاینفک" بنا چلا آرہا تھا، ایک مستقل سائنس کے پیرایہ میں نمودار ہوا، اور ماہرِ نفسیات نے اپنی آرام کرسی دار الاختیار کی مشقت طلب میز سے، تبدیل کی، یہ، گویا، اسرار سیرت کی واکشائی کے حق میں فال نیک تھی، نفسیات کے مدارج ترقی کی تاریخ کہ کس طرح وہ محض علم نظری سے مفید علم عملی بنا اور پھر کس طرح عام خصوصیات نفس کے کلیات دریافت کرنے کے بعد مختلف افراد کے مختلف مزاجوں کی سراغ رسانی میں، کارآمد ثابت ہو کر انسانی

علم قیافہ، اور علم کاسہ سر وغیرہ کے نام نہاد علوم کو علمی حیثیت سے بیدخل کیا، بیشک ایک نہایت دلچسپ مضمون ہے لیکن چونکہ ہمارے موجودہ موضوعِ بحث سے غیر متعلق ہے اس لیے قلم انداز کیا جاتا ہے، یہاں بحث مقدمہ سیرت شناس کے اس آخری فیصلہ سے ہے جس کا اصطلاحی نام "مساحت ذہن" ہے،

یورپ اور امریکہ میں "مساحت ذہنی" کے اغراض حسب ذیل ہیں،

(۱) طلبار کی ذہانت کے مختلف مدارج دریافت کرنا، تاکہ ذکی و غبی طلبا کی دفعہ بندی علٰحدہ علٰحدہ ہوسکے اور بلید الذہن طلبا کی سست رفتاری کی وجہ سے تیز طبع بچوں کا ہرج نہ ہو،

(۲) طلبا کا میلانِ طبع معلوم کرنا اور ان کے مناسب حال طریقِ تعلیم تجویز کرنا،

(۳) طلبار اور بالغ العمر اشخاص کے قوائے ذہنیہ کا تناسب دریافت کرنا،

(۴) طلبار اور بالغ العمر اشخاص کے غالب و مغلوب جذبات کا تخمینہ کرنا،

(۵) مختلف پیشوں کے لیے معمول کی موزونیت کا اندازہ کرنا،

(۶) معمول کے اخلاق و مزاج کا پتہ لگانا،

مذکورہ بالا اغراض حاصل کرنے کے لیے، مساحت ذہنی کے متداول نظام یہ ہیں،

(۱) انفرادی مساحتِ ذہنی، جس میں فرداً فرداً معمول کا امتحان لیا جاتا ہے، اس میں تنہائی کی سخت تاکید ہے، عامل و معمول کے علاوہ تیسرے شخص کی موجودگی ممنوع ہے، حتیٰ کہ امتحان کا کمرہ بھی نہایت سادہ وضع کا ہونا چاہیئے تاکہ معمول کا دھیان نہ بٹے،

(۲) عملی مساحتِ ذہنی، جس میں معمول اپنے ہاتھ سے کچھ آزمایشین حل کرتا ہے،

(۳) اجتماعی مساحتِ ذہنی، جس کے ذریعہ سے متعدد افراد کی ایک وقت میں جانچ کیجا سکتی ہے،

(۴) حرفی و مزاجی مساحت ذہنی، جس میں کسی پیشہ کے لیے معمول کی صلاحیت اور اس کے مزاج کی حقیقت کی پرتال کیجاتی ہے،

(۵) درسی مساحتِ ذہنی جس میں نصاب تعلیم کے مختلف مضامین کے ذریعہ سے مساحتِ ذہنی کیجاتی ہے

متذکرۂ بالا نظامات سے اگر ہر ایک سے بالاستیعاب بحث کیجائے، تو ہر نظام اپنے لیے ایک مستقل ضخیم رسالہ کا طالب ہوگا، اس مختصر مضمون میں محض ان کی روشناسی ممکن ہے اور سردست یہی مقصود ہے؛

(۱) انفرادی مساحتِ ذہنی،

مساحتِ ذہنی کو، ایک مستقل فن بنا دینے کا شرف، فرانس کے ایک ماہر نفسیات مسمی بہ الفرڈ بنے (BiNET) کو حاصل ہے، حکومت فرانس کی جانب سے یہ اس کار خاص پر مامور ہوا تھا کہ غبی اور ذہین طلبہ کے مدرسہ میں داخلہ کے وقت، ذہنی قابلیت کے اندازہ کا کوئی طریقہ نکالے، تاکہ کند ذہن طلبا کی سست رفتاری کی وجہ سے تیز بچوں کا ہرج واقع نہ ہو اور جو عام غبی طلبا درسی تعلیم کے لیے موزوں نہیں ہیں ان کو ابتدا ہی سے ان کے مناسب حال مشاغل میں لگا یا جائے جس میں وہ ترقی کر سکیں اور اپنی لائن میں ملک کے مفید فرد بن سکیں، اس طرح حکومت بے نتیجہ صرف خطیر سے بچ جائے گی اور ملک کے بچوں کا فضول وقت بھی ضائع نہ ہوگا،

چنانچہ اس تقریب سے ۱۹۰۵ء میں بنے نے ذہنی پیمائش کا سب سے پہلا پیمانہ تیار کیا، ۱۹۰۸ء میں اس پر نظر ثانی کی اور ۱۹۱۱ء میں مزید اصلاح کی، حتی کہ ۱۹۱۳ء میں، جب وہ مرا ہے، اپنا آخری "پیمانہ عقل" ضروری ترمیم و اصلاح کے بعد شائع کرنے والا تھا،

یہ ظاہر ہے کہ کسی متعلم کی نفسی کیفیت پر نسبتہً قطعی اطلاع پانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک ماہر نفسیات، اپنی نگرانی تعلیم میں اس متعلم کا "مطالعہ" کرے یعنی اس کے ذہنی رجحانات، طبعی میلانات، مختلف مضامین درسیہ میں اس کی ترقی و عدم ترقی اور ان کے اسباب پر بغور نظر کرے اور اپنے مشاہدات سے تشخیصی نتائج اخذ کرے، لیکن یہ عمل ایک طویل وقت چاہتا ہے اور صحیح معنی میں ماہر نفسیات معلم، ابتدائی درسگاہوں کا عنقا ہے، لہٰذا کیوں نہ عقل کے تخمینہ کا کوئی ایسا آلہ تیار کیا جائے جو قلیل وقت میں متعلم کی ذہنی حالت کو

آئینہ کردے، اور جس کو معلمین مبادیِ نفسیات سے واقف ہونے کے بعد استعمال کرسکیں؛ یہ سوال فن مساحت عقل کی تدوین کی بنیادی خواہش تھی،

انفرادی مساحتِ ذہنی کا پیمانہ سہ سالہ بچہ سے لیکر بالغ العمر انسان تک کی عقل کی پیمائش کے لئے وضع کیا گیا ہے مثال کے طور پر جستہ جستہ آزمائشین جو مختلف سن کے بچوں کے لئے موزوں ہیں نقل کیجاتی ہیں، زیر بحث پیمانہ، ایجوکیشنل کمشنر حکومت ہند کی جانب سے بنے کی اصول پر شائع ہوا ہے جو ہر صوبہ کے مقامی حالات کے لیے موزوں نہین ہے، اصل یہ ہے کہ اس ملک میں جسطرح ناپ تول کے پیمانہ جدا جدا ہیں اسی طرح ہر صوبہ کی عقل کا پیمانہ بھی علیحدہ ہونا چاہیئے، چنانچہ راقم الحروف نے اپنے صوبہ کے مقامی حالات کے لحاظ سے سوالوں میں جا بجا ترمیم کردی ہے، اور تبصرہ میں آزمایش کی نفسیاتی تنقید کی ہے، اخیر میں اپنے تجربات ختم کردیئے ہیں،

عمر آٹھ سال،

آزمایش اول،

۲۰ سے ایک تک الٹی گنتی گننا

عمل۔ معمول سے کہو "کیا تم الٹی گنتی گن سکتے ہو؟ اچھا بیس سے ایک تک الٹی گنتی گن تو جاؤ، اسطرح ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ہاں آگے چلو"

ہدایت۔ اگر بچہ ہراساں ہو تو اس کی ہمت افزائی کرو، ہمیشہ اوپر کے اعداد کی مثالین جیسے ۲۳، ۲۲، ۲۱، جلدی نہ کرو، غلطی پر معمول کو ٹوکو نہیں،

تخمینہ۔ اگر ۲۰ سکنڈ میں معمول ۲۰ سے ایک تک الٹی گنتی گن جائے اور ایک سے زائد غلطی نہ کرے تو اسے کامیاب سمجھو، جو غلطیاں معمول خود صحیح کرے، انھیں غلطیاں شمار نہ کرو،

تبصرہ۔ اس عمل میں دو ذہنی قوتیں مشتمل ہیں، ایک مسلسل توجہ قائم رکھنے کی قوت، دوسری عادت پر استحکام

کے خلاف عمل کرنے کی قدرت، یہ دونوں قوتیں ذہانت کے ضروری اجزا ہیں، احمق اور مجانین کسی شے پر مقررہ اصول کے ماتحت اپنی توجہ قائم نہیں رکھ سکتے اور حیوانات کی طرح جدید حالات کے مطابق، اپنے قدیم طرزِ عمل کو تبدیل نہیں کر سکتے، اس آزمائش سے بچوں کی ذہنی تکان کا بھی اندازہ کر سکتے ہو بعض بچے، دس تک الٹی گنتی گن کر پھر سیدھی گننے لگتے ہیں، بعض اس سے زائد گن سکتے ہیں اور بعض چار پانچ ہندسوں سے زائد آگے نہیں بڑھ سکتے، چنانچہ اس طور پر ان کی جداگانہ توجہ کے ظرف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور ریاضی کے اصول سے ان کی توجہ کا جذر نکالا جا سکتا ہے،

تجربہ۔ ۲ سکنڈ کی مدت کم معلوم ہوتی ہے، اس صوبہ کے لیے، شہری طلبا کے لیے ۳۰ اور دیہاتی طلبا کے لیے ۴۰ سکنڈ ہونا چاہئیں، اس عمر کے لیے یہ آزمائش موزوں ہے،

آزمائش دوم

دو چیزوں میں امتیاز کرنا،

عمل بتاؤ۔ دودھ اور پانی میں کیا فرق ہے، اگر معمول نہ سمجھے تو کہو، تم دودھ کو جانتے ہو، جانتے ہو یا نہیں اور پانی کو بھی جانتے ہو، اچھا تو بتاؤ " دودھ اور پانی میں کیا فرق ہے " اسی طرح پوچھو کہ پتھر اور انڈے میں کیا فرق ہے، لکڑی اور شیشہ میں کیا فرق ہے؟

ہدایت۔ اشارتی سوالات سے پرہیز کرو، لڑکے کا جواب اگر واضح نہ ہو تو سوال کر کے اسے صاف کرلو،

تخمینہ۔ اگر تین سوالوں میں سے دو کا جواب صحیح ہے تو لڑکا پاس ہے، صحیح صحیح منطقی تفریق کی طلبا سے توقع نہ کرو،

تبصرہ۔ قوت امتیاز، عقل کا مخصوص جوہر ہے، نفسی ارتقا کے رو سے بچہ میں اول تفریق کی قوت پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد دو یا دو سے زائد چیزوں میں قدر مشترک معلوم کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے اس لیے دو یا زائد چیزوں کے مابہ الاشتراک تہائی کے سوالات آئندہ عمروں کے لیے وضع کیے گئے ہیں،

تجربہ۔ طلبار کے سوالات کو نوٹ کرنا اور ان کی نوعیت پر غور کرنا چاہئیے، ان جوابات سے ان کی نفسی حالت کا پتہ چلے گا، اکثر دیہاتی بچوں کی جانب سے جو ادنی طبقہ کے گھرانوں سے مدرسہ میں آتے تھے مجھے یہ جواب ملا ہے کہ "صاحب دودھ اُجل ہوت ہے اور پانی میلونس" (یعنی دودھ سفید ہوتا ہے اور پانی اسکے مقابلہ میں میلا) لیکن انھوں نے اپنی "اجل اور میلونس" کی منطق باقی دو سوالوں میں بھی چلائی یعنی انڈے اور تھپرا اور لکڑی اور شیشہ کے درمیان بھی ان کے نزدیک یہی فرق تھا، دیہاتی بچوں کے لیے اس عمر میں یہ سوال موزوں نہیں، ۹ برس کے بچوں کے لیے میں نے اسے موزوں پایا، شہری بچے کیلئے موزوں ہے،

آزمایش سوم

معاملہ فہمی،

عمل، (۱) اگر مدرسہ آتے ہوئے راستہ میں تمھیں معلوم ہو کہ دیر ہو گئی ہے تو کیا کروگے،

(۲) اگر تمھارے پاس سے کسی اور لڑکے کا قلم کھو جائے تو تم کیا کروگے،

(۳) اگر کسی لڑکے کے ہاتھ سے تمھارے چوٹ لگجائے، جان کر نہیں، ویسے ہی تو تم کیا کروگے،

ہدایت:۔ ہر سوال کا جواب ۲۰ سکنڈ میں ملنا چاہیئے، ضرورت ہو تو سوال کا اعادہ کرو، لیکن سوال کی عبارت میں فرق نہ ہو، عموماً یا تو جواب فوراً ملے گا یا بالکل نہیں ملے گا،

تخمینہ۔ دو جواب صحیح ہونا چاہئیں،

تبصرہ، اس آزمایش سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہو کہ معمول میں فرضی معاملات تصور کرنے اور ان کی نسبت فیصلہ کرنے کی قوت کہاں تک ہے، یہ گویا قوت تخئیل اور قوت فیصلہ کا امتحان ہے جو بعض ماہر نفسیات کے نزدیک، دانشمندی کا مایۂ خمیر ہیں،

تجربہ۔ پہلے سوال کا جواب مجھے ۸۰ فیصدی کے قریب اب تک غلط ملے ہیں، اس سے اسکی ناموزونیت کا پتہ چلتا ہے، اس کا جواب یا تو یہ ملا کہ "گھر پلٹ جائیں گے" یا کچھ نہیں ملا، وجہ یہ ہے کہ پابندی وقت کا احساس

ملک میں مفقود ہے، میرے خیال میں جبتک جبری تعلیم جاری نہ ہوجائے اس وقت تک اس قبیل کے سوالات کو ملتوی رکھا جائے،

آزمائش چہارم

تعریفات

عمل۔ کرسی کسے کہتے ہیں، شیر کسے کہتے ہیں، سپاہی کسے کہتے ہیں، دکان کسے کہتے ہیں،

ہدایت، امداد ممنوع،

تخمینہ، دو جواب صحیح ہونا چاہئیں،

تبصرہ، نفس انسانی اور حیوانی میں ما بہ الامتیاز صرف یہ امر ہے کہ اول الذکر، تجرید تصورات و اخذ کلیات پر قادر ہے اور حیوان نہیں، یہ امتحان اسی قوت کے ابتدائی مدارج کا پیمانہ ہے اسی سے بچہ کے شعور کے ارتقار کا پتہ چلتا ہے، جوابات کی نوعیت پر غور کرنا چاہیئے، بعض بچے ان چیزوں کی شکل کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، اور بعض ان کے اجزار کے نام لیکر سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن بعض اپنے سن وسال اور محدود معلومات کے مطابق خاصی جنس وفصل تلاش کرنے اور بتانے کی کوشش کرتے ہیں،

تجربہ، اس میں شک نہیں کہ اس آزمائش میں زبان کے مشکلات لاحق ہیں، بہت سے معمول اپنے صحیح خیالات کو بیان کرنے پر قادر نہیں لیکن، میرے خیال میں قوت گویائی بجائے خود ذہانت کی ایک دلیل ہے، باتونی بچے اکثر بڑے ذہین بھی ہوتے ہیں، اسلیے کہ زبان پر قدرت، ایک خاص حد و قسم کی نفسی ترقی کو مستلزم ہے،

آزمایش پنجم،

پانچ ہندسوں کا اعادہ،

عمل۔ معمول سے کہو، وہ غور سے سنے اور جو تم کہو اُسے دہرائے، اس کے بعد حسب ذیل اعداد کا

سلسلہ ایک ایک کرکے اسے سناؤ، ہر سلسلہ آہستہ آہستہ اور صاف صاف سنایا جائے، لہجہ اور وقت میں اختلاف نہ ہو، یعنی تقریباً دو سکنڈ کی رفتار سے اعداد بولے جائیں اور لہجہ میں موسیقیت پیدا نہ ہونے پائے،

۳، ۱، ۷، ۵، ۹ - ۴، ۱۲، ۳، ۸، ۵-۹، ۸، ۱، ۱، ۷، ۶،

ہدایت، معمول کو اعداد کی تعداد نہ بتانا چاہیئے لیکن ہر سلسلۂ اعداد کو سنانے سے قبل، اس کی توجہ مائل کرلینا شرط ہے، جب بچہ اعادہ کررہا ہو، اس کی جانب نہ دیکھو،

تخمینہ، ایک سلسلہ کا صحیح ہونا کافی ہے،

تبصرہ، یہ دراصل صوتی ائتلافاتِ ذہنی کے بنا پر حافظہ کی قوت کا امتحان ہے، احمق اس امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکتے،

تجربہ، اس سن کے لیے موزوں ہے، میرے تجربہ کا فی صدی اوسط امید افزا ہے،

عمر بارہ سال

آزمائش اول،

غیر مرتب، جملے،

سامان، تین کارڈوں پر علیحدہ علیحدہ حسب ذیل جملے تحریر ہیں،

(۱) شہر روانہ ہم کو ہوئے علی الصباح،

(۲) سے استاد کھانے مین اپنے لیے اصلاح کی کاپی،

(۳) ہے کتا آقا حفاظت کی کرتا وفادار،

عمل، معمول کو ایک کارڈ دیکر اس سے کہو" دیکھو اس کارڈ پر ایک جملہ لکھا ہوا ہے مگر اس کے لفظ الٹ پلٹ گئے ہیں اور اسلیے مطلب سمجھ میں نہیں آتا، ان لفظوں کو ٹھیک کرکے ایک عمدہ سا جملہ تو بناؤ، جس کے معنی سب سمجھ سکیں" یہی عمل دیگر کارڈونکے ساتھ کرو، ہر جملہ کے لیے ایک منٹ دو،

ہدایت، جواب لینے میں عجلت نہ کرو، اگر معمول کامیاب نہ ہو تو اس جملہ کو صحیح پڑھ کے سنا دو اور ہر لفظ کی طرف اشارہ کرتے جاؤ، تنقید و توضیح بالکل نہ کرو،

تخمینہ، دو جملے صحیح ہونا چاہئیں، اگر کسی جملہ میں کوئی لفظ رہ جائے یا بدل جائے تو اسے صحیح نہیں شمار کیا جا سکتا، اگر جملہ معنی خیز ہو خواہ ترکیب اس کی غلط ہو تو آدھے نمبر دیئے جا سکتے ہیں،

تبصرہ، اکثر محققین کی رائے میں ذہانت کا یہ بہترین امتحان ہے، اسلیے کہ معمول اپنی ذہانت کے وسیلہ سے مہمل عبارت میں ایسے اشارات تلاش کرتا ہے جن کی مدد سے معنی خیز جملہ بن سکے،

تجربہ، معمول جس وقت تک یہ امر اچھی طرح نہ سمجھ لے کہ اسے کیا کرنا ہے، آزمائش بے سود ہے، اسلیے اولاً نمونہ کے طور پر دو جملے درست کر کے اسے آزمائش کا منشا سمجھا دینا ضروری ہے،

آزمائش دوم

استدلال

معمول کو ایک پرچہ کو جس پر حسب ذیل عبارت لکھی ہوتی ہے کہو کہ وہ اُسے پڑھکر جواب دے،

"میں مدرسہ روانہ ہو کر سو گز چلا،

پھر داہنی جانب موڑ کر پچاس گز گیا،

پھر داہنی جانب موڑا اور سو گز چلا،

تو بتاؤ کہ میں اسکول سے کتنے دور چلا آیا،

ہدایت:۔ معمول سے عبارت بآواز بلند پڑھواؤ اور حل دل میں کرنے دو، کسی طرح کی امداد نہ دو، اگر پہلی بار کامیاب نہ ہو تو دوبارہ کوشش کرنے کا موقع دو،

تخمینہ اگر دوبارہ لڑکا صحیح بتائے تو آدھے نمبر دیئے جا سکتے ہیں، صحیح جواب عبارت پڑھنے کے بعد ایک منٹ کے اندر مل جانا چاہیئے،

تبصرہ - اس قبیل کے سوال کرنے میں ممول کو تخئیل، تقابل اور ترتیب مقدمات اور استنباط سے کام لینا پڑتا ہے جو ذہانت کے اربعہ عناصر ہیں،

تجربہ - اس عمر کے لیے موزون ہے، دو سوال اسی قبیل کے اور ہونا چاہئیں،

آزمائش سوم

تصویر فہمی

سامان - چار مختلف تصویریں،

عمل - پہلی تصویر لڑکے کو دکھاکر تصویر کا منشا دریافت کرو،

ہدایت - اگر جواب مختصر ہو تو کہو، "اپنا مطلب صاف صاف بیان کرو" دوران امتحان میں ممول کے جواب کی نسبت اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرو،

تخمینہ - تین تصویرون کا مطلب صحیح بتانا چاہئیے،

تبصرہ - تصویر کے امتحان کے تین درجے ہیں، تین سال کے بچون سے صرف یہ پوچھا جاتا ہے کہ یہ کس شے کی تصویر ہے مقصود یہ معلوم کرنا ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں اشیا و اسمار کا تعلق کہان تک مرکوز ہو چکا ہے دوسرے درجہ پر تصویر کا بیان پوچھا جاتا ہے، یہ چھٹے سال کے لیے مخصوص ہے، لیکن تصویر کا مفہوم یا منشا ۱۲ سال سے قبل کبھی نہ پوچھنا چاہئیے، راقم الحروف اس عمر میں اکثر کارٹونوں کا منشا سمجھنے سے عاجز رہا،

تجربہ - طلبا اس آزمائش میں کمال دلچسپی لیتے ہیں،

آزمائش چہارم

الفاظ کا جملون میں استعمال،

عمل - "دیکھو میں تین لفظ لیتا ہوں، اور ایک جملہ بناؤں گا جس میں یہ تینوں لفظ کھپ جائیں گے یہ تین الفاظ یہ ہیں: - پرند، درخت، اور گھونسلہ، ان تینوں لفظون سے میں یہ جملہ بناتا ہوں، "پرند

درخت میں گھونسلہ لگاتے ہیں" اب میں تمھیں بھی تین لفظ دیتا ہوں، تم بھی ایک جملہ بناؤ، جس میں یہ تینوں لفظ آجائیں"

لڑکے، گیند، دریا،

اس کے بعد اسی طرح یہ دو سوال دو،

(۲) کام، روپیہ، آدمی،

(۳) سڑک، بازار، باغ،

ہدایت۔ اگر معمول یہ سمجھتا ہو کہ جملہ میں ان تین لفظوں کے علاوہ چوتھا لفظ نہ آئے تو اُسے اچھی طرح سمجھا دو کہ یہ تین لفظ دیگر الفاظ کے ساتھ استعمال کئے جائیں، ایک منٹ میں جواب نہ ملنے پر، دوسرا سوال پوچھو صرف ایک بار حل کرنے کی کوشش کا موقع دو،

تخمینہ:۔ دو جواب صحیح ہونا چاہئیں، صحت جواب کا معیار یہ ہے کہ جواب مفرد جملوں میں ہو، اگر دو جملوں میں بھی ہو، تو دو تصورات سے زائد اس میں نہ آنے پائیں، مثلاً یہ جواب غلط ہوگا، لڑکے کی گیند کھو گئی، اور ہم دریا گئے، اسی کے ساتھ جملہ مہمل نہ ہونا چاہئے، جیسے لڑکے کے پاس ایک گیند اور ایک دریا ہے واحد، جمع یا الفاظ کے صرفی تغیرات میں طلبا کو آزادی دینا چاہئے،

تبصرہ۔ حماقت کی نمایاں خصوصیت، ایتلافات ذہنی کی کمی ہے، یہ آزمائش اس کمزوری کو آشکار کردیتی ہے،

دیہاتی مدارس کے اس عمر کے طلبا کی کامیابی کا اوسط فیصدی امید افزا نہیں ہے، زیادہ عمر کے طلبا پر تجربہ نہیں کیا گیا، اسلیے اسکی موزونیت کے متعلق کوئی قطعی رائے ابھی نہیں دیجا سکتی،

آزمائش پنجم،

پانچ اعداد کا اعادۂ معکوس

عمل۔ جو عدد ہم تمھیں سنائیں گے، ان کو الٹا دہرانا، جیسے اگر ہم کہیں ۱-۲-۳، تو تم کہو گے ۳-

۲-۱، ۴،۱،۸،۱،۷،۹-۶،۶،۹،۴،۸،۷،۲-۱،۶،۷،۹،۲،۵،

ہدایت، سلسلۂ اعداد کا دہرانا ممنوع ہے، اس وقت تک اعداد نہ سناؤ جبتک معمول اچھی طرح تمھارا منشا نہ سمجھ لے، اگر معمول سیدھا اعادہ شروع کرے تو اسے ٹوک دو، اور الٹا اعادہ کرنے کو کہو ہر سلسلہ سنانے سے قبل معمول سے بغور سننے کی فہائش کرو،

تخمینہ، ایک سلسلہ صحیح ہونا کافی ہے،

تبصرہ، اعادۂ معکوس، غائر توجہ کا طالب ہے، ذہین بچے دو دو اعداد کے مجموعے توڑ کر اپنے ذہن میں قائم کر لیتے ہیں اور فوراً الٹا اعادہ کر جاتے ہیں یا جنکی قوت تخئیل زبردست ہے، وہ اپنی تخئیل سے کام لیتے ہیں

تجربہ، نتائج امید افزا نہیں ہیں، بجائے پانچ، چار ہندسوں کا اعادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، لیکن ابھی کوئی قطعی رائے نہیں دیجا سکتی،

غرضکہ اسی طرح اور عمروں کے لیے بھی آزمائشیں مقرر ہیں، مذکورہ بالا عمروں کی آزمائشوں میں کچھ عملی آزمائشیں بھی شامل تھیں، یعنی آٹھ سال کی عمر میں لکڑی کے چار مربعوں کو پانچویں مربع سے ایک خاص ترتیب میں کھٹکھٹانا اور معمول سے کہنا کہ وہ بھی اسی عمل کا اعادہ کرے یا ۱۲ سال کے معمول کو ایک لفافہ اور دو کاغذ دینا ایک صحیح تہ کیا ہوا اور دوسرا کھلا ہوا، اور معمول سے کہنا کہ وہ بھی کھلے ہوئے کاغذ کو اس طرح تہ کر دے کہ لفافہ میں ٹھیک آجائے،

دیگر عمروں کی جستہ جستہ آزمائشیں مثلاً درج ذیل ہیں،

۹- سال، دو چیزوں کے درمیان مابہ الاشتراک بتانا "آم اور نارنگی میں کونسی بات ایک ہے"

۱۰ سال، ۶۰ مختلف چیزوں کے نام دو منٹ کے اندر لینا، ذہین لڑکے اتلافات ذہنی سے مدد لیتے ہیں، مثلاً انھوں نے پہلے "آدمی" لیا اور اس کے اعضا بتا گئے، اس کا ذخیرہ جب ختم ہوا تو دوسری شی لیکر اس کے متعلقات بتانے لگے، بلید الذہن ایک شے آسمان کی لیتے ہیں تو دوسری زمین کی اور

مشکل سے آٹھ دس نام لے پاتے ہیں کہ وقت ختم ہوجاتا ہے،

۱۱ سال، نفس میں کوئی خاص ارتقا نہیں ہوتا، اسلیے کوئی آزمائش مقرر نہیں،

۱۲ سال، آزمائشیں مع تنقید تفصیل سے اوپر دیجا چکیں،

۱۳ سال بھی ارتقائے نفسی کا عالم برزخ ہے، کوئی آزمائش اس سن کے لیے مقرر نہیں ہے،

۱۴ سال ایک کاغذ کے پرچہ کی چار تہیں کرکے معمول سے پوچھنا کہ اگر ہم اس مقام پر سوراخ کریں اور کاغذ کو کھولکر دیکھیں تو اسکی شکل کیسی ہوگی، دوسرا کاغذ دیکر اس پر نشانات لگوانا،

(۲) رحم، انتقام، فیاضی وغیرہم کی تعریف کرانا،

(۳) تین اشیاء کا قدر مشترک دریافت کرنا، مثلاً گائے، سانپ، پرند،

بعض محققین نے تین سال سے سولہ سال تک فرداً فرداً آزمائشیں مقرر کی ہیں لیکن سولہ سال کے اوپر کوئی نہیں جاتا ہے کہ ارتقائے ذہن کی حد ۱۶ سال تک ہے، انسان کا دماغ اس عمر میں اپنے انتہائی وزن کو پہنچ جاتا ہے، اور بعد ازاں اس کی مقدار میں سرمو اضافہ نہیں ہوتا، بعض کے خیال میں ۱۵ برس انتہائی ہے لیکن اس میں اختلاف مرزبوم کے مطابق، اختلاف ہونا لازمی ہے،

انفرادی مساحت ذہنی کا طریقہ یہ ہے کہ اول اس عمر کے سوالات کئے جاتے ہیں جو فی الواقع معمول کی ہے، اگر وہ صحیح جوابات دے تو اس سے اونچی عمر کے سوالات کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ جواب دینے سے وہ قاصر رہے، لیکن اس کے خلاف اگر معمول اپنی عمر کی آزمائشوں میں پورا نہیں اترتا ہے تو نیچی عمر کے سوالات کئے جاتے ہیں، یہانتک کہ وہ پاس ہوجائے، فرض کرو آٹھ سال کا معمول بارہ سال تک کی آزمائشوں میں کامیاب ہوتا ہے تو اس کی ذہنی عمر بارہ سال ہوئی، حالانکہ طبعی عمر ۸ سال ہے، ذہنی اور طبعی عمر کی نسبت اصطلاح میں معمول کا "ذہنی خارج قسمت" کہلاتا ہے، اگر ذہنی و طبعی عمر مساوی ہے تو ذہنی خارج قسمت ۱۰۰ اگر دانا جائے گا، لیکن بالفرض عمر طبعی ۸ اور ذہنی عمر ۱۲ ہے تو عقلی خارج قسمت برابر ہوگا $\frac{12}{8} \times 100$ یعنی

۱۰۵ کے، اسی طرح اگر کسی ۱۲ سال کے معمول کی ذہنی عمر ۸ سال ثابت ہو تو اس کا ذہنی خارج قسمت برابر ہوگا $\frac{8}{12} \times 100$ یعنی ۶۶ اعشاریہ ۶ کے،

محققین فن بجائے ذہین وغبی کے غیر متعین الفاظ بولنے کے ذہنی خارج قسمت کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں، چنانچہ اوسط درجہ کے طلبا کا ذہنی خارج قسمت ۹۰ سے ۱۱۰ تک کہا جاتا ہے، ذکی الطبع طلبا کا ۱۱۰ سے ۱۳۰ تک بولا جاتا ہے، اور بجائے اس کے کہ یہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں شخص بڑا فطین ہے، یہ کہتے ہیں کہ اسکا ذہنی خارج قسمت ۱۳۰ سے اوپر ہے، یعنی ۱۳۵-۱۴۰ وغیرہ ہے،

عملی مساحت ذہنی،

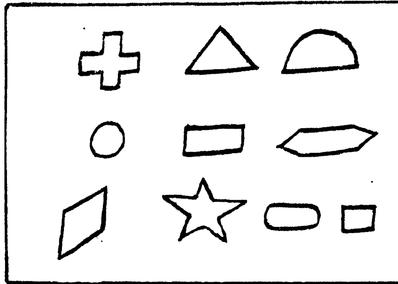
یہ نظام دراصل گونگے، بہرے اور غیر ملک کے بچوں کی ذہانت کی آزمائش کے لیے وضع کیا گیا تھا، اس نظام کا آلۂ امتحان زبان نہیں بلکہ عمل ہے، اکثر طلبا کو اشارہ سے بتا دینا کافی ہوتا ہے،

اس امتحان کا اندازہ ان مثالوں سے ہو سکتا ہے، ایک ہی قسم کی دو تصویریں لو، ایک کے قینچی سے کاٹ کر آٹھ ٹکڑے کرو، سالم تصویر، اور ٹکڑے معمول کے سامنے رکھ کر ٹکڑوں کو سالم تصویر کی شکل میں ترتیب دلاؤ، ایک تصویر بھی اس عمل کے لیے کافی ہے، اسی قبیل کے ہر سن وسال کے لیے آزمائشیں مقرر ہیں،

اسی اصول پر بعض ماہرین فن نے لکڑی کے تختے تیار کیے ہیں، جن میں اقلیدس کی مختلف شکلیں کئی ہوتی ہیں، اور ان شکلوں میں صحیح صحیح پیوست ہو جانے والے لکڑی کے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں معمول سے یہ ٹکڑے ان شکلوں میں رکھدینے کو کہا جاتا ہے، معمول کے حرکات کو بغور دیکھا جاتا ہے، غبی غلط شکلوں میں ٹکڑے رکھدیتے ہیں اور انھیں کچھ احساس نہیں ہوتا ہے اور ذہین، اگر ٹکڑے کا ٹکڑا غلط خانہ پر لاکر پلٹا لیجاتے ہیں اور اس کے مخصوص خانہ میں اُسے نصب کر دیتے ہیں، اگر خانہ کے اوپر لکڑی کا ٹکڑا لاکر معمول واپس لے جائے تو اس کے نمبر نہیں کاٹے جاتے ہیں، عمل میں وقت کی قید ہے، اس قسم کے بہت سے تختے وضع کیے گئے ہیں، جن میں مختلف شکلیں، مختلف اصول کے ماتحت بنائی گئی ہیں، مثلاً بعض تختے ایسے ہیں

جس میں دو دو ٹکڑے رکھے جاتے ہیں، سن و سال کے اعتبار سے مختلف آزمایشیں مقرر ہیں، مثلاً معمول کے داہنے بائیں ہاتھوں سے علحدہ علیحدہ رکھوانا، دونوں ہاتھوں سے رکھوانا، آنکھوں پر پٹی باندھ کر بھی عمل کرانا وغیرہ وغیرہ،

ذیل میں اسی قسم کے ایک تختہ کی شکل دیجاتی ہے جو "تختہ گاڈرڈ" کے نام سے موسوم ہے،



(باقی)

گلِ رعنا

از

جناب مولانا حکیم سید عبدالحیٔ صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ

جس میں اردو زبان کی ابتدائی تاریخ، اور اسکی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے باکمال اردو شعراء کے صحیح حالات، اور ان کے منتخب اشعار اور ان کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہیں، اور اب دار المصنفین اعظم گڈھ نے شایع کیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۵۰۴ صفحے قیمت ﷲ

"مینیجر"

فلسفۂ اقبال،

از

جناب اکرام الحق صاحب سلیم، بی، اے،

در دیدۂ معنی نگہاں حضرت اقبال،
پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

(گرامی)

مغرب کے نقادانِ سخن کہتے ہیں، کہ "زمانہ اپنی رفتار کے مطابق شاعر پیدا کرتا رہتا ہے، اور ہر شاعر اپنے زمانہ کے حالات کا ایک مجسمہ ہوتا ہے" شاعری کی تاریخ اس دعویٰ کا ایک بیّن ثبوت پیش کرتی ہے، اور اقوامِ عالم کے مختلف زمانوں کی حالت اوسکی صداقت کی ایک مکمل دلیل ہے،

جب کسی قوم میں شجاعت اور جوانمردی کا جوہر کمال پر ہوتا ہے، اوس کے افراد میدانِ کارزار کو عیش و نشاط کا ایوان خیال کرتے ہیں شمشیر کی عریانی، ہلالِ عید کی تابانی کا لطف پیدا کرتی ہے، تو شاعر نعرۂ جنگ بلند کرتا ہے، اور قتل و غارت کا طبل بجاتا ہوا اٹھتا ہے، وہ گوہر افشاں نہیں شرر ریز ہوتا ہے، اس کے منہ سے پھول نہیں جھڑتے چنگاریاں برستی ہیں، اس کے اشعار خنجر براں سے تیز تر ہوتے ہیں، انکی شعلہ بیانی میں ایک داستانِ شجاعت پنہاں ہوتی ہے جو ملکوں اور قوموں کو زیر و زبر کر دیتی ہے، اس نوع کے شاعر ازمنۂ تاریک میں سینکڑوں کی تعداد میں پیدا ہوتے، سپارٹا کی فتوحات کا باعث ایک نحیف البدن شاعر تھا جسے یونانیوں نے فوجی خدمت کے ناقابل سمجھ رکھا تھا، عرب کا نابینا شاعر قیس اعشیٰ قبیلوں کی قسمت کا مالک سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس کا ایک شعر ہنگامۂ قتال کی آتش افروزی کے لیے کافی تھا،

قوم کی ہستی میں ایک اور دور آتا ہے، جب قوم حکمراں ہوتی ہے، اس وقت جد و جہد زندگانی اور مقابلہ

کا فقدان قوائے حیات میں اضمحلال اور سکون پیدا کر دیتا ہے، اور ابتدائی ذوقِ نشو ونما مسلک قناعت سے تبدیل ہو جاتا ہے، شاعر ایک بے قاعدہ ہستی ہوتی ہے جو ارباب دولت اور ثروت کی چوکھٹ پر جبیں سائی کرتی رہتی ہے، صنف شاعری میں قصائد اور غزل کو فروغ ہوتا ہے، مگر اول الذکر کسی صاحب اقبال کی تعریف اور توصیف اور موخر الذکر حسن وعشق کے چرچے کی تذرہوتی ہے، حقیقتہً شاعری میں ایک تنزل شروع ہوجاتا ہے جس کی ابتدا قوم کے آفتاب ترقی کے زوال کیساتھ ہونے لگتی ہے،

(۳) اس حالت سے گرنے پر ایک تیسرا دور آتا ہے، جب قوم کی حالت ایک عبرت انگیز انجام کو پہنچ چکتی ہے، اسے اپنی پستی اور تنزل کا کوئی احساس نہیں ہوتا، غیر ٹھوکریں مارتے ہیں ظلم کرتے ہیں، ان کا حق دبا بیٹھتے ہیں، مگر افراد قوم کچھ ایسے قعرِ ذلت میں گرے ہوتے ہیں کہ چپکے سے بے شرمی کی باتیں سہے جاتے ہیں، اور اپنے انحطاط کو انتہائی تہذیب اور اپنی بے غیرتی کو قناعت اور صبر کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں، اس وقت نظام طبعی کے توازن کو قائم رکھنے کے لیے قدرت کروٹ بدلتی ہے، اور اس زمین شور سے ایسے پیغمبرانِ سخن اٹھاتی ہے جو اپنی اعجاز بیانیوں سے نیم مردہ قوم کے یخ بستہ جذبات کو سخن کی آگ سے گرما دیتے ہیں، اور ملت کی مردہ رگوں میں خونِ زندگی کی ایک لہر دوڑا دیتے ہیں، قوم کو اسلاف کے کارناموں کی خبر دیکر یقین دلاتے ہیں کہ اس قوم میں ابتک بھی ترقی کے اجزا موجود ہیں، ؎

تو از دمیدگل ولالہ نا اُمید مشو ، 　　　کہ شاخ زندگی ما ہنوز نمناک است 　(اقبال)

جب ملت بیضا کا آفتاب ترقی "توارت بالحجاب" ہوگیا اور "رفتہ رفتہ افراد قوم پر فرسودہ، سست رگ اور زندگی سے گریز کرنے والی عجمیت غالب آگئی"، اور ان کے طبائع پر مسلسل جمود وسکون مستولی ہوگیا یعنی جیسا کہ علامۂ اقبال اس کا خاکہ کھینچتے ہیں،

ابلجی در دشت خویش از راہ رفت 　　　از دم او سوز الا اللہ رفت

مصریان افتادہ در گرداب نیل 　　　سست رگ تورانیان ژندہ پیل

آلِ عثمان در شکنجِ روزگار مشرق و مغرب ز خونش لاله زار

مسلمِ ہندی شکم را بندۂ خود فروشی دل ز دیں بر کندۂ

در مسلماں شانِ محبوبی نماند

خالدؓ و فاروقؓ و ایوبیؒ نماند

تو اس وقت ملت کو بیدار کرنے اور آیۂ انتم الاعلون کے تعین اور استحکام کے لیے ضروری ہوا، کہ ایسے ایسے رسولانِ سخن اٹھیں جو قوم میں حسیاتِ نفس و حیات کا اعادہ کر دیں،

ہندوستان کی اسلامی دنیا میں حالی اس سلسلہ کا پہلا پیغامبر تھا جس نے اپنے دلگداز نغموں سے خوابیدہ قوم کو جگایا، اکبر کے طعنہ زن اور پر درد نغموں نے اس پر تیل چھڑکا، مگر یہ علامۂ اقبال ہی کا حصہ تھا کہ ان کی شعلہ نوائی سے یہ آگ دنیائے اسلام کے گوشوں تک پہنچی، وہ خود فرماتے ہیں،

زجانِ بیقرار آتش کشادم دِلے در سینۂ مشرق نہادم

گلِ او شعلہ زار از نالۂ من چو برق اندر نہادِ او فتادم

ملت کی پر درد اور عبرت انگیز تباہی کو دیکھ کر اقبال خون کے آنسو رویا اور سب سے پہلے اس کی دقیقہ رس نگاہ نے حیرت انگیز ژرف بینی سے محسوس کیا کہ یورپ کی مادی تہذیب دنیا کو بامِ ترقی کی طرف نہیں بلکہ غارِ تنزل کی طرف سے لیجارہی ہے، دولت کی قدر، پرستش کے درجہ کو پہنچ چکی ہے افراد میں جذبۂ روحانیت بالکل مفقود ہو چکا ہے، اور مادیت مذہب کے خلاف مکمل جنگ کر رہی ہے، نتیجہ ظاہر تھا، اقبال نے یورپ کو متنبہ کیا،

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے جسے کھرا تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

طلوعِ اسلام میں بھی فرمایا ہے، ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

علامۂ اقبال کی شاعری کا مطمحِ نظر خصوصاً اسلامی ہے اور وہ اپنے گرانقدر اصولِ ترقی کی تعلیم کے لیے

آیات شریفہ، احادیث صحیحہ اور آثار سلف کے استنباط سے اکثر کام لیتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار کے معانی کے صحیح ادراک کے لیے قرآن کریم اور احادیث اور اسلامی تواریخ سے اچھی خاصی واقفیت لازمی ہے؛ ان کا ایک خاص طرز یہ ہے کہ قوم کے گذشتہ کارناموں کو یاد دلا کر ان کے تقابل سے، اسے اپنے موجودہ انحطاط کا احساس کرانا چاہتے ہیں، سہ

اے پر بہا جوہر اندر قاف تو ذوالفقار حیدر از اسلاف تو

ملت کے قوائے حیات کے احیار کے لئے ان کے نزدیک صرف ایک تدبیر ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم بھی عرب کی طرف متوجہ ہوں، اور رسول عربی کے احکام کی پیروی اپنا خاصہ بنائیں، فرماتے ہیں،

دل بہ سلمائے[1] عرب باید سپرد تا دمد صبح حجاز از شام کرد

از چمن زار عجم گل چیدۂ نوبہار ہند و ایران دیدۂ

اندکے از گرمی صحرا بخور بادۂ دیرینہ از خرما بخور

اخوت اسلامی: یہ مسلم امر ہے، کہ ملت بیضا اپنی موجودہ پراگندہ صورت میں اقوام مخالف کے حملوں سے مشکل سے جانبر ہو سکتی ہے، اس کے تسلسل اور استحکام کا راز فقط اس کے اجتماع میں مضمر ہے، علامہ اقبال "پیام مشرق" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ

"اس وقت دنیا میں اور بالخصوص اسلامی ممالک میں، ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافی حدود سے بالاتر کر کے ان میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت کی تجدید اور تولید ہو، قابل احترام ہے"

اور یہی مقصود علامۂ اقبال کی تمام تر سعی کا ہے، وہ چاہتے ہیں، کہ ملت کے پراگندہ افراد کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر دیں تا کہ انفرادی اعمال کا تباین اور تناقض مٹ کر تمام قوم کے لیے ایک قلب مشترک پیدا

[1] سلمٰی، ادبیات عرب میں معشوقہ کا نام ہے، اس جگہ پر قرآن کریم اور اس کی تعلیم مراد ہے،

ہو جائے" اور "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ" کا اصلی مفہوم عوام کے دلوں میں جاگزیں ہو، فرماتے ہیں ؎

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

اسلام بذاتہ ایک ہمہ گیر اخوت اور الفت کا مرکز ہے، اور اس کا مدعا یہ ہے کہ اس کے منتشر افراد ایک ہی شیرازہ میں مجتمع نظر آئیں، اس عظیم الشان مقصود کے حصول میں اسلام ملک و ملت کی قیود اور نہایت مکانی سے آزاد ہے، ؎

قلب ما از ہند و روم و شام نیست مرز و بوم او بجز اسلام نیست
عقدۂ قومیت مسلم کشود از وطن آقائے ما ہجرت نمود

یاس اور حزن! علامہ اقبال کے نزدیک استحکام حیات تخلیق و تولیدِ مقاصد سے وابستہ ہے، یاس و حزن ام الخبائث اور قاطع حیات ہیں اور جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں صرف توحید ہی ان امراض خبیثہ کا ازالہ کر سکتی ہے، اُن کا ہر شعر شعاع اُمید و آرزو سے تابندہ نظر آتا ہے. اگرچہ وہ خود ملت بیضا کے ظاہری اور باطنی اضطراب سے متأثر ہیں اور اس کے مصائب پر اشک ریز، تاہم آیہ "لا تقنطوا" پر انھیں کامل بھروسہ ہے اور وہ محسوس کرتے ہیں، ؎

مرگ را سامان ز قطع آرزوست زندگانی محکم از لا تقنطوست

حضرت اقبال ہمہ تن اس کوشش میں مصروف ہیں کہ مسلمانوں کو یاس کے خواب اور اثر سے نجات دلا کر اُن کے دلوں کی ظلمت کو امید کی تنویر سے متبدل کردیں، تاکہ پھر قوم کے افراد جذبۂ عمل اور جان فروشی سے متمیز نظر آئیں، ؎

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر از نبیؐ تعلیم لا تحزن بگیر

جد و جہد زندگانی کا فقدان انحطاط کا پیش خیمہ ہے، اور افرادی یا ملی زندگی کے تدریجی نشو و نما

اور تسلسل کا راز فقط تعینِ عمل سے وابستہ ہے، علامہ اقبال اس نکتہ کو بار بار بیان فرماتے ہیں، مگر بہترین پیرایہ اس شعر میں اختیار کیا ہے،

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی ہے یہی اے بیخبر رازِ دوامِ زندگی

یاس ہی ایک ایسی چیز ہے جو عمل کیلئے سم قاتل کا حکم رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام تصنیفات جن میں یاس اور حزن کا عنصر مستولی ہو قوموں کے جادۂ ترقی میں عوائق پیدا کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ اُن خیالات کی توسیع سے معتد بہ جسمانی اور روحانی تنزل رونما ہو جاتا ہے، عجمی تصوف کے زیر اثر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن میں یہ عنصر نمایاں ہے،

آن نہالِ سربلند و استوار مسلم صحرائے اشتر سوار
آن چناں کاہید از بادِ عجم ہمچو نے گردید از بادِ عجم

باوجود ان تمام مشکلات کے جو اس وقت دنیائے اسلام کو محتوی ہیں اور جنکا انھیں کامل احساس ہے، حضرت اقبال اسلام کے لیے ایک منور مستقبل کی پیشگوئی فرماتے ہیں، اور بار بار مسلمانونکو فہمائش کرتے ہیں، کہ خدا کی رحمت سے انھیں ناامید نہیں ہونا چاہیئے، وہ وقت قریب آنیوالا ہے جب آفتاب اسلام پھر قدیم سطوت اور درخشندگی سے طلوع ہوگا، فرماتے ہیں، ؎

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

. . . .

. . . .

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار،
ہر زماں پیشِ نظر لایخلف المیعاد دار،

خوداعتمادی وخودداری، خوداعتمادی اور خودداری کا عدم وجود انحطاط قومی کا لازمی نتیجہ ہے، جب کسی قوم

میں تنزل رونما ہوتا ہے، اس کے افراد میں جذبۂ غیرت اس قدر مفقود ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ذلت اور فرومایگی کے احساس سے قاصر ہوتے ہیں، ہر چیز میں انھیں اغیار کا دست نگر ہونا پڑتا ہے، حتی کہ اپنی ترقی کیلئے بھی دوسروں کی پامردی پر حصر کرنے لگ جاتے ہیں، بہرحال یہ انھیں محسوس کر لینا چاہئے، کہ قوم کی خارجی ترقی اس وقت تک ظہور پذیر نہیں ہو سکتی جب تک کہ ترقی کے اجزا کا استیناف اس کے افراد کے دلوں میں نہ ہو، اور بلا استظہار غیرے وہ اس کے حصول میں کوشاں نہ ہوں،

حضرت اقبال نے خود اس نکتہ کو پیام مشرق کے دیباچہ میں بخوبی واضح کر دیا ہے، لکھتے ہیں کہ:-

"...... زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو، اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود میں نہیں آ سکتی جب تک کہ اسکا وجود انسانوں کی ضمیر میں متشکل نہ ہو، فطرت کا یہ اٹل قانون جسکو قرآن نے "ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم" کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے، زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے، اور میں نے اپنی فارسی تصانیف میں اس صداقت کو مد نظر رکھنے کی کوشش کی ہے"

غرضکہ اقوام و افراد کا تسلسل جہاد، دوام عمل، پختگی یقین، اور احساس خودی پر مبنی ہے، ؎

پیکر ہستی ز آثار خودی است ہر چہ می بینی ز اسرار خودی است

اور انا کی حفاظت، اسکی تربیت، اور استحکام کا راز خودداری اور استغنا سے وابستہ ہے، سوال خودی کو ضعیف کر دیتا ہے، قوائے حیات میں اس سے جمود پیدا ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سر اقبال خودداری کے بہت زبردست حامی ہیں اور بار بار اس کی تلقین مختلف پیرایہ میں فرماتے ہیں،

تو اگر خوددار ہے منت کش ساقی نہ ہو عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

"خضر راہ" میں فرماتے ہیں،

مومیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست مور بے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بحالت سواری اشتر حضرت فاروق اعظمؓ کا تازیانہ ہاتھ سے گر گیا، اسے زمین پر سے اٹھانے کے لیے آپ خود زمین سے اترے اور اس معمولی کام کے لیے بھی کسی کا احسان گوارا نہ فرمایا، اس واقعہ کی طرف تلمیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

خود فرود آ از شتر مثل عمرؓ الحذر از منتِ غیر الحذر

علامہ اقبال خود بھی بہت مستغنی المزاج واقع ہوئے ہیں، چنانچہ اپنے متعلق فرماتے ہیں،

من فقیر بے نیازم مشربم این است و بس مومیائے خواستن نتوان شکستن می تواں

اقبال کا فلسفہ خالص اسلامی فلسفہ ہے، اور اقبال کا تخیل اور احساس اسلام سے وابستہ ہے،

ڈکنسن صاحب اور ان کے ہمخیال نقاد فلسفۂ اقبال کو یورپ کے فلسفہ کے زیر اثر ٹھہرانے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں اور ان کے "نائب حق" کے تخیل کو نیٹشا کے "فوق الانسان" کا مرہون منت کیوں نہ سمجھیں، مگر لاحاصل سوائے اس کے کہ انکی لاعلمی ثابت ہو، اور کوئی مفاد نہیں، ایسے خیالات کی تردید تو علامہ اقبال نے خود "کوسٹ" میں کر دی ہے، لکھا ہے،

> "مقام تاسف ہے کہ مغرب اسلامی فلسفہ سے اس قدر نا آشنا ہے، کہ مجھے اگر اس بحث پر ایک ضخیم کتاب لکھنے کی فرصت ہوتی تو میں یورپ کے علمائے فلسفہ کو بتا سکتا، کہ ہمارے اور ان کے فلسفہ میں کس بڑی حد تک اشتراک ہے ، . . . . " (معارف)

علامہ اقبال کے نزدیک انسان ایک مستتر طاقت کا مرکز ہے، جس کے ممکنات زندگی ایک خاص طریق پر عمل پیرا ہونے سے ترقی پا سکتے ہیں، رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے "تخلقوا باخلاق اللہ" اپنے اندر اخلاق اللہ پیدا کرو،

"انسان جتنا ہی کہ خدا کے نزدیک تر ہوجاتا ہے اتنا ہی کامل تر ہوجاتا ہے، یہ نہیں کہ وہ فنا فی اللہ ہوجاتا ہے بلکہ اللہ کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، ع یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ"

زندگی ایک حرکت جذب ہے، اک سعی آزادی، اک انتہائے سعی انسانی، جو اپنی پیش روی میں اپنے راستہ کی رکاوٹوں کو خود اپنے اندر جذب کرکے دور کر دیتی ہے،

زندگی کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مادہ ہے یا یوں کہوں کہ نیچر تاہم نیچر اس لحاظ سے کہ وہ زندگی کی اندرونی طاقتوں کو اس قابل بناتی ہے، کہ وہ عدم سے وجود میں آئیں، اپنی ذات میں "شر" نہیں، انسان کے اندر زندگی کا مرکز "خودی" یا "انا" ہے، اسکی توسیع اور تربیت جد وجہد سے وابستہ ہے اور اس کا استحکام "عشق" سے ہے،

"عشق" کا استعمال بہت وسیع معنوں میں ہونا چاہیئے، خودی کو اپنی تکمیل میں تین مراحل طے کرنے پڑتے ہیں مرحلۂ اول اطاعت، مرحلۂ دوم ضبط نفس، مرحلۂ سوم نیابت الٰہی، ذوق عمل کا عدم وجود انحطاط کا پیش خیمہ ہے، اس لیے تمام ایسی چیزوں سے جو خودی کو ضعیف کر دیں، احتراز واجب ہے، ادبیات، مذہب، اخلاقیات کے اثرات کا صحیح اندازہ اسی معیار سے قائم کیا جاتا ہے،

اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے اقبال "نیو ایرا" (New Era) میں لکھتے ہیں

"تمام انسانی جد وجہد کا انجام نقطۂ حیات ہے، اور تمام انسانی علوم و فنون اسی مقصد کے حصول کے تابع ہیں، اسلیے ہر علم وفن کی منفعت کا اندازہ اس کی حیات آفرین قوت ہی سے لگایا جا سکتا ہے، مثلاً اعلیٰ ترین فن وہ ہے جو کہ ہماری جبلی قوت ارادی کو بیدار کرے اور ہمیں مصاف زندگی میں مردانگی سے مقابلہ کرنے کی طاقت بخشے، تمام خواب آور اثرات "جو حقیقت" (Reality) سے گریز کرنے کی تعلیم دیں، فی نفسہ ایک پیغام انحطاط و ممات ہیں ادبیات کو "دنیائے افیون خوردہ" کے نقوش سے مبرا ہونا چاہیئے۔ . . . العلم للعلم (Art for the sake of art) کا اصول ایک زمانۂ تنزل کی ایجاد ہے جس کا مقصد ہمیں ذوق حیات اور جذبۂ عمل سے محروم کر دینا ہے"،

افلاطون کے فلسفہ کی تنقید علامۂ اقبال نے اسی نقطۂ نگاہ سے کی ہے، ان کی یہ تنقید ان اصول کے

خلاف ہے جو اپنی انتہا بجائے زندگی کے موت قرار دیتے ہیں، یہی وہ اصول ہیں جو بجائے اس کے کہ ہمیں زندگی کے دشوار گذار مراحل کے طے کرنے کی تعلیم دیں اس سے گریز کرنا سکھاتے ہیں،

راہبِ اول فلاطونِ حکیم ۔۔۔ از گروہِ گوسفندانِ قدیم

گفت سرِّ زندگی در مردن است ۔۔۔ شمع را صد جلوہ از افسردن است

اس فلسفہ کا اثر مسلمانوں کے تخیل پر جس حد تک ہوا ہے، اس سے بہت کم لوگ کما حقہٗ آگاہ ہیں، جب مسلمانوں نے منشائے حیات اور مقصد تخلیق انسانی کی توضیح کے لیے فلسفۂ یونان بغور دیکھنا شروع کیا، تو وہ سب سے پہلے ارسطو کی طرف متوجہ ہوئے، مگر ارسطو کی اصلی اور مستند تصانیف کے دستیاب نہ ہونے کے سبب سے انھیں ان کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا جو ارسطو کی تصانیف کی تراجم بتائی جاتی تھیں، مگر دراصل پیروانِ اشراق (Neo-Platonism) کی تالیف کا نتیجہ تھیں، یہی وجہ تھی کہ فلسفۂ ارسطو جس کو مسلمانوں نے پڑھا درحقیقت پلوٹینس پروقلس اور دیگر پیروانِ اشراق کی کاوشِ فکر کا نتیجہ تھا،

علامۂ اقبال فرمایا کرتے ہیں، کہ وہ ابھی کیمبرج ہی میں تھے اور کسی انگریزی رسالہ کے لیے "سیاست اسلام" پر ایک مضمون لکھ رہے تھے کہ یکایک اُن کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ "خدا جانے مسلمانوں کے زوال کا نفسیاتی محرک کیا تھا"،

اس سوال کے جواب کی تلاش میں انھوں نے عربی تواریخ کو چھان مارا، انگریزی مؤرخوں کی تصنیفات کو بھی دیکھا مگر بے سود،

اُن سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کیا وجہ تھی کہ ایک ایسی جماعت جس میں استمرارِ عمل کا ہر ممکن عنصر موجود ہو، غیر معمولی تیزی سے اُبھرے اور پھر زوال پذیر ہو جائے، درحقیقت اس سوال کا جواب جیسا کہ وہ اپنی فارسی تصانیف میں متعدد بار بیان فرما چکے ہیں، افکار و خیالات کا اثر اور عاملانِ کم نظر کا اجتہاد ہے،

عجمی تصوف پر جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، افلاطون کے فلسفہ کا بہت گہرا اثر پڑا ہے، اور انھی خیالات کی توسیع ہے جو اسلام کے انحطاط کی وجہ ہو سکتی ہے، رسول مقبول صلعم کے بعد ان کا شخصی نفوذ صحابۂ کرام میں کام کرتا رہا اور اسی کی بدولت تھا کہ مسلمان ایک ہمہ گیر سیلاب کی طرح تمام دنیا پر پھیل گئے، مگر جس قدر آپ کا زمانہ دور ہوتا گیا، لوگوں کا جذبۂ عمل کم ہوتا گیا حتیٰ کہ بفحوائے حدیث قدسی "خیر القرون قرنی۔۔۔۔" چوتھی نسل کے بعد زوال شروع ہو گیا جب تک مسلمانوں کے سامنے "زندہ قرآن" موجود تھا، انھیں کسی قسم کے تجسّس و تفحص کی ضرورت نہیں تھی مگر نبی کریم صلعم کے بعد اکثر علماء کئی ایک مطلب کی تشریح اور توضیح کے لیے یا تو یونان کے فلسفہ کی طرف متوجہ ہوئے اور یا آیات شریفہ کی تاویلیں کیں، رازی نے استدلال[1] سے کام لیا، غزالی نے فلسفہ یونان کی تردید کی، ائمہ نے احادیث نبوی کو جمع کیا، غرضکہ بہت کچھ ہوا جو نہایت مفید تھا، مگر "ترکِ دنیا" اور اس قسم کے "رہبانی خیالات" جو لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو چکے تھے مفقود نہ ہو سکے، علمائے تصوف اصلی مفہوم کو چھوڑ کر ظاہری رسوم میں محصور ہو گئے،

صوفیٔ پشمینہ پوشِ حال مست ۔۔۔ از شراب نغمۂ قوال مست

آتش از شعرِ عراقی در دلش ۔۔۔ در نمی سازد بقرآں محفلش

از کلاہ و بوریا تاج و سریر ۔۔۔ فقرِ او از خانقاہاں باج گیر

واعظِ دستاں زنِ افسانہ بند ۔۔۔ معنیٔ او پست حرف او بلند

تنگ بر ما رہگذارِ دیں شد است ۔۔۔ ہر لئیمے رازدارِ دیں شد است

گر تو می خواہی مسلماں زیستن ۔۔۔ نیست ممکن جز بقرآں زیستن

رسکن کا قول ہے

---

[1] علامہ اقبال فرماتے ہیں، ز رازی معنیٔ قرآں چہ پرسی ۔۔۔ ضمیر ما بآیاتش دلیل است،

مولانا روم نیز فرماتے ہیں، گر بہ استدلال کارِ دیں بدے ۔۔۔ فخر رازی رازدارِ دیں بدے

"کہ اگر کسی مصنف میں کچھ قابلیت کا مادہ ہے تو تم اس کے معنی بادی النظر میں نہیں سمجھ سکتے،

بلکہ ان کے صحیح ادراک کے لیے کافی دقت چاہیئے"

یہی خصوصیت ہے جس سے علامہ اقبال کے اشعار ممتیز نظر آتے ہیں ان کے ہر ایک شعر میں ایک جہانِ معنی مستور ہوتا ہے، اور ہر مصرع میں حقائق اور معارف جلوہ گر ہوتے ہیں، اسی وجہ سے اُن کا مکمل ادراک بادی النظر میں دشوار ہوتا ہے مگر ذرا سی کوشش سے تمام غوامض آشکارا ہو جاتے ہیں، یہ نہیں کہ ادق الفاظ کا استعمال بے وجہ عام ہوتا ہے، نہیں بلکہ الفاظ کی موزونیت، کلام کا اختصار اور اسکی حقیقت ناآشنا کو مشکل بنا دیتی ہے،

نگاہ می رسد از نغمہ دل افروزے بمعنی کہ بر و جامۂ سخن تنگ است

مغرب کے نقاد جہاں اقبال کی ہمہ گیر شخصیت کا اعتراف کرتے ہیں، وہاں یہ بھی کہدیتے ہیں، کہ ان کی تعلیم "ایک شگون نحس" ہے جو دنیا کو جنگ و جدال کی طرف لے جا رہی ہے، انھیں یہ خوف ہونے لگ گیا ہے کہ کہیں اسلام پھر اصلی قوت میں آکر مغرب کو تسخیر نہ کر ڈالے، اسلیے وہ اقبال کی تعلیم کو خونخواری کی تعلیم بتلاتے ہیں، اس خیال کے پیرو صرف انگریز ہی نہیں بلکہ چند ایک ہندو بھی ہیں، حال ہی میں مسٹر مینان آئی سی، ایس نے "انڈین ریویو" میں جو مضمون اقبال پر لکھا ہے، اس میں اسی بات کے ڈر کا اظہار کیا ہے،

مگر انھیں معلوم کر لینا چاہیے، مردانگی، شجاعت اور خودی، کی تعلیم خونخواری کی تعلیم نہیں ہے، اقبال اخوت اسلامی کا علمبردار ہے اور رنگ و خون کے امتیازات کو مٹانے کے لیے آیا ہے، وہ ان عظیم الشان اصولوں کی تعلیم دیتا ہے جن سے انسان مکمل ہو سکے، وہ ایسا جادۂ عمل ملت کے سامنے پیش کرتا ہے جس پر گامزن ہو کر قوم منزل مقصود پر پہنچ سکے،

اقبال کے ہر شعر میں ایک جہاں سوز پنہاں ہے اس کا ہر مصرع اک جذبۂ آتشین سے معمور ہے جسکی تاثیر سے دنیائے اسلام میں ایک ہیجان سا برپا ہو گیا ہے، اقبال شاعر بھی ہے، عالم بھی ہے، فلسفی بھی ہے مگر یہ عوام کی کم نظری کا سبب ہے کہ وہ اسکی عظمت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے،

ز اقبال فلک پیما چہ پرسی ، حکیم نکتہ دانِ ماجنوں کرد،

عبدالستار بن قاسم لاہوری

اکبری عہد کا فرنگی زبان کا مترجم،

از

جناب حافظ احمد علی خانصاحب ناظم کتبخانۂ ریاست رامپور،

کتاب خانۂ ریاست میں ثمرۃ الفلاسفہ نامی تاریخ فارسی میں ایک قلمی کتاب ہے، تقطیع کتاب ۱۰/۳ ۶×۱۰

تقطیع کتابت ۱/۴ ۷ × ۱/۲ ۳ انچ، سطر ۱۵، بدخط نستعلیق، صفحات ۲۶۶ ہیں، فضل علی ولد قادر بخش ساکن قصبہ

سونہ، نے ۱۲۴۶ھ میں اس کو نقل کیا ہے، کتابت نہایت غلط اور املا بھی نادرست ہے،

آغاز کتاب :۔ "سپاس الٰہی وستائش جان آفریں درآغازنامہا رسم است"

دیباچہ میں مترجم لکھتا ہے :۔

"بندہ عبدالستار بن قاسم را از بخت مندی وسعادت سرمدی آرزو جوشید وپیمان بست کہ اگر آسمان دستگیری کند وکارساز ان آسمانی درے از دانائی بریں پرستار طبعی برکشانید خدمتے کہ تہمت انبازی برنتابد بجہت بادشاہ وصاحب روزگاران بجا آرد، لیکن سراسیمگی درگرفت دانم بایگی بہ حیرت شد کہ ایں شگفت آرزو چگونہ سامان گیرد وایں گونہ خدمتے کہ ارمغانے باریافتگان درگاہ مقدس باشد وتہمت انبازی برنتابد من کج مج زبان بے یاور راکجا روے نماید، روزہائے بسرآمد، وروزگار دراز بگذشت بدیں بودم کہ (و) بدیں میگذرانیدم، ناگاہ درے از دولت برکشاوند وستارۂ بخت مندی بدرخشید، شہنشاہ غیب داں کو خواہش نوای وکام بخشی خوئے پسندیدۂ اوست، ایں گمنام را طلب فرمود، فرمان شد کہ زبان فرنگی آموزد، واسرار ایں ملت واحوال سلاطین ایں گروہ حکمائے یونان زمین ولیتن از روے کتب ایشاں بفارسی گذارش

وہدا کہ انچہ از بیگانگی زبان دنبودن مترجم ددوری راہ ازنہان خانۂ خفا درروزگاران بیروں نیامد است، دریں زمان ہمیشہ بہار دانائی بر فراز پیدائے برآید، وایں گروہ نصارا کہ بپیوستہ پیشانی نیازمندان برآستان مقدس دارند (و) از درگاہ ہمایوں کام دل برگیرند؟

مترجم نے فرنگی زبان لکھا ہے، اس عہد میں فرانسیسی، انگلستانی، اور پرتگیزی سب ہی آتے جاتے تھے، نہیں معلوم اس سے کونسی زبان مراد ہے،

پھر کہتا ہے کہ ظل الٰہی کی فرمائش کو ایزدی فرمان سمجھکر کام شروع کیا، پادری جرونموشویر (Padre Geronimo-xavier) دانایان فرنگ میں سے برگزیدہ شخص حال ہی میں دربار میں آیا ہے، اس سے زبان سیکھنا شروع کی، اقبال روز افزوں یاور ہوا، چھ مہینے میں اس زبان کے مطالب علمی و عملی سمجھنے کی طاقت آگئی، بات چیت کم کرنے اور شغل ترجمہ کی وجہ سے اس زبان میں گفتگو کی مہارت نہین ہوئی ہے، لیکن بادشاہ کی خواہش پوری ہوگئی، پادری جرونموشویر بادشاہ کو اس کتاب کے پورے مطالب سنا بھی نہ چکا تھا، کہ میں نے یہ ترجمہ پورا کرلیا، الحمدللہ کہ تھوڑی ہی مدت میں غوامض اسرار علمی و عملی اس گروہ کے، احوال مسیح ؑ و بادشاہان روم و یونان و حکما کے حالات لکھ گئے، یہ حالات انجیل اور کتاب سنت اتنین سے لیے ہیں البتہ حکما کے حالات میں دوسری کتابوں سے بھی مدد لی ہے، ہر بادشاہ کے حالات کے ساتھ اس کے عہد کے حکما کے واقعات بھی بیان کر دیے ہیں،

حکما کی زاد و بوم کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، کوئی ان کو رومی اور کوئی یونانی کہتا ہے، اس اختلاف کی یہ بنا ہے کہ گریسیہ نے جسکو یونان بھی کہتے ہیں، ایتالیہ پر قبضہ کرلیا تو اس کو بھی گریسیہ کہنے کا حکم دیا، جب سلاطین رومہ نے گریسیہ پر قبضہ کیا تو اس کو رومہ کہلوایا، پوشیدہ نہ رہے کہ ایتالیہ ملک گریسیہ سے مغرب میں ہے، وہاں کی زبان لیٹن ہے، ایتالیہ، اسپانیہ، فرانسہ، المانیہ اور کستیلہ میں یہی زبان معتبر ہے، کتب علمی و عملی اسی زبان میں ہیں،

اس کے بعد مترجم نے علیحدہ علیحدہ عنوان سلاطین کے قائم کرکے حالات لکھے ہیں،

داستان آبادی روم و سلطنت کردن در آن دیار هفت تن و برانداختن اسم سلطنت از ملک خویش

اس عنوان کے ذیل میں لکھتا ہے کہ اموبیوبیس (amulius)

البا کا بادشاہ تھا، اپنے بڑے بھائی نومی تور (Numitor) کو علیحدہ کرکے خود بادشاہ ہوگیا

اور اپنی بھتیجی رمی ام یا ایلیا (Ilia) نامی کو دیستہ (Westa) کے سپرد کردیا، ویستہ اس

زبان میں آگ کو کہتے ہیں، مطلب یہ تھا کہ وہ کنواری رہے اور کوئی اولاد پیدا نہ ہو جو نومی تور کا بدلہ لے، سرنوشت

آسمانی سے اس لڑکی کے دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک کا نام رومل (Romalo) دوسرے کا نام رویم

(Ramus) تھا فاسل نامی گڈریہ نے ان بچوں کی پرورش کی جوان ہوکر ان بچوں نے اموبیوکو

قتل کیا، اور پھر ایطالیہ کو چلے گئے، وہاں آفرینش ابوالبشر سے چار ہزار چارسو پچاسویں سال، ٹرا قلعہ بنایا، رویم

کو رومل نے قتل کرا دیا، قلعہ آباد کرنے کے لیے سب ملک کے بدمعاشوں کو عام اجازت دیدی وہ آکر آباد ہوگئے

اخیر میں ایک ابر سیاہ پیدا ہوا اور رومل اس میں غائب ہوگیا، وہ زمانہ بنی اسرائیل میں اشعیا نبی کا تھا،

داستان نومہ نون پیلوم (Numa Pampeli) یہ شہر سبن (Sabine) کا رہنے والا

تھا، نیا مذہب ایجاد کیا، سال کے بارہ مہینے مقرر کئے، چالیس سال حکومت کی، تول (Tullus Hostilius)

جنگ دوست تھا،

(بادشاہ کا نام نہیں ہے) اس کے عہد میں بخت نصر والی بابل بیت المقدس میں آیا، بنی اسرائیل کو تباہ

اور شہر کو خراب کیا، ایک خواب دیکھ کر بھول گیا تھا، دانیال پیغمبر نے خواب بتایا اور تعبیر بیان کی،

داستان مارسیو (Martius) داستان ترکین اول (Tarquinius)

داستان تیر یو تو لیو (Servius Tullius)

ترکین دویم اس کو ترکین مغرور بھی کہتے ہیں،

اس کے بعد مترجم لکھتا ہے، کہ اکبر بادشاہ کے سامنے مذکورۂ بالا عہد کے حکما کے حالات بیان ہو چکے ہیں اسلیے میں یہاں نہیں لکھتا ہوں،

گریسیہ کی نسبت مترجم کہتا ہے " گریسیہ وہ جگہ ہے جہاں اتھنیس واقع ہے، زبان کا نام گریک ہے، یہ بالکل غلط ہے کہ یونان زیر آب ہے، لفظ یونان ان کی کتابوں میں نہیں ہے " اس کے بعد اسپین کا مختصر حال تا فتح عیسائیان لکھا ہے،

اس کے بعد اس نے داستان شہر بابل اور طبقہ حکمائے یونان کو لکھا ہے، کہتا ہے، شیر نواسہ ارنیائیس والی میدت ہے، اس کو شیروان بھی کہتے ہیں،

ارنیائیس نے خواب میں دیکھا کہ اسکی دختر کے پیٹ سے مانند بنن ؟ نام انگور کا درخت پیدا ہوا اور تھوڑے سے وقت میں اسقدر بالیدہ ہوا کہ تمام آریہ پر جو ثلث حصہ زمین ہے چھا گیا، علمار نے تعبیر کہی کہ تیری لڑکی سے ایک ایسا فرزند ہوگا کہ کل آریہ پر حکومت کریگا اور تجھ سے سلطنت چھین لے گا،

ارنیائیس نے اپنی لڑکی ایک کم حیثیت شخص سے منسوب کر دی، اس سے ایک لڑکا ہوا، اینائیس نے اس بچہ کو قتل کے لیے ہرپاک نامی ایک شخص کے سپرد کیا، مگر اس نے اس کو قتل نہیں کیا، اس لڑکے کی پرورش گڈریے نے کی، جوان ہو کر اس نے ایرانیوں اور شیروانیوں کی جنگ میں بڑا کام کیا، پھر اس نے بابل پر حملہ کیا، بند باندھکر قلعۂ بابل کو دریا سے بہایا، اخیر میں اس کے عہد کے حکما کے حالات ہیں،

اسی طرح داستان کنبس بن تیر (Cambyses) داستان شیرشش بن دریو (Croesus Darius) داستان ارتشیرشش تسیرشش ؟ (Artaxerxes Xerxes) داستان الی شاندر یونانی کہ سکندر رومی کے نام سے مشہور ہے، ان بادشاہوں کے حالات کے ساتھ اس عہد کے حکمار کے بھی حالات ہیں،

خاتمہ میں مترجم لکھتا ہے۔

سپاس تازہ سرایم و ستایش دگر بگویم، نیائش دادر سرنا بانہم و پرستش راکر بر میان بندم کر از

گزیدگی نیاز درپاس بندگی و تسبیح درست و کوشش حق گذار بتاریخ سیزدہم ربیع الاول روز جمعہ ہزار و دوازدہ ہلالی و بیست و نہم امرداد الہی روز مار اسفندیار (اسفندار) چہل وہشت از جلوس حضرت شاہنشاہی (ختم) شد . . . . . و این خردزادۂ نہ ماہہ را کہ پیران کہن سال را تجربہ آموزد تجربہ کاران را روشنی افزود است و از حضرت شاہی پناہی نامی و اسم گرامی ثمرۃ الفلاسفہ نام در خدمت گیتی خداوند پیرایہ قبول ارزانی دارا و،

صفحہ ۲۷۱ پر قیصر کے حالات میں لکھتا ہے:-

عجب آنکہ ہمان زمان ولادت مسیح علیہ السلام بود و این سال چہل و دو از سلطنت قیصر مذکور بودہ است، و چگونگی ولادت این بزرگوار در کتاب دیگر کہ از حضرت شاہنشاہی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بنام نامی و اسم گرامی مرآۃ القدس غازہ قبول یافتہ بہ تفصیل نوشتہ شدہ،

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرآۃ القدس بھی غالباً اسی مترجم کی کتاب ہے، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کی فہرست کتب فارسی قلمی مرتبہ ریو کی جلد اول کے صفحہ تین پر درج ہے، اور پادری جرونمو شویر کی تصنیف ظاہر کیا ہے، اس کتاب میں پادری مذکور دیباچہ میں لکھتا ہے کہ اکبر بادشاہ کے حکم سے میں نے سات آٹھ سال تک فارسی سیکھی، اور یہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے حالات میں لکھی اور اس فارسی ترجمہ میں عبد الستار بن قاسم لاہوری نے بھی مدد کی، اس کتاب کے چار باب ہیں، باب اول زمانہ طفلی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، باب دوم تعلیم و معجزات، باب سوم رحلت، باب چہارم حیات ثانی،

پادری جرونمو شویر نواری (Navare) کا رہنے والا تھا اور ڈ پاسٹل آف انڈیا، ایس، فرانسس شویر (S. Francis Xavier) کا رشتہ دار تھا، ۱۵۸۱ء میں جیسویٹ مشن گوا میں شریک ہوا، اور ۱۶۱۷ء میں گوا میں مرگیا ایک تاریخ پادری مذکور نے اپنی زبان میں بھی لکھی ہے جسکا نام ہے (Historica relatio (ad Regnum magni Magar)

اس تاریخ میں اس سنے دربار اکبری کے حالات، اور اکبر و جہانگیر کے ساتھ سفر کشمیر کے حالات لکھے ہیں،

عبدالستار بن قاسم لاہوری کا اور کوئی حال معلوم نہیں ہوا، ثمرۃ الفلاسفہ سنہ ۱۰۱۱ھ کی اور مرآۃ القدس سنہ ۱۰۱۲ھ کی تصنیف یا تالیف ہے، اس نے جہانگیر کے حکم سے سنہ ۱۰ جلوسی مطابق سنہ ۱۰۲۴ھ اجمیر میں ظفر نامہ کا انتخاب کیا اور وہ منتخب ظفر نامہ کے نام سے فہرست مرتبہ ریو قلمی فارسی کتب جلد اول کے صفحہ ۷۷ اپر درج ہے، مرآۃ القدس کا نسخہ ہندوستان میں اور ثمرۃ الفلاسفہ کا انگلستان میں غالباً نہین ہے،

میں نے یونانی نامون کی فہرست میں کوشش کی مگر ناکام رہا، اب کوئی اور فاضل اس کام کو پورا کریں،

تلخیص و تبصرہ

روس میں تعلیمی جدّ و جہد

روس میں انقلاب حکومت کے بعد سے وہاں کے عام حالات پر یورپ کے "عیار ہاتھوں" نے ایسا پردہ ڈالا کہ ہم وہاں کے نظام حکومت، اور داخلی اور خارجی سیاسیات کی لاعلمی کے ساتھ اس کے معاشرتی، تجارتی، صنعتی علمی اور تعلیمی حالات سے بھی حقیقی معنوں میں بے خبر ہیں، اور کبھی کچھ حالات معلوم ہوئے ہیں تو ان کا ایک دوسرے کے متضاد ہونے کے علاوہ ان کے ذرائع معلومات اس قدر غیر مستند قرار پاتے ہیں کہ ہم ان خبروں سے روس کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے، لیکن ماہ دسمبر ۱۹۲۵ء کے "الہلال" مصر میں مجلۂ [illegible] کے حوالہ سے ایک امریکن سیاح کے حالات سفر کے چند اقتباسات شائع ہوئے ہیں، جو ایک حد تک قابل اعتنا کہے جا سکتے ہیں، اسلیے ہم انھیں دیکھکر روس کے تعلیمی حالات کے متعلق کسی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں، ذیل میں اس مضمون کی پوری تلخیص درج کیجاتی ہے،

عہد زار کے روسی طلبہ زارِ روس کی شہنشاہی میں روس کے مدرسوں میں صرف سرمایہ داروں کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے کیونکہ غربار کے بچوں کے لیے اولاً نہ وہ آسانیاں موجود تھیں اور نہ انھیں اپنی ابتدائے طفولیت سے کاشتکاری کے کاموں اور کارخانوں کی ملازمت سے فرصت ملتی تھی، اسلیے زار کے ایام سلطنت میں روس کی تمام آبادی میں ۸۰ فیصدی سے زیادہ ناخواندہ اشخاص تھے،

انقلاب حکومت کا اثر طلبہ جب روس میں انقلاب حکومت ہوا اور زمام حکومت بالشویکوں کے ہاتھوں میں آئی تو انھوں نے غربار اور مزدوروں کے بچوں کی تعلیم کی طرف اس بنا پر نہایت سرگرمی سے توجہ کی کہ کوئی تعلیم یافتہ مزدور تعلیم پانے اور اقتصادیات کی حقیقت اور حکومت کا مفہوم سمجھنے کے بعد شہنشاہی کی تائید کے لئے تیار نہ ہوگا، بلکہ

اس کے بجائے وہ بالشویک نظامِ حکومت کا حامی و مددگار ہوگا کہ اس نظام میں اسکی فلاح و بہبودی ہے اور اگر غربار کی جماعت ناخواندہ رکھی جائیگی تو بہت ممکن ہے کہ اپنی جہالت سے مخالفینِ حکومت کے اغوا میں اگر قدیم شہنشاہی کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے،

اس نقطۂ نظر کی بنا پر نہ صرف مدرسوں میں غربار کے بچوں کو داخل کیا گیا بلکہ تمام مدارس سے سرمایہ دارون کے لڑکوں کو علیحدہ کرکے غربار اور کسانوں کے لڑکوں سے ان جگہوں کی خانہ پری کیگئی،

یہ نئے طلبہ علم و تعلیم سے قطعی نابلد تھے اس لیے ان کے دماغوں پر جہل و جمود کے تاریک پردے پڑے ہوئے تھے، لیکن اُنکے شوق و شغف اور محنت و کاوش نے ان میں ایک ایسا ملکہ پیدا کر دیا جس نے ان کے ذہنوں سے جہل کا تاریک پردہ ہٹا دیا، اور ان میں ضبط اور شغف علمی کا ایسا جوہر پیدا ہو گیا جسکی وجہ سے انکی تعلیم کے سالانہ نتائج سرمایہ داروں کے لڑکوں کے نتائج سے بدرجہا بہتر ثابت ہوئے،

تعلیم کی عام اشاعت روس کے وزیر تعلیم یا ان کے الفاظ میں "کمشنر تعلیم" روس کے مشہور ادیب لوناخرسکی ہیں، انھوں نے اپنے صیغۂ تعلیم کے لیے ایک ایسا دستور العمل مرتب کیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر اس کے مطابق عمل ہوا تو روس میں ۱۹۲۸ء تک جہل کا خاتمہ ہو جائے گا، انھوں نے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے ابتدائی کتابیں تالیف کیں، اور یہ کتابیں کئی لاکھ کی تعداد میں روس کے مدرسوں میں بہت جلد تقسیم ہو گئیں، اس طریقۂ کار کا فوری نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ ۱۹۲۱ء میں ساٹھ لاکھ روسی معمولی نوشت و خواند سے واقف ہو گئے، کہ یکایک اسی ۱۹۲۱ء میں روس میں عام قحط پڑا، اس قحط نے تعلیمی نظام کو سخت صدمہ پہنچایا کیونکہ تمام کام کرنے والے اپنے مشاغل چھوڑ کر اس قحط کے انسداد میں حکومت کے شریک کار ہو گئے،

مدرسوں کے حالات وہاں کے مدارس کے نصاب تعلیم میں علمی رنگ بہت غالب رکھا گیا ہے، مدارس چند اصول کے ماتحت چلتے ہیں، اس کے ابتدائی اصول میں سے ایک یہ ہے کہ "طلبہ کو جسمانی سزا مطلق نہ دی جائے" اس اصول کی نہایت سختی سے پابندی کیجاتی ہے، کسی سخت سے سخت جرم کی سزا میں بھی بید سے کام نہیں لیا جاتا

اور وہاں کے مدارس میں ایک اور یہ جدت بھی ہے، عام ازین کہ یہ فی الواقع اصولِ معاشرت سے صحیح ہو یا نہ ہو کہ لڑکے اور لڑکیاں خواہ صغیر سن ہوں، یا عہدِ شباب میں ایک ہی مدرسہ میں ایک ساتھ پہلو بہ پہلو بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں، اسلیے وہاں دوسرے ممالک کی طرح لڑکے اور لڑکیوں کے لیے جداجدا مدارس قائم نہیں ہیں جس سے نظامِ تعلیم میں ایک حد تک سہولت پیدا ہوتی ہے، وہاں کے مدارس میں ایک دوسری شے یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ طلبہ کو ابتدائے عمر سے اپنے اوپر آپ حکومت کرنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے، وہ اپنی تعلیم کے لیے خود بطیبِ خاطر مضامین منتخب کرتے ہیں، انھیں جو مضامین طبعًا ناپسند ہوں ان کے پڑھنے پر وہ مجبور نہیں کئے جاتے اور اپنے اوپر آپ حکومت کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ان کے ذریعہ سے ان کے مدرسوں کے نظام کو ایک حکومت کی شکل میں مرتب کرایا جاتا ہے اور اس "نظامِ حکومت" کے تمام اعضا خود طلبہ ہوا کرتے ہیں، اس طرح آیندہ چلکر حقیقی نظامِ حکومت کے سنبھالنے کے قابل ہو جائیں گے، اس وقت یونیورسٹی کے تمام طلبہ کی تعداد بیس لاکھ تک پہنچ گئی ہے، طلبہ کی یہ تعداد عہدِ زار کے طلبہ سے کئی گنا زیادہ ہے،

طلبہ کا شغفِ علمی فاضل امریکن سیاح روسی طلبہ کے شغفِ علمی کو ظاہر کرتے ہوئے، لکھتا ہے، "میں ایک دن ماسکو یونیورسٹی کے ایک کتب خانہ میں گیا، میں نے وہاں دروازے تک کی آخر آخر نشستوں کو بھرا ہوا دیکھا، وہاں طلبہ کو جنمیں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تھے کرسیوں پر بیٹھنے کے بجائے زمین پر بیٹھے ہوئے پایا، کیونکہ وہاں کے کتب خانوں میں ہمارے امریکہ کے کتب خانوں جیسا نظام نہیں ہے، وہاں جو طلبہ بیٹھے ہوئے نہایت مستعدی سے مطالعہ میں مصروف تھے یا جو مختلف مسائلِ علمی کے حاصل کرنے کے لیے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے ان کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ کتبخانہ کے آنے جانے والوں کی عام گفتگو یا عجلت کے لیے لوگوں کا اصرار سے کتابیں مانگنے میں ہنگامہ کرنا ان کی مصروفیت میں خلل انداز نہیں ہوتا، یہ ہیں آج کل کے روسی طلبہ، اور یہی ہیں وہ حالات جو ان طلبہ اور عہدِ زار کے طلبہ میں باعثِ امتیاز ہیں،

فوجی مجالس اور تعلیم بالشویکوں کے لیے چند فوجی مجالس کا وجود نہایت مغتنم ثابت ہوا، انھوں نے ان مجالس

کی حوصلہ افزائی کی، اوران مجالس کے ممبروں میں اشاعتِ تعلیم کے لیے ان مجالس سے مدرسوں کا الحاق کردیا، کہا جاتا ہے کہ ان ممبروں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار تھی ان کے لیے محاضرات میں کتابیں لکھی گئیں اور نیز مختلف قسم کے ڈرامے تیار کرکے تقسیم کئے گئے، اس طریقۂ کار سے وہ بہت زیادہ مستفید ہوئے اور انھوں نے بہت جلد علمی معلومات کا کافی ذخیرہ حاصل کرلیا،

اشاعتِ تعلیم سے بالشویکوں کا مقصود، بالشویک روس میں اس عام تعلیم کی نشر و اشاعت سے چند مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، اولاً وہ چاہتے ہیں کہ روس میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین کی ایک جماعت پیدا ہوجائے، دوسرے وہ مزدوروں کے ایک ایسے گروہ کے خواہشمند ہیں جو اپنے علمی معلومات کے ذریعہ سے کارخانوں اور زراعت کی ضروریات پوری کرسکیں، جس سے روس میں اقتصادی ترقی کا حصول ممکن ہو، اوران سب سے بالاتر یہ کہ وہ تمام باشندگانِ روس میں ایک علمی روح پیدا کردینے کے خواہاں ہیں،

اسلام اور اصولِ حکومت،

ان دنوں مصر میں وہاں کے ایک قاضی شیخ علی عبدالرزاق ازہری کی ایک کتاب پر جو انھوں نے اصولِ حکومت پر لکھی ہے، اور جس میں انھوں نے اسلامی سیاسیات پر بحث کی ہے سخت اختلافات پیدا ہوگئے ہیں اور بعض لوگوں نے اس تصنیف کو احکامِ شرع کے خلاف ٹھرایا ہے، ٹائمز (لندن) اپنے ادبی ضمیمہ میں اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

۱۲ اگست ۱۹۲۵ء کو ۲۴ علمار کی ایک مجلس نے جامع ازہر کے استاد اصولِ فقہ اور اس کتاب کے مصنف پر ارتداد کا الزام لگاکران کو استاذی کے درجہ سے الگ کردیا ہے، اس کتاب کا جو اثر مسلمانوں پر ہوا ہے اسکو سمجھنے کے لیے ہم کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ہر تعلیم یافتہ مسلمان کے لیے مذہبی تعلیم ایک ضروری شے ہے، کیونکہ ہر مسلمان کو جو صحیح اسلامی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہو، روزانہ کم ازکم ایک گھنٹہ قرآن مجید، احادیث اور اصول اسلام کے لیے وقف کرنا پڑتا ہے، اسلیے ہر مسلمان کو اپنے مذہبی اصول سے کچھ نہ کچھ واقفیت ہوتی ہے،

اسلیے جو شخص بھی ان بنیادی اصول کے خلاف کچھ لکھیگا اوسے نہ صرف علمار کا مقابلہ کرنا ہوگا بلکہ اوسے تمام تعلیم یافتہ مسلمانوں سے باہم دست وگریبان ہونا پڑے گا، اسلیے اس میں دونوں پہلو موجود ہیں، وہ فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے اور نقصان بھی،

شیخ علی عبدالرزاق یقیناً ایک سچے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان ہیں، وہ اسلام کے دونون بنیادی اصول توحید باری تعالیٰ اور پیغمبر اسلام صلعم کے قائل ہیں، وہ قرآن مجید کو وحی اور کلام الٰہی مانتے ہیں، جہان کہیں بھی وہ موجودہ مذہبی تعصب کے خلاف اظہار خیال کرتے ہیں، اس مسئلہ کو قرآن مجید سے کوئی تعلق نہیں ہوتا،

اسلامی احکام تمامتر قرآن واحادیث پر مبنی ہیں، مسئلہ خلافت کا انحصار تمامتر صرف احادیث پر ہے، قرآن مجید میں اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں ہے، شیخ علی نے جو چیز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ یہ ہے کہ مندرجہ ذیل باتیں نہ تو قرآن ہی میں ہیں اور نہ مستند صحیح احادیث میں،

(۱) رسول اللہ صلعم حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام سے کسی صورت سے بھی دنیاوی حکومت کے زیادہ حامی یا متمنی تھے، (۲) رسول اللہ صلعم نے مذہبی احکام واعمال کے علاوہ کوئی مزید تعلیم نہیں دی، اور نہ دینی چاہی، ان کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی حیات میں دنیاوی حکومت کے متعلق ہدایات واحکامات تو درکنار خود اپنے جانشین (خلیفہ) کے متعلق بھی کچھ نہیں کہا تھا، شیخ کا بیان ہے کہ قرآن کی اس آیت کا "کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، جس مسئلہ پر خلافت کے سلسلہ میں اس قدر زور دیا جاتا ہے" اس مسئلہ سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے مطابق ہے، کہ قیصر کو وہ دو جو قیصر کا ہے" اسلیے یہ دیکھتے ہوئے کہ آپ خاتم النبیین تھے، اور آپ کے بعد کسی نے کوئی پیغام الٰہی پیش نہیں کیا اور آپ نے مذہبی احکام کے علاوہ کچھ اور نہیں فرمایا، ایک مسلمان کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ کفار ومشرکین میں حکومت کے متعلق جو بہتر چیز ہو اُسے اختیار کرے، اس سے شیخ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو عہد موجودہ کی ترقیون میں مساویانہ حصہ لینے سے کوئی چیز نہیں روکتی اور اسکو واضح طور سے یوں

سمجھے کہ شیخ اپنے ہم مذہبوں کے سامنے اپنے الفاظ میں وہ نظریہ پیش کرنا چاہتے ہیں، جو ترکوں نے ایک حد تک عملاً پیش کرنا شروع کیا ہی،

تاریخ اسلام میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملیں گی جن جن لوگوں نے اپنے عہد کے علماء کی تعلیمات کی سخت تنقید کی ہے، شیخ موصوف انھیں میں سے ایک ہیں، لیکن بعض مخصوص اسباب کی بنا پر انکی تصنیف کا خاص اثر ہو رہا ہے، ان کو مسند تدریس و عدالت سے الگ کر دیا گیا ہی، اس سے بھی کوئی زیادہ اہمیت پیدا نہ ہوتی، مگر جامع الازہر سے ان کو ہٹا کر اس مسئلہ کو ایک سیاسی رنگ دیدیا گیا، دوسرا سبب یہ ہی کہ مسئلہ خلافت کے متعلق ترکوں نے اس منصب کو موقوف کرکے جو حالت پیدا کر دی تھی اس کے بعد ہی یہ کتاب شائع ہوئی،

ہمارا خیال ہے کہ شیخ کے پیرووں کی بڑی جماعت موجود ہے، اگر دنیائے اسلام نے انکی نصیحت پر عمل کیا تو وہ بہت سی الجھنوں سے آزاد ہوجائیگی، ہمارا خیال ہی کہ اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہیے کہ حال ہی میں اسی موضوع پر دو اور کتابیں شائع ہوئی ہیں، ایک سر آرنلڈ کی "خلافت" اور دوسرے پروفیسر گلیوم کی "احادیث فی الاسلام"

اوپر کی سطروں میں ٹائمز نے مسلمانوں کو موجودہ الجھنوں سے نجات پانے کے لیے جو تدبیر بتائی ہی، وہ اصلی حال ہی جسمیں یورپ مسلمانوں کو پھنسانے کے لیے مصروف ہی، دو چیزیں ہیں، ایک اسلام اور اسکے احکام، دوسرا جدید علم و تمدن، اب مسلمان دو فرقوں میں منقسم ہیں، ایک فرقہ قدیم خیال اشخاص کا ہی جو یہ سمجھتا ہی کہ ہر نیا علم، نیا فلسفہ، نیا تمدن مذہب کا دشمن ہی، اسلیے ان سب سے بچنا چاہیئے، دوسرا ہمارا یورپ کی تعلیم و تمدن سے متاثر فرقہ ہے، اس کے نزدیک موجودہ عہد میں ترقی کی صرف ایک ہی صورت ہی جو ایرانی طالب اصلاح تقی زادہ کے الفاظ میں یہ ہی کہ فرنگی مآب شوید یعنی ہم کو ہر رنگ اور ہر طریق سے یورپین ہوجانا چاہیئے، پہلا فرقہ جدید علم و تمدن کے منافع اور ضروریات سے ناواقف ہی، اور دوسرا مذہب سے بیخبر ہی، اور اسی لیے دنیائے اسلام میں یہ ابتری اور یہ کشاکش ہی، علامہ شبلی مرحوم کا نظریہ یہ ہی کہ ہمکو ان دونوں چیزوں سے واقف ہو کر یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ مذہب کے اصلی عناصر اور حقیقی احکام کیا ہیں، انکو قبول کرنا چاہیئے اور جدید علم و تمدن کے خلاف مذہب اور مضر پہلو کیا کیا ہیں، اور ان سے پرہیز کرنا چاہیئے، اور اس طرح حقیقی مذہب اور حقیقی علم و تمدن میں مصالحت ممکن ہی،

اگر پرسی کہ دریں کار چہ تدبیر بود، دین و دنیا ہمہ آمیز کہ اکسیر بود،

اخبارِ علمیہ

باشندگان امریکہ کی ایک نمایاں خصوصیت، امریکن اشخاص کے طرزِ زندگی میں "عجلت" ایک نمایاں خصوصیت ہے، جو انھیں دوسرے ممالک کے باشندوں سے ممتاز کرتی ہے، وہ جس کام میں ہات لگاتے ہیں اسے جلد از جلد اتمام تک پہنچانا چاہتے ہیں، امریکہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا جو ٹھہر ٹھہر کر چلنے کا عادی ہو، اسلیے تمام روئے زمین پر جتنے موٹر کار موجود ہیں امریکہ میں انکی مجموعی تعداد سے کہیں زیادہ پائے جاتے ہیں، انکی عجلت کی یہ انتہا ہے کہ اگر انھیں کسی شہر کی تعمیر کی ضرورت ہو گی تو اوسکی بنا ڈال کر اسے جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچادیں گے، چنانچہ ۱۹۲۳ء کا واقعہ ہے کہ صوبہ واشنگٹن میں ایک نئے شہر کی تعمیر کی رائے قرار پائی، جسے اب لونگ و یو کہتے ہیں، ۱۹۲۵ء بھی نہ آنے پایا تھا کہ صرف دو برس کے اندر شہر کی تعمیر کے بعد سات ہزار آدمی وہاں سکونت پذیر ہو گئے، باشندوں کی دلچسپی کے لیے ایک تھیٹر ہال بھی قائم ہو گیا جس کا مجموعی خرچ پچاس ہزار ڈالر ہے، اور اسی اثنا میں اس شہر کے مکانوں کی تعداد ۴۰۰۰ تک پہنچ گئی، نیز وہاں ایک شش منزلہ ہوٹل کھل گیا، جس میں ۲۰۰۰ اشخاص کے رہنے کی گنجائش ہے، اور ان سب سے زیادہ عجیب و غریب یہ ہے کہ اسی مدت میں وسط شہر میں ایک نہایت خوبصورت باغ بھی لگا دیا گیا، جو شہر کے لیے باعثِ رونق اور باشندوں کے لیے تفریح گاہ ہے،



آواز کا فوٹو، ایجاد و اختراع نے اب ایک قدم اور آگے بڑھایا، پہلے اگر بولنے والوں اور گانے والوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ گراموفون کے ریکارڈ میں مقید کئے جاتے تھے تو اب یہ بھی ممکن ہے کہ ایک جدید اختراع شدہ آلہ سے آواز کا فوٹو بھی اوتار لیا جائے، یہ جدید آلہ ممالک متحدہ امریکہ کی بو دا یونیورسٹی میں ایجاد ہوا ہے، اس آلہ کا سب سے اہم جزو ایک آئینہ ہے جو انسان کی آواز اور اسکی تموج کی حرکتوں کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ

حرکت کرتا ہے، اور اسی آئینہ کی حرکت فوٹوگرافی کے آلہ پر جس میں سینما کے فلم جیسا ایک فلم ہوتا ہے اثر ڈالتی ہے، اور اس طرح اسی فلم پر آواز کے پیچ وخم کا فوٹو کھنچ جاتا ہے،



انگریزی خواتین مردانہ عہدوں پر، انگلستان میں خواتین کی روز افزوں علمی وتعلیمی ترقی روز بروز مردوں سے ان کے عہدے خالی کرا رہی ہے، وہ رفتہ رفتہ ملازمت کے ہر شعبہ میں نظر آنے لگی ہیں، چنانچہ ۱۹۲۲ء میں مسز الیس نے جانوروں کے علاج کرنے کی سارٹیفکٹ حاصل کی اور مسز ولیمز نے اسی سال وکالت کی سند پائی، ۱۹۱۳ء میں مسز کوسمان شہر نورٹلش کی افسر اعلیٰ مقرر ہوئیں، ناظرین کے لیے ذیل کے اعداد وشمار دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے جنمیں انگلستان کی عورتوں کے موجودہ منصبوں کا نقشہ پیش کیا گیا ہے:-

عہدے	تعداد	عہدے	تعداد
شہروں کے افسران اعلیٰ	۶	جج	۸۹۵
میونسپلٹیوں کی ممبر	۲۲۶	میونسپلٹیوں کے اعلیٰ افسروں کی مجلسوں کی ممبر	۷۰
دوسری نیابتی مجلسوں کی ممبر	۱۱۹		



بیس ہزار سال کی ایک قبر، یوگوسلافیہ کے ایک گاؤں بڑڈموسٹ میں مٹی کے برتن بنانے کے لیے ایک کمپنی قائم تھی اس کمپنی نے ایک جگہ ایک قبر کا اکتشاف کیا جو کشتی کے مانند ہے، قبر کو کسی چیز سے بنانے کے بجائے پتھر کی سلوں سے ڈھک دیا گیا تھا، جب پروفیسر البسولون نے اس قبر کی تحقیقات کی تو انھیں اس میں انسانوں کی بیس کھوپڑیاں ملیں جنمیں سے ۱۲ کھوپڑیاں جوان مردوں اور ۸ چھوٹے بچوں کی ہیں،

پروفیسر موصوف کا قیاس ہے کہ یہ بیس ہزار سال کی قبر ہے، انھوں نے اس قبر میں ایک چھوٹی گردن کے نزدیک چھوٹا سا ہار بھی پایا ہے، اس اکتشاف میں سب سے زیادہ عجیب وغریب یہ ہے کہ یہ کھوپڑیاں

ہماری کھوپڑیوں سے چھوٹی نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض ہماری کھوپڑیوں سے بھی بڑی ہیں، اور ان کے دانت ہمارے دانتوں کی بہ نسبت زیادہ قوی اور منھ کے اندر زیادہ گھسے ہوئے ہیں،

تمام عالم میں پٹرول کا خرچ، تمام دنیا میں پٹرول کا خرچ روز افزوں ترقی پر ہے، لیکن اس کا مصرف تمام اطراف عالم میں کسی ایک مقررہ اصول پر مبنی نہیں، کیونکہ ۱۹۱۳ء میں ساری دنیا میں جسقدر پٹرول صرف ہوا، اس کا چوتھائی حصہ صرف یورپ کے حصہ میں ہے، پھر ۱۹۲۰ء میں اسی یورپ میں ۱۹۱۳ء کے تناسب سے پندرہواں حصہ بھی خرچ نہ ہوسکا، ولایات متحدہ امریکہ میں اسکا خرچ سب سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ تمام دنیا میں جس قدر پٹرول صرف ہوتا ہے اس میں ۷۰ فیصدی صرف امریکہ کا حصہ ہے،

ذیل میں ۱۹۲۴ء میں پٹرول کے خرچ کا شمار دیا جاتا ہے جس سے واضح ہوگا کہ تمام اطراف عالم میں پٹرول کے لاکھوں پیپے کا صرف کس تناسب سے ہے:-

ملک	مقدار		
ولایات متحدہ امریکہ	۷۱۸	لاکھ	پیپے
میکسیکو	۱۴۵	"	"
روس	۴۹	"	"
ایران	۳۰	"	"
جزائر ہند مقبوضہ ہالینڈ	۱۵	"	"
رومانیہ	۱۳	"	"
ونزویلا	۸،۲	"	"
پیرو	۵،۳	"	"
ہندوستان	۶،۵	"	"
پولینڈ	۵	"	"
بورنیو	۴،۵	"	"
ارجنٹائن	۳،۵	"	"
دوسرے ممالک	۸،۷	"	"
مجموعہ	۱۰۱۳	لاکھ	پیپے

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ اسلام

از مولوی ابو الجلال صاحب ندوی

جناب مولوی اکبر شاہ صاحب نجیب آبادی سے ناظرین معارف روشناس ہیں، وہ تاریخ سے خاص ذوق رکھتے ہیں، اور اکثر اسی کا مطالعہ رکھتے ہیں، اور اسی کی تحقیقات اور غور و خوض میں وقت صرف کرتے ہیں چنانچہ یہ کتاب بھی انکی اسی ذوق کا نتیجہ ہے،

یہ کتاب چار ابواب پر منقسم ہے، پہلے باب میں عہد رسالت سے پہلے کی عربی تاریخ اور دیگر ممالک کا اخلاقی نقشہ پیش کیا گیا ہے، دوسرے باب میں عہد نبوت، تیسرے باب میں خلافت شیخین، چوتھے باب میں حضرت عثمانؓ، حضرت علی اور خاتم الخلفا امام حسن رضی اللہ عنہم کی امارت تک کے حالات ہیں، ان ابواب کے علاوہ ایک مختصر مقدمہ بھی ہے، جس میں نفس سلطنت کی تاریخ اور جمہوری اور شخصی حکومتوں کے نقصانات اور فوائد سے بحث کیگئی ہے،

اس کتاب کی تالیف میں مؤلف نے کافی محنت اٹھائی ہے، مگر خدا جانے کیوں وہ اپنے مطالعہ کی کتابوں کو پردہ راز میں رکھنا چاہتے ہیں، ساری کتاب میں کہیں بھی اپنے ماخذوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ کسی موقع پر کسی واقعہ کے متعلق کوئی حوالہ دیا ہے، شاہ صاحب کو غور کرنا چاہیئے کہ ان کی اس فروگذاشت کا اثر اس کتاب کے اعتماد پر کیا پڑے گا،

افسوس ہے کہ ہمکو اس کتاب کی ستائش کے ساتھ ساتھ جناب مصنف کی کچھ خردہ گیری بھی کرنی پڑتی ہے،

شاہ صاحب نے مستعرب عربوں کے بیان میں فرمایا ہے کہ،

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مادری زبان عجمی یا فارسی تھی،

کاش شاہ صاحب نے اس عجیب وغریب دعوی پر کوئی سند پیش کی ہوتی تو ہم روایت کے درجہ کے متعلق یقیناً کوئی صحیح رائے قائم کرسکتے، غالباً شاہ صاحب کو غلط فہمی اس لیے ہوئی کہ کسی موقع پر آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی زبان کے متعلق "عجمی" کا لفظ پایا ہوگا اور چونکہ معلوم ہے کہ عرب کے مؤرخین حضرت ابراہیمؑ کا اصلی وطن کوثی، حران، یا پرفرحبد وغیرہ ان مقامات میں بتاتے ہیں جو عہد اسلام سے قبل ایران کے ماتحت تھے اس بنا پر قیاس فرمالیا گیا کہ یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مادری زبان فارسی ہوگی، مگر یہ قیاس قطعاً غلط ہے، کوئی روایت اسکی تائید نہیں کرتی، بلکہ طبقات ابن سعد میں تو صحیح سند کیساتھ حضرت ابن عباسؓ سے مذکور ہے کہ

"حضرت ابراہیم نے جب کوثی سے ہجرت کی تو انکی زبان سریانی تھی، آپ نے جب حران سے فرات کو پار کرلیا تو خدا نے آپ کی زبان بدل دی، اسی عبور فرات کی مناسبت سے اس جدید زبان کا نام (جسکو حضرت ابراہیمؑ نے بعد ہجرت اختیار کیا) عبرانی پڑا، نمرود نے آپ کے پیچھے جن لوگوں کو چھوڑا تھا ان کو حکم دیا تھا کہ جو شخص سریانی بولتا نظر آئے اس کو پکڑ لاؤ، ان لوگوں کی حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی لیکن آپ نے عبری میں گفتگو کی، اسلیے چھوڑ دیا۔"

یہی روایت قرین قیاس بھی ہے، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ یقیناً بنو سام سے ہیں، اور بنو سام کی قدیم ترین زبان کا نام عربوں کی زبان میں "سریانی" ہے، جبتک آپ وطن میں تھے سریانی بولتے تھے وطن چھوڑنے کے بعد آپ نے فرات پار کی زبان اختیار کی، حضرت ابراہیمؑ کا فارسی بولنا کہیں سے ثابت نہیں،

شاہ صاحب نے تاریخ اسلام میں بحیرا راہب کے واقعہ کو بھی درج کیا ہے، حالانکہ ناقدین فن علمائے سیرت نے بدلائل اس کو غلط ثابت کیا ہے، اگر واقعہ شاہ صاحب کی نظر میں صحیح ہے تو اس کے دلائل لکھنا بھی ضروری ہیں، اسی طرح آپنے بغیر حوالہ دوسرے سفر شام میں نسطورا راہب سے حضور صلعم کی ملاقات کا قصہ بھی درج کیا ہے اس قسم کے واقعات کے لیے حوالہ کی جس قدر ضرورت ہوتی ہے ظاہر ہے،

افسوس یہ ہے کہ شاہ صاحب کے انداز بیان نے واقعہ کو اور بھی تعجب انگیز بنا دیا ہو فرماتے ہیں کہ

وہ نسطورا نے آنحضرت صلعم کو دیکھا تو اپنے صومعہ سے بعض کتب سماویہ لے کر آیا۔ ۔ ۔ ۔ کبھی آپ کو دیکھتا کبھی کتب سماویہ کو پڑھتا،

حالانکہ کتب سیر میں جو کچھ منقول ہے وہ یہ ہے کہ راہب نسطورا نے آنحضرت صلعم کے شریک سفر میسرہ سے آپ کے حالات دریافت کئے، اور سب علامات سنکر آخر میں اس نے کہا کہ "اس درخت کے نیچے کبھی کوئی غیر نبی نہیں اترا، یہ شخص یقیناً نبی موعود ہے" ہم کو کوئی ایسی روایت معلوم نہیں جسمیں مذکور ہو کہ راہب نسطورا "کبھی آپ کو دیکھتا کبھی کتب سماویہ کو پڑھتا" بہر حال نسطورا راہب سے ملاقات کا واقعہ بھی محض افسانہ ہے، اس واقعہ کی صحت کا دار و مدار موسیٰ بن شیبہ پر ہے، ابن سعد، واقدی، اور محمد بن اسحاق سب نے اس روایت کو انھی سے لیا ہے، کتب رجال میں انکو ناقابل اعتماد اور منکر الحدیث قرار دیا گیا ہے، موسیٰ بن شیبہ سے پہلے کے رواۃ بھی معروف نہیں، عمیرہ، ام سعد بن الربیع نفیسہ بنت منیہ میں سے کوئی بھی معروف نہیں، ایسی حالت میں روایت کا جو پایہ ہے ظاہر ہے، بفرض یہ سب لوگ ثقہ سہی لیکن نفیسہ نے اس روایت کو حضرت ابوطالب سے بیان کیا ہے، کیا نفیسہ کی ملاقات حضرت ابوطالب سے ممکن بھی ہے ؟

ان خوردہ گیریوں کے باوجود ہم شاہ صاحب کی اس خدمت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، تاریخ اسلام پر ایسی جامع و مفصل کتاب کی ضرورت ہے اور ایسی قسم کی کتابیں اس ضرورت کو پورا کر سکتی ہیں، حصہ دوم کے متعلق ہم مشورہ دینگے کہ اس میں کم از کم اہم واقعات کا ضرور حوالہ دینا چاہئے، اور تنقید واقعات میں دقت نظر سے زیادہ کام لینا چاہئے، اگر ہمارے اس مشورہ پر عمل کیا گیا تو انشاء اللہ اس سلسلہ کی دوسری جلدیں قابل استناد ہونگی، اس کے بعد ہم کو صوفی صاحب سے بھی کچھ عرض کرنا ہے،

یہ کتاب کتابی تقطیع پر ۴۸۰ صفحات میں ہے اور ہر صفحہ ۲۳ سطروں کا مجموعہ ہے، اسکی وجہ سے خط باریک ہو گیا ہے، لکھائی اور چھپائی نہ تو کتاب کی اہمیت کے موافق ہے، نہ صوفی کمپنی کے وقار کے مطابق، تاریخ اسلام شاہ صاحب کی تصانیف میں ایک خاص چیز ہے، اگر مطبع نے ان پر جو ظلم کیا ہے اس سے بہت کچھ کتاب کی قدر و قیمت میں کمی

کردی، ہم صوفی کمپنی کے مالکان سے درخواست کریں گے کہ ہر کتاب کی لکھائی چھپائی اتنی صاف واضح، اور جلی تو ضرور ہونی چاہیئے کہ ہر عمر کا آدمی باسانی پڑھ سکے اور محض طباعت کی خرابی سے قارئین کی طبیعت اکتا نہ جائے، قیمت:- فی جلد ۱۲؁ غیر مجلد سے، صوفی پرنٹنگ کمپنی پنڈی بہاء الدین لاہور سے طلب کیجئے،

آسی،

از عبد السلام صاحب ندوی،

حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی ایک صوفی منش بزرگ تھے، اور زیادہ تر صوفیانہ رنگ کے اشعار کہتے تھے، وہ اگرچہ متاخرین شعراء میں داغ، جلال، اور امیر کی سی عام شہرت حاصل نہ کر سکے، تاہم نواح پورب مثلاً غازیپور، گورکھپور، بنارس اور بلیا وغیرہ میں ان کے کلام نے خاص طور پر ایک عقیدت آمیز شہرت حاصل کی تھی، چنانچہ ان کا دیوان ۱۳۱۰ھ میں گورکھپور سے شائع ہو چکا ہے، اور مولنا سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپوری کے پاس بھی ان کے کلام کا بہترین ذخیرہ موجود ہے جسکی طباعت میں وہ کوشاں ہیں، لیکن مولوی سید یامین صاحب ہاشمی ام لے ال ال بی وکیل غازیپور نے انکی نظموں کا ایک جدید مجموعہ نئے طرز پر مرتب کر کے شائع کیا ہے، جسکا نام آسی ہے، وہ خود معترف ہیں کہ وہ اس ایڈیشن میں آسی کے سوانح پر روشنی نہ ڈال سکے، اسلیے اگر آسی کے بجائے اس کا نام "نظم آسی" ہوتا تو غالباً زیادہ موزوں تھا، بہرحال انھوں نے اس مجموعہ میں سب سے پہلے ایک طویل مقدمہ لکھا ہے، جس میں مختلف عنوانات میں انکی شاعری پر بحث کی ہے، لیکن ان عنوانات میں کسی قسم کا تصنیفی تناسب نہیں پایا جاتا، کیونکہ بعض موقعوں پر نہایت اختصار سے اور بعض موقعوں پر غیر ضروری اطناب سے کام لیا ہے، مثلاً ایک عنوان میں آسی کا انداز بیان یہ بتایا ہے کہ الفاظ تھوڑے لیکن معانی بہت زیادہ، اور اسکی مثال میں صرف دو شعر نقل کئے ہیں، اور اس کے ساتھ یہ بھی تشریح نہیں کی ہے کہ وہ معانی کثیرہ کیا ہیں جو ان تھوڑے سے الفاظ میں آگئے ہیں؛ اس کے بعد تلمیحات کا ایک عنوان قائم کیا ہے، اور تلمیحات کے مختلف اقسام بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ غالب

کو تلمیحات کے استعمال میں کمال تھا اور حضرت آسی بھی اس کا خاص ملکہ رکھتے ہیں، لیکن مثال مین صرف تین شعر نقل کئے ہیں جنمین کوئی نئی تلمیح نہیں ہے، وہی کون اور موسیٰ کا نام حضرت آسی نے بھی لیا ہے جو کتب شاعری کے ایک طفل ابجد خوان کو بھی ازبر ہیں، ایک عنوان موسیقی کا قائم کیا ہے، اور ایک تمہید کے بعد لکھا ہے کہ آسی کے اشعار کسی اور ہی قسم کی موسیقی پیش کرتے ہیں، الفاظ رقصاں ہیں، جملے جھومتے ہیں، لیکن مثال میں ایک خاص بحر کے چند شعر پیش کئے ہیں مثلاً

غمزے ہیں جبیں حسن کے عشق ہے اوس نگار کا　　چوٹ ہے جس میں عشق کی حسن ہے میرے یار کا

لیکن اس قسم کی بحروں میں تمام شعراء نے غزلیں لکھی ہیں، اسلیے اگر اوس میں موسیقیت ہے تو یہ صرف آسی کا بلکہ کسی شاعر کا کمال نہیں ہو سکتا، اگر کمال ہے تو موجد بحر کا ہے،

فطرتی شاعری کے عنوان میں مولانا آسی کو اصلی معنوں میں شاعر تسلیم کیا گیا ہے، لیکن مثال میں صرف دو شعر نقل کئے ہیں، اور یہ نہیں بتایا ہے کہ ان میں کن فطرتی جذبات کا اظہار کیا گیا ہے،

ایک عنوان قائم کیا ہے "حضرت آسی اور تعلیم قرآن" اور اس میں اگرچہ بہت اختصار سے کام نہیں لیا ہے بلکہ متعدد اشعار نقل کئے ہیں جنمیں قرآن کی کسی آیت یا حدیث کے کسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے، لیکن حضرت آسی ہی کی تخصیص نہین، بلکہ اردو کے بہت سے شعراء کے کلام میں اس قسم کی مثالیں بلسکتی ہیں، انھون نے تلمیحات کے عنوان میں تلمیح کی ایک قسم یہ کی ہے کہ "وہ جنکا تعلق مذہبی عقائد اور قصص کے ساتھ ہے" اسلیے اگر ان اشعار کو مذہبی تلمیحات کی مثال میں درج کرتے تو بہتر ہوتا، اور آسی کی تلمیحات اردو کے عام شعراء سے ممتاز ہو جاتیں،

ان عنوانات کے بعد فلسفۂ تصوف کے عنوان سے تصوف کی تاریخ پر ایک طویل بحث کی ہے، اور اگرچہ اونکے دل میں یہ طوالت بیانی خود کھٹکی ہے، چنانچہ خود لکھتے ہیں کہ:۔

ممکن ہے کہ ایک معترض اس طویل تمہید کو دیکھ کر مجھے ایک متحذلق کہہ بیٹھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ تو میرا مطلب اظہار علمیت ہے اور نہ اعلان قابلیت (بلکہ) میرا ارادہ ہے کہ میں (انشاء اللہ)

آیندہ صفحات میں تصوف کے تمام مراحل و لطائف کا ذکر مولانا آسی کی شاعری کے سلسلہ میں کرون

اس کے بعد مولانا آسی کی صوفیانہ شاعری سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ میر درد، آتش، ناسخ، غالب و ذوق سب کے کلام میں تصوف کی اصطلاحات موجود ہیں، لیکن ان مصطلحات کا استعمال صرف اس وجہ سے تھا کہ بغیر چاشنی تصوف جذبات کا اظہار ممکن نہ تھا، لیکن ان میں آتش و ناسخ تو شیعہ ہیں جو انھیں کے الفاظ میں" بوجہ عقیدت مذہبی تصوف کے منکر ہیں" ذوق کا کلام بھی تصوف کے آب و رنگ سے خالی ہے، لیکن اون کے علاوہ تمام شعرا ولی کا کلام نکات تصوف سے لبریز ہے، درد کی نسبت تو کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا، اور خود انھوں نے آسی کی طرح غالب کا شعار شاعری ہی تصوف کو قرار دیا ہے،

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو بنتی نہیں ہے شیشہ و ساغر کہے بغیر

میر اگرچہ اپنے تغزل میں مشہور ہیں، لیکن ان کے کلام میں بھی تصوف کے مسائل بکثرت ملتے ہیں، انھوں نے آسی کے کلام سے جو صوفیانہ مثالیں پیش کی ہیں وہ بھی ایسی نہیں جو اور شعرا کے کلام میں نہ مل سکیں، اس کے علاوہ تمہید میں تصوف کے جو تاریخی سلسلے اور ان کے مسائل بیان کئے ہیں، کلام آسی سے ان کے مطابق اشعار بھی نقل کئے ہیں بعض مثالیں ممثل لہ سے مطابق بھی نہیں، مثلاً ان اشعار کو تزکیہ نفس سے کیا تعلق ہے؟

صلاحیت بھی تو پیدا کر اے دل ناداں پڑے ہیں نقش کف پائے یار پتھر پر

اگر یہ دل کو چاہو تم کہ منزل گاہ دلبر ہو توجہ ہو غیر تم ہو تا کہ غیر اس گھر کے باہر ہو

مولانا آسی کی اخلاقی شاعری کے سلسلے میں بھی ایک طویل تاریخی تمہید لکھی ہے لیکن اون کے کلام سے جو اخلاقی اشعار انتخاب کئے ہیں، وہ بھی وہی اردو شاعری کے عام عنوانات ہیں مثلاً توکل اور دنیا کی بے ثباتی وغیرہ، بہرحال شعر العجم حصہ پنجم کو سامنے رکھکر انھوں نے آسی کے کلام پر نظر ڈالی ہے، لیکن وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اردو شاعری کی تاریخ نہیں لکھتے بلکہ کلام آسی پر ریویو لکھتے ہیں، اسلئے اس قسم کے تاریخی مباحث اس مقدمہ میں غیر ضروری اور متجاوز عن الحد تھے،

ان تمام مراحل کے بعد خاص خاص عنوانات کے نیچے آسی کے بہ کثرت اشعار جمع کئے ہیں جنسے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام اشعار کو اسی عنوان سے تعلق ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ متعدد مختلف المضامین اشعار میں سے کسی شعر کے ایک ٹکڑے کو لیکر موجودہ اخباری طرز پر عنوان بنالیا گیا ہے، مثلاً،

خوشبو وہی رنگت وہی مستی بھی اوسی کی　　　　کیسے میں بھی دورِ مئے میخانۂ دل تھا،

اس سے ایک عنوان قائم کیا ہے "میخانۂ دل" لیکن اس کے بعد جو اشعار ہیں انکو مئے و میخانہ سے کوئی تعلق نہیں، ایک عنوان قائم کیا ہے "طراز گنج اسرار" اور اس سلسلہ میں بہت سے اشعار نقل کئے ہیں، جن میں صرف ایک شعر میں یہ ترکیب آئی ہے،

نہ جانا کچھ طراز گنج اسرار　　　　امانت دار تھا جاہل ہمارا

بہرحال اگر وہ اس طوالت بیانی کو چھوڑ کر مختلف عنوانات سے مثلاً تصوف، اخلاق اور فلسفہ کے نیچے آسی کے تمام صوفیانہ، فلسفیانہ اور اخلاقی اشعار جمع کر دیتے تو زیادہ کامیاب ہوتے،

یہ گفتگو تو اس مقدمہ کے متعلق تھی، لیکن آسی کا کلام اس سلسلے سے الگ ہے، اور وہ ایک مفصل تنقید کا محتاج ہے، اسلیے ساتھ ساتھ ہم اس فرض کو بھی ادا کرتے ہیں، اردو شاعری میں اخلاق و تصوف کا جو ذخیرہ ہے، اسکی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جس میں صرف اخلاق و تصوف ہی ہے، شاعری نہیں، شاہ نیاز بریلوی وغیرہ کا کلام اسی قسم کا ہے، دوسرے یہ کہ عاشقانہ غزلوں میں جابجا صوفیانہ اشعار بھی آجاتے ہیں، شعرائے دہلی کا یہی طرز ہے اور یہ طرز انھوں نے متاخرین شعرائے فارسی سے سیکھی ہے، لیکن آسی کے کلام کو ان سب پر مزیت یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر اخلاق و تصوف کا حصہ پایا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ شاعرانہ حسن ادا کا سررشتہ بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا، مثلاً ایک غزل کے متعدد اشعار میں مسئلہ وحدت الوجود کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

قطرے میں کچھ نہیں پانی کے سوا کیا کہیے　　　　بات کہنے کی نہیں ہے بجز ا کیا کہیے

ایک ہستی کے سوا کچھ بھی نہ جانا ہم نے　　　　اسے نکیرین پھر اور اس کے سوا کیا کہیے

ہم کہاں ہم تو ہیں معدوم مگر ہے کوئی کہدیں کچھ صاف تو ہوتے ہو خفا کیا کہیے

لالہ و گل میں اوسی رشکِ چمن کی ہے بہار باغ میں کون ہے اے بادِ صبا کیا کہیے

ایک اور غزل میں بھی اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں،

حجابِ گنجِ مخفی میں نہاں تھے الٰہی ہم کہاں آئے کہاں تھے؟

بہارِ باغِ ہستی تھی ہمیں سے، نظر سے گو برنگ بو نہاں تھے

نہ تھا معشوق جس میں غیر عاشق عجب خلوت تھی وہ بھی ہم جہاں تھے

اوٹھے ہم اوٹھ گیا پردہ دوئی کا ہمارے اوس کے بس ہم درمیاں تھے

اسی طرح اون کی غزلیں عرفان و تصوف میں ہیں، بعض غزلوں میں ایک ہی قسم کے خیالات ظاہر کئے گئے ہیں، اور بعض میں تصوف کے مختلف مسائل کا بیان ہے، ان غزلوں میں جو اشعار عاشقانہ ہیں وہ بھی نہایت متین، سنجیدہ، اور پر درد ہیں، اور یہ متانت و تہذیب بھی اسی ذوقِ تصوف کا نتیجہ ہے مثلاً

لذت اک گونہ چاہیئے مجھ کو کیا وہ دل بھی دکھا نہیں سکتے؟

اون کو دعوائے یوسفی آسی خواب میں بھی جو آ نہیں سکتے

جز ہم زباں نہ کوئی ملا قدرداں مجھے آنکھیں کسی کی کہتی ہیں جادو بیاں مجھے

آغوش میں بھی چاند سی صورت ضرور ہے رفعت اگر ملی صفت آسماں مجھے

وہ کیوں سہیں حسن کا تقاضا یہی نہ ہے کچھ حجاب میرا نقاب اُلٹیں وہ بے تکلف کہ مجھ میں تابِ نظر نہیں ہے

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان اشعار میں بھی صوفیانہ اشارے نکلتے ہیں مثلاً

اے دُرخوشِ آب دریائے وجود ہجر میں دل ماہیِ بیتاب ہے،

دیکھیے حوریں دکھائی جاتی ہیں، امتحانِ عاشقِ بیتاب ہے

میری آنکھیں اور جلوہ آپ کا یا قیامت آگئی یا خواب ہے

اس بنا پر اون کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے،

اگر بیان حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ — تو شعر لغو ہے آسی کلام ناکارہ،

الفاظ کی تراش خراش اون کے یہاں کم پائی جاتی ہے، البتہ بعض الفاظ میں انھوں نے تصرفات کئے ہیں، مثلا خواجہ حافظ نے "می مرد افگن" کی نئی ترکیب پیدا کی تھی، اونھوں نے تصرف کرکے اسکو موسیٰ فگن، موسیٰ فگن، عاشق فگن کر دیا،

استعارہ و تشبیہ بھی اون کے یہاں کم ہیں لیکن جو ہیں وہ نہایت لطیف ہیں مثلاً

کوئے محبوب سے کوئی بھی نکل سکتا ہے — اپنے اوہام ہوئے وادی غربت مجھ کو

دل پیر مغاں میں چاہیئے اے دل ترا گھر ہو — وہ ہے مے نوش جو نور نگاہ چشم ساغر ہو

خرام ناز بھی سر جوش برق طور ہے شاید — کسی کا نقش پا جام مئے موسیٰ فگن کیوں ہو

اخلاقی مسائل میں وہ زیادہ تر تمثیل سے کام لیتے ہیں اور یہ وہی صائب و غنی کا طریقہ ہے جسکی تقلید ناسخ و شاہ نصیر نے کی تھی،

پیرایا حق وہ تھا جاتا رہا جو ہاتھ سے تیرے، — یہاں آسیا ناحق کف افسوس ملتا ہے،

یہاں شمع آخر آپ رہ جاتا ہے جل بھنکر — کہیں آتش زبانی سے کسی کا کام چلتا ہے،

لیکن اس طرز میں انھوں نے کوئی جدت اور وسعت نہیں پیدا کی ہے،

متانت، سنجیدگی اور ذوق تصوف نے اگرچہ ان کے کلام کو شعرائے لکھنو کی طرز سے الگ کر دیا ہے، تاہم کہیں کہیں لکھنویت بھی پائی جاتی ہے، مثلاً

جوانی گو نہیں پر ناتوانی ہے ضعیفی کی، — ملے جو کوئی چکنی وضع پائے دل سنبھلتا ہے،

درخت بارور کی طرح پتھر روز کھاتا ہوں — جنون نخل قد یار مجھکو خوب پھلتا ہے،

ان انکھوں کی قسم کچھ گرمی دل کم نہیں ہوتی — خیال جنبش مژگاں اگر پنکھا بھی جھلتا ہے،

بہرحال وہ متاخرین کے دور میں ایک ایسے شاعر تھے جو بعض حیثیتوں سے شعرائے دلی و لکھنو میں داخل اور بعض حیثیتوں سے ان سے الگ تھے، اور نواح پورب انکی ذات پر فخر کر سکتا ہے،

مطبوعات جدیدہ

جلال الدین خوارزم شاہ، ساتویں صدی ہجری میں دولت خوارزمیہ اپنے اوج کمال پر تھی کہ یکایک تاتاری سیلاب اُمنڈ آیا، اور علاء الدین خوارزم شاہ کی ان تھک مدافعتوں کے باوجود چنگیزیوں کا اکثر حصۂ ملک پر قبضہ ہوگیا، یہانتک کہ علاء الدین نے دشمنوں سے منھ موڑ کر دنیا سے ہمیشہ کے لیے منھ چھپا لیا، اوسکے بعد زمام سلطنت جلال الدین خوارزم کے ہاتھ میں آئی اسکی رگوں میں حمایت اسلامی جوش زن تھی، وہ تازہ دم ہوکر اٹھا، اور دشمنوں سے خوب خوب معرکہ آرا ہوا، کہ یکایک خاندان شاہی میں نفاق و شقاق کی وبا پھیلی اور علاء الدین کے دو اور لڑکوں نے مختلف حصۂ ملک میں جداگانہ حکومتیں قائم کرلیں، اس سے جلال الدین کی قوت منتشر ہوگئی اور باوجود اسکی سعی پیہم کے تاتاری سیلاب ملک میں روز بروز بڑھتا گیا اور بالآخر اس نے پورے ملک پر چھاکر حکومت خوارزمیہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا، زیر تبصرہ کتاب میں یہی واقعات" ترکی زبان کے ایک سب سے مشہور ادیب نامق کمال بک نے ڈرامہ کے طرز میں بیان کیے ہیں، ڈرامہ، جوش جہاد حمیت اسلامی اور حب وطن کے جذبات سے لبریز ہے، اور اردو زبان کے مشہور ادیب جناب سید سجاد حیدر صاحب رجسٹرار مسلم یونیورسٹی کے اردو ترجمہ نے زبان کی لطافت اور طرز نگارش میں اور زیادہ پاکیزگی پیدا کردی ہے، سید صاحب کا یہ تحفہ ملک کو مدت کے بعد ملا ہے، مگر گرانقدر ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۳۰۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۱۲ منیجر مسلم یونیورسٹی بکڈپو علی گڈھ سے طلب کیجائے،

ترکی زبان، مملکت ترکیہ میں قیام جمہوریہ ملیہ کے بعد سے ترکوں کو اپنی زبان سے غیر معمولی شغف ہوگیا ہے اور اب مملکت ترکیہ میں تقریبًا تمام لٹریچر ترکی زبان میں شایع ہوتا ہے، اسلیے تحریک اتحاد اسلامی کے سلسلہ

میں ترکوں سے تعلقات قائم کرنے اور ان کے حالات سے واقفیت تامہ حاصل کرنے کے لیے اب ترکی زبان کی تحصیل ضروری ہوگئی ہے، اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر مولوی علی بہادر خانصاحب سابق اڈیٹر خلافت نے یہ رسالہ لکھا ہے، جس میں سب سے پہلے ترکی کے حروف تہجی اور ان کا تلفظ بتایا گیا ہے، پھر باب دوم سے ششم تک "اسم" کے مختلف قسموں کا بیان ہے، باب ہفتم میں "فعل" کی تقسیم کرکے ہر ایک کی جداجدا تشریح کیگئی ہے، پھر "حروف" کا بیان ہے، اس کے بعد ۲۸ صفحوں میں خالص ترکی الفاظ بہ ترتیب حروف تہجی جمع کئے گئے ہیں، اور ایک تعلیق (نوٹ) میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں حتی الامکان ترکی کے تمام خالص الفاظ جمع کردیئے گئے ہیں اور اُن کے علاوہ ترکی میں جو الفاظ رائج ہیں، وہ عربی اور فارسی کے ہیں، آخر میں چند ضمیمے ہیں، پہلے ضمیمہ میں "حروف" کا بیان ہے، دوسرے میں چند ایسے فقرے جمع کئے گئے ہیں جو روزمرہ استعمال کئے جاتے ہیں، اور تیسرے ضمیمہ میں اخباری زبان کے چند نمونے ہیں اور سب سے آخر چوتھے ضمیمہ میں ترکی طرز تحریر پر ایک مختصر تعلیق لکھنے کے بعد نمونۃً مصطفےٰ کمال پاشا کا ایک خط درج کیا گیا ہے جو مرکزی خلافت بمبئی کے نام آیا تھا، اردو میں ترکی زبان کے متعلق پیشتر جو ایک دو کتابیں لکھی گئی ہیں، غالباً ان سے یہ زیادہ بہتر ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۰۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، قیمت عہ، منیجر اخبار اتحاد بمبئی نمبر ۳ سے طلب کیجائے،

عقائد محمدی، امام متبوع حضرت احمد بن محمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے ایک مختصر رسالہ "عقیدہ اہل السنۃ" میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی تفصیل اور دوسرے فرق اسلامیہ مثلاً مرجیہ، قدریہ اور معتزلہ وغیرہ کے اصول عقائد بیان کرکے انکی تردید کی تھی، مولوی محمد بن ابراہیم صاحب جوناگڈھی نے امام صاحب کے اس رسالہ کو مع ترجمہ کے "عقائد محمدی" کے نام سے شائع کیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، حجم مع متن ۴۲ صفحے لکھائی چھپائی اچھی ہے لیکن کاغذ نہایت معمولی لگایا گیا ہے، قیمت ۴، پتہ مولوی محمد بن ابراہیم صاحب مدرس مدرسہ محمدیہ اجمیری دروازہ دہلی،

جواہرات، جناب سراج الدین احمد صاحب نظامی نے بچوں کے لیے چند دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں لکھکر "جواہرات" کے نام سے شائع کیا ہے، زبان عام فہم اور بچوں کے لائق ہے، لکھائی چھپائی بھی بچوں کی مناسبت سے

عمدہ ہے، آخر کے چھ صفحوں میں رسالہ کے مشکل الفاظ جمع کرکے انکی تشریح کیگئی ہے حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۶ صفحے، قیمت ۵ر پتہ:- شیخ غلام علی صاحب تاجر کتب کشمیری بازار لاہور،

گوتم بدھ، قرآن مجید کی آیت "ما من امة الا خلا فیھا نذیر" کو پیش نظر رکھکر مہاتما گوتم بدھ کا "مصلحین اُمّت" میں ہونے کا نظریہ اب ایک حد تک مانوس ہوتا جاتا ہے، منشی امیر احمد صاحب علوی بی اے نے اسی مطمح نظر کے ساتھ زیر تبصرہ رسالہ میں مہاتما کے سوانح حیات اور انکی تعلیمات کا خلاصہ درج کیا ہے، شاید اردو میں کسی مسلمان کے قلم سے یہ مضمون پہلی دفعہ ادا ہوا ہے، ضخامت ۳۲ صفحے، کتابت و طباعت متوسط اور کاغذ معمولی ہے، قیمت ۴ر دفتر الناظر بک ایجنسی چوک لکھنؤ سے ملسکتی ہے،

قاعدہ تیسیر القرآن، مولوی ابو الفیض محمد سلیمان صاحب بی اے نے ابتدائی قاعدے "قاعدہ بغدادی" میں نہایت حسن و خوبی سے ضروری ترمیم کرکے یہ رسالہ شائع کیا ہے، رسالہ میں ۲۱ اسباق ہیں اور سبق کی ابتدا میں تعلیقاً علیحدہ علیحدہ اصول تعلیم بتائے گئے ہیں، امید ہے کہ غالباً بچوں کے لیے یہ رسالہ مفید ہوگا، حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۸ صفحے لکھائی چھپائی بچوں کے پڑھنے کے لائق اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۲ر پتہ:- مکتبہ الفیض چوک فرید امرتسر پنجاب،

عام فہم تفسیر پارہ الم، خواجہ حسن نظامی صاحب نے اردو کی متعدد تفسیروں کو پیش نظر رکھ کر عام فہم زبان میں "عام فہم تفسیر" لکھنی شروع کی ہے، اس تفسیر کا پہلا پارہ الم شائع ہوا ہے، اس میں ہر آیت کریمہ علیحدہ علیحدہ جلی حروف میں لکھی گئی ہے، اسکے نیچے تحت اللفظ ترجمہ ہے، پھر اس ترجمہ کے مطالب عام فہم زبان میں بیان کئے گئے ہیں، اس تفسیر کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ آخر میں "عملیات" کا ایک باب باندھا گیا ہے، اس کے ذیل میں سورہ الحمد اور آیت الٓم کے متعلق صوفیہ کے چند بتائے ہوئے عمل اور ان کے کرنے کے طریقے لکھے گئے ہیں جو سینہ بہ سینہ خواجہ صاحب تک بسلسلۂ روایت پہنچے ہیں اور حضرت خواجہ صاحب نے اپنی کمال فیاضی سے "میں اجازت دیتا ہوں" کے الفاظ کے ساتھ وقف عام کر دیا ہے، ضخامت ۸۰ صفحے لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ متوسط ہے، ہدیہ ۸ر پتہ:- حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی،

مجلد ہفدہم | ماہ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۲۶ء | عدد دوم

مضامین

شذرات

فروری کا یہ پرچہ ذرا تاخیر سے شائع ہوتا ہے جسکی ایک وجہ تو فروری کے مہینہ کی طبعی چھوٹائی ہے، لیکن اصلی وجہ کاتب کی علالت اور اڈیٹر کی خانگی پریشانی ہے، اچھا ہے اگر اڈیٹر کی پریشانیون مین ناظرین کی بھی کسی نوع کی شرکت ہو جائے، خواہ وہ پرچہ کے بروقت نہ پہنچنے ہی کی ہو،



مسلم یونیورسٹی کے بعض ارکان کی کوشش ہے کہ یونیورسٹی مین علوم مشرقیہ کا بھی ایک صیغہ قائم ہو، کیونکہ مسلم یونیورسٹی کے لیے جب روپیہ فراہم کیا جارہا تھا تو مسلمانون کو اسکی توقع دلائی گئی تھی، اسلیے اب اس وعدہ کے وفا کرنے کے دن آگئے ہین، چنانچہ اسی غرض سے منتظمین یونیورسٹی کی دعوت پر چند چند ایسے علما جو جدید ضروریات سے آگاہ، اور نصابہائے تعلیم اور درسگاہون کا تجربہ رکھتے تھے، علی گڈہ مین جمع ہوئے، اور متواتر سات اجلاسون میں جو ۱۱ فروری سے ۱۶ فروری تک منعقد ہوتے رہے، مسئلہ کے تمام پہلوؤن کو سمجھا، اور اسکے لیے ایک نقشۂ عمل اور ایک نصاب میٹرک سے ایم اے تک کا تیار کر کے یونیورسٹی کے سامنے پیش کر دیا،



اس مجلس کے ارکان حسب ذیل اصحاب تھے، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی، مولانا سلیمان اشرف صاحب صدر علوم مشرقیہ مسلم یونیورسٹی، مولانا مناظر احسن صاحب استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا امجد علی صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر، اور خاکسار، مولانا عبد العزیز صاحب میمن راجکوٹی استاذ ادبیات عربی مسلم یونیورسٹی نے بھی خاص خاص موقعون پر شرکت کی، علوم مشرقیہ

کو تین حصون مین منقسم کیا گیا ہے، عقلیات، دینیات اور ادبیات، اور ہر ایک کا علحدہ علحدہ نصاب ترتیب دیا گیا ہے جو ایف اے کے پہلے سال سے ایم اے تک ختم ہو جائے گا، ہمارا کام ختم ہوگیا، اب نہین کہا جا سکتا کہ منتظین وارکانِ یونیورسٹی اسکو رد کرینگے یا قبول کرین گے، ہندو یونیورسٹی نے اپنے ہان سنسکرت لازمی کردی ہے، اور ہمکو ابھی رد و قبول میں پس و پیش ہو رہا ہے،

چند برسون سے گورنمنٹ نے دیسی طریقۂ علاج کی ترقی و حفاظت کی طرف توجہ کی ہے، بہار مین ایک طبی کلاس مدرسہ شمس الہدیٰ کے ساتھ قائم ہوئی ہے، حتیٰ کہ مدراس مین طب کا ایک سرکاری مدرسہ کھولا گیا ہے اور پنجاب مین اورینٹل کالج کے ساتھ مدت سے طبی شاخ قائم ہے، اب ہمارے صوبہ نے بھی ادھر توجہ کی ہے، یوپی گورنمنٹ نے چند حکیمون اور بیدون کی کمیٹیان بنادی تھین، جو اس معاملہ پر غور کر رہی تھین، آخر یہ طے ہوا کہ اس صوبہ مین ایک طب اور ایک بید کا کالج کھولا جائے اور گورنمنٹ اس کے ابتدائی مراحل کے لیے تین لاکھ یک مشت، اور ۵ ہزار سالانہ دیگی،

بحث یہ پیش آئی کہ یہ کالج کہان کھولے جائین، ہندؤن نے اپنے لیے بالاتفاق بنارس کو پسند کیا اور طے ہوا کہ ہندو یونیورسٹی کی ماتحتی مین یہ قائم ہو، مسلمان حکیمون مین مقام کی تعیین مین اختلافات پیش آئے، لکھنؤ مین اسوقت طب کی متعدد چھوٹی بڑی درسگاہین ہین، جنمین خاص امتیاز تکمیل الطب (جھوائی ٹولہ لکھنؤ) کو ہے، اسلیے بعض صاحبون کی یہ رائے ہوئی کہ اسی مدرسہ کو مدد دیکر اسکو اس صوبہ کا طبی کالج بنا دیا جائے، مگر یہ تجویز بعض خاص وجوہ سے اتفاق عام حاصل نہ کر سکی، لکھنؤ مین شاہانِ اودھ کے ایک وقف سے ایک شاہی یونانی شفاخانہ اور ایک شاہی ڈاکٹری کا اسپتال ہے، دوسری تجویز یہ تھی کہ اسی شاہی یونانی شفاخانہ اور شاہی ڈاکٹری اسپتال کو طبی کالج کی صورت مین تبدیل کر دیا جائے،

مگر جائے کہ طب یونانی نئے تعلیم یافتہ اشخاص کی نظر مین خواہ وہ کسی قدر غیر ضروری، غیر علمی (اَن سائنٹفک) ہو مگر یہان تو علی گڈہ اور بنارس کا تقابل ہے، سنا ہے کہ اب یہ تجویز پیش ہے کہ یہ طبی کالج مسلم یونیورسٹی کے تحت مین علی گڈہ مین قائم کیا جائے، چنانچہ یونیورسٹی کے ارکان خاص نے بسرعت تمام اس کا اعلان بھی کر دیا ہے، ہم مسلم یونیورسٹی کی جامعیت کی خاطر اس تجویز کی خواہ تائید بھی کر دین مگر لکھنؤ اور طب کی مناسبت کو علی گڈہ کی زمین مین کیسے یقین کر لین،

ندوۃ العلماء کے اجلاس انبالہ مین لڑکیون کو حقِ وراثت دلانے کی جو تجویز منظور ہوئی تھی شکر ہے کہ جا بجا ملک مین اوسکی تائیدین بھی ہو رہی ہین، حمایت اسلام لاہور نے اپنے اجلاس سالانہ مین یہ قرار داد منظور کی، اب جمعیۃ العلماء اپنے اجلاس کلکتہ مین اس پر غور کرے گی، پونہ کے ایک صاحبِ فہم سیٹھ نے اس بارہ مین بڑی کوششین کی ہین، اور انھون نے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ کچھی میمن برادری کے آدھے آدمیون نے قانونِ اسلامی کو قبول کر لیا ہے، اور باقی آدھے آدمیون مین بھی کام ہو رہا ہے، اللہ تعالی پنجاب اور بمبئی کے مسلمانون کو اس بارہ مین قبول حق کی توفیق عطا فرمائے،

بعض نادان ہندو اصحابِ قلم مسلمانون کو طعنہ دیتے ہین کہ مسلمانون نے ہندؤن پر صدہا سال حکومت کی، اور اس کا خاتمہ بھی ہو گیا، مگر انھون نے اپنی ہندو رعایا کے لٹریچر سے واقفیت حاصل نہ کی، اس لغو اعتراض کا جواب بارہا دیا گیا، اور دکھایا گیا کہ مسلمانون نے ہندؤن کے علوم وفنون و ادبیات مین کس درجہ ترقی کی تھی، تمھین معلوم نہین تو یہ اپنی جہالت ہے دوسرون کی نہیں،

مگر اب ایسا موقع آیا ہے کہ اس سوال کو الٹ دیا جائے، مسلمان ایک ہزار برس سے ہندؤن کے

ساتھ رہ سہ رہے ہین، ان کے تمام مراسم وعبادات انکی آنکھون کے سامنے انجام پاتی ہیں، ان کے پیغمبرون اور بزرگون کی سوانحعمریان اردو مین موجود ہین، ان کے مذہب اسلام کی نسبت ہر قسم کے معلومات سامنے ہین، تاہم ہمارے جدید تعلیم یافتہ ہندؤن کو مسلمانون کی نسبت کوئی مذہبی واقفیت نہین ہے، حتی کہ اسلام کی سب سے بڑی شخصیت محمد رسول اللہ صلعم کے متعلق بھی اونکی اطلاع ملکی ذریعہ سے نہین بلکہ غیر ملکی ذرائع سے ہے، دوستون کی زبان سے نہین دشمنون کی زبان سے ہے،

سنا ہوگا کہ ناگپور مین مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کی تالیف واشاعت کا کام ایک مدت سے جاری ہے، ابھی حال مین اوسکی سولھوین جلد شائع ہوئی ہے، ان سولہ جلدون مین اسلام، اسلامی تمدن، اور اسلامی تاریخ کے متعلق بھی بہت کچھ ہے مگر جو کچھ ہے وہ سب یورپین مستشرقین اور کرسچین مشنریز کے خیالات کا عکس ہے، اپنی گرہ کی کوئی چیز نہین ہے، اغلاط کا ایک انبار خانہ ہے۔ کیا مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے مرتب کرنے والون کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ ان مضامین کے لیے بعض مسلمان مرہٹی اہل قلم کی عنایتین حاصل کرین، ہندوستان مین رہکر اور ہندوستان کے ایک عظیم الشان مذہب اور ایک چوتھائی آبادی کے مذہب وتاریخ سے ناواقفیت کس درجہ قابلِ افسوس ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ایک پارہ (پیرا) کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ہمارے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو دوست مسلمانون کی تاریخ اور انکے پیغمبر کی سیرت سے کس درجہ واقفیت رکھتے ہین،

"سیرۃ ابن اسحاق مین محمدؐ کا جو حال لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا چال چلن بہت خراب تھا، اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے وہ جو تجویز چاہتا تھا اسکو عمل مین لانے

کے لیے کبھی پس و پیش نہین کرتا تھا، نیک نیتی کو بالا ئے طاق رکھنے کے لیے اپنے پیرودون کو اجازت دے رکھی تھی، بیفکری کے ساتھ جس طرح چاہا خون اور قتل کرایا، مدینہ مین اس کا ظالمانہ عمل دیکھا جائے تو وہ نرا ڈاکو ون کا ایک سراوار دکھائی دیتا ہے، اسلیے کہ فن معاشیات کا علم اسکو اسی قدر تھا کہ لوٹ مار کرکے جو مال جمع ہوا اسکو اپنے پیرودون مین تقسیم کردے، بلکہ اس کے پیرودن کو یہ بھی شکایت تھی کہ مال غنیمت کی تقسیم مین وہ بہت طرفداری اور ناانصافی کرتا ہے، وہ خود حد سے زیادہ عیش پرست تھا، اور اپنے پیرودون کے لیے بھی عیش پرستی مباح کررکھی تھی اس پر بھی جو کام وہ کرتا تھا، وہ کہتا تھا کہ مین وہ سب خدا کے حکم سے کرتا ہون، اپنی حکومت کے فائدہ کے لیے کسی اصول کے پامال کرنے مین اوسکو ذرا بھی مضایقہ نہین ہوتا تھا"

"مذکورۂ بالا عبارت محمدؐ کے کسی دشمن کے قلم سے نہین نکلی ہے، بلکہ اس کے ایک پیرو نے تحریر کی ہے، اور اسکو رد کرنے کی کسی مسلمان مصنف نے کوشش نہین کی"

یہ مذکورۂ بالا تحریر جو مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ایک پارہ کا لفظی ترجمہ ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہموطنون کی اسلامی واقفیت کا آئینہ ہے، ابن اسحاق کی کتاب مین جواب بصورت سیرۃ ابن ہشام موجود ہے، یہ پارہ کہین ملجائے تو ہم مصنفین مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کو بشارت دینگے کہ انھون نے اسلام کی شکست کے لیے سب سے کامیاب ہتھیار استعمال کیا ہے، سیواجی کے پرستارون کو لازم نہین کہ اپنی علمی تحریرون مین "ڈاکو" کا لفظ استعمال کرین، کیا یہ علمی تحقیق ہوگی کہ اپنے پڑوسیون کے مذہب اور بزرگون کی نسبت سات سمندر پار کی عیسائی مشنریون کی متعصبانہ تحریرون کو ماخذ اور سند قرار دیا جائے، مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ان فقرون کا مرہٹی سمجھنے والے مسلمانون کے دلون پر کتنا صدمہ ہوگا، کوئی اس کا اندازہ کرسکتا ہے؟ کیا مسلمانون نے رام جی، سیتاجی، کرشن جی وغیرہ ہندو بزرگون کی نسبت اپنی کسی علمی وسنجیدہ

تحریر مین اس قسم کے سوقیانہ اور نفرت انگیز الفاظ کبھی استعمال کئے ہین ،



جامعۂ ترکیہ قسطنطنیہ مین علم اقوام اسلامیہ کا ایک نیا فن اضافہ کیا گیا ہے جسمین مسلمان قومون کے نسبی و قومی امتیازات، انکی تاریخ ارتقاء و تنزل اور موجودہ حالات و اسباب سے بحث کیجائیگی، ان مسائل پر خطبہ دینے کے لیے مشہور ترکی صاحب قلم خلیل خالد آفندی کا انتخاب ہوا ہے، ہمارے دوست سید سجاد حیدر صاحب رجسٹرار مسلم یونیورسٹی جو ترکی زبان کی مہارت اور ٹرکی کے سفر کے باعث ترکون مین روشناس ہین، ان کے پاس خلیل خالد آفندی کا ایک خط بدین مضمون آیا ہے کہ وہ ان خطبات کی تیاری مین فضلائے ہند کے خیالات سے مستفید کرین، چنانچہ اس سلسلہ مین ڈاکٹر اقبال نے اپنے خیال کے مطابق ایک مفصل خاکہ لکھکر بھیجا ہے، جسمین اقوام اسلامیہ کے متعلق ہر قسم کے مباحث کا احتوا کیا گیا ہے، امید ہے کہ یہ سلسلہ آیندہ چلکر کوئی دلچسپ و کار آمد چیز بن جائے، اور اقوام اسلامیہ کی وحدت کی اس سے کوئی راہ نکل سکے ،



جناب سید سجاد حیدر صاحب کے پاس ٹرکی سے جو نئی ترکی تالیفات آئی ہین ان سے ظاہر ہوتا ہے :

جامعۂ ترکیہ مین الٰہیات و دینیات کا خاص شعبہ (فیکلٹی) قائم کیا گیا ہے اس شعبہ کی طرف سے ایک ماہوار علمی رسالہ شائع ہو رہا ہے، جو رسالہ میری نظر سے گذرا اوسمین ایک دلچسپ مضمون امام غزالی اور سلطان سلجوقی پر تھا، اور اس مین امام کا ایک نصیحت آمیز خط سلطان کے نام تھا، دوسرا دلچسپ مضمون نظریۂ ذرات (اٹیمز) اور متکلمین اسلام پر تھا جس مین نہایت تفصیل کے ساتھ متکلمین کے خیالات نقل کئے گئے ہین، اس سے زیادہ دلچسپ چیز اس شعبہ کی طرف سے علم کلام جدید کے عنوان سے ایک تالیف ہے جس کے دو حصے ہین، افسوس کہ زبان کی اجنبیت کے باعث مطالب سے آگاہی نہ ہوسکی، مگر اتنا ظاہر ہوا کہ عقائد الوہیت

درسالت، و تقدیر، حسن و قبح اشیا، خیر و شر وغیرہ کے متعلق حکمائے اسلام، متکلمین اور صوفیہ کے خیالات و دلائل ہین، اور موجودہ حکمائے یورپ کے خیالات مین شاید تطبیق کی کوشش کیگئی ہے، بیچ بیچ مین آیات و احادیث بھی ہین،

شادی اور بیاہ کے مراسم مین جو فضول خرچی اور اظہار شان کی صورتین ہندوستان مین ہین معلوم ہوتا ہے کہ وہی بعینہ ترکی مین بھی ہین، ابھی حال مین انگورہ کی مجلس ملیہ نے ان مراسم کے انسداد و اصلاح کیلئے چند قانونی دفعات شائع کی ہین، لامحالہ ترکی پولیس کے خوف سے ان قانونی دفعات کی پیروی مین یہ اصلاحات نافذ ہو نگی، اور ترکی مسلمان ان بدعات و خرافات سے نجات پائینگے، ہندوستان مین علمائے اسلام اور اسلامی انجمنین ایک مدت سے ان پر وعظ و پند کہہ رہی ہین، مگر نتیجہ بمنزلہ صفر! ایسے ہی مواقع مین "اپنی سلطنت" کی آرزو پیدا ہوتی ہے،

دنیا مین اس کثرت سے قدیم عربی کتابین شائع ہوئی ہین اور ہورہی ہین جنکی حد نہین، مگر آپکو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ علامہ زمخشری کی کشاف کے علاوہ معتزلہ کی اب تک صرف دو کتابین چھپی ہین، سب سے پہلی کتاب تو قاضی عبدالجبار معتزلی کی کتاب تنزیہ القرآن عن المطاعن ہے، جو مصر سے شائع ہوئی، اور دوسری کتاب ابو مسلم اصفہانی کی تفسیر کے اقتباسات جو دار المصنفین نے شائع کئے ہین، اب تیسری کتاب ایک مستشرق نبرج NYBERG پروفیسر السپال یونیورسٹی سویڈن کی کوشش اور محنت سے مصر سے الانتصار شائع ہوئی ہے، مشہور ابن الراوندی جو ملحد کے نام سے شہرت رکھتا ہے، اسکے جواب مین ہے، اس کا مصنف ابو الحسین عبدالرحیم بن محمد الخیاط ہے، اس کتاب مین پہلے ابن راوندی کے معتزلہ پر اعتراضات نقل کرتا ہے، پھر جواب دیتا ہے، کتاب ایک جلد مین ہے، اور خاصی ضخیم ہے،

مقالات

مدراس کا تیسرا خطبہ

احادیث و سیر کی تحریری تدوین

حضرات! آئیے اب ان چار دن معیار دن پر پیغمبر اسلام علیہ السّلام کی سیرۃ مبارکہ پر نظر ڈالیں، سب سے پہلی چیز تاریخیت ہے، اس باب میں تمام دنیا متفق ہے، کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی سیرت کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی، بلکہ ہر اس چیز کی، اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ تعلق بھی حضرتؐ کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے، وہ اب بھی عالم کے لیے مایۂ حیرت ہے، ان لوگون کو جو آنحضرت صلعم کے اقوال، افعال اور متعلقات زندگی کی روایت و تحریر و تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، ان کو راویان حدیث و روات یا محدثین اور ارباب سیر کہتے ہین جنھین صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کی چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہین، جب تمام سرمایۂ روایت تحریری صورت مین آگیا تو ان تمام رُوات کے نام و نشان، تاریخ زندگی، اخلاق و عادات کو بھی قید تحریر مین لایا گیا، جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہوگی ان سب کے مجموعۂ احوال کا نام اسمار الرجال ہے، مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر جو ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے علمی و تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے، اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے سکرٹری تھے، اور ان کے عہد مین خود ان کی محنت سے واقدی کی مغازی و ان کریمر کی اڈیٹر شپ ۱۸۵۶ء مین شائع ہوئی، اور صحابۂ کرام کے

حالات میں اصابہ فی احوال الصحابہ ابن حجر کی طبع ہوئی، اور جنھون نے جیسا کہ ان کا دعوی[1] ہے کہ وہ پہلے یورپین شخص ہین جنھون نے خاص ابتدائی عربی ماخذون سے "لائف آف محمد" لکھی ہے[2]، اور مخالفانہ لکھی ہے، تاہم وہ اصابہ کے انگریزی مقدمہ مطبوعۂ کلکتہ ۱۸۵۳ء سنہ ۱۸۶۴ء میں لکھتے ہین،

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری اور نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جسکی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو" (مقدمہ سیرۃ النبی)

صحابہ کرام کی تعداد حیات نبوی کے اخیر سال حجۃ الوداع مین تقریباً ایک لاکھ تھی، ان میں ۱۱ ہزار آدمی ایسے ہین جنکا نام و نشان آج تحریری صورت مین تاریخ کے اوراق مین جو خاص انھین کے حالات میں لکھے گئے ہین، اسلیے موجود ہین کہ یہ وہ لوگ ہین جنہین سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال و واقعات مین سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسرون تک پہنچایا ہے، یعنی جنھون نے روایت کی خدمت انجام دی ہے، اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے،

سنہ ۱۱ھ مین آنحضرت صلعم نے وفات پائی، اور تقریباً سنہ ۳۰ھ تک اکابر صحابہ کے وجود کا سلسلہ رہا، سنہ ۶۰ھ تک اصاغر صحابہ کی خاصی تعداد موجود تھی اور صدی کے ختم ہوتے اس نورِ نبوت کا چراغ گل ہوگیا، ہر شہر مین آخری وفات پانے والے صحابیون کے نام اور سالِ وفات یہ ہیں:

اسم گرامی	نام شہر	سالِ وفات
۱- ابوامامہ باہلی	شام	سنہ ۸۶ھ
۲- عبداللہ بن حارث بن جزء	مصر	سنہ ۸۶ھ
۳- عبداللہ بن ابی اوفی	کوفہ	سنہ ۸۶ھ
۴- سائب بن یزید	مدینہ	سنہ ۹۱ھ

[1] On The origin and Progress of writing DOWN Historical facts among musalmans جو سنہ ۱۸۵۳ مین لکھی اور الہ آباد سے شائع ہوئی،

ہوتا ہے، یوں تو اس نام کے تسلیم کر لینے کا کوئی موثق ذریعہ نہیں ہے مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید لنگ سیوا جسکی اسٹمبھیشور (خدائی کھمبہ) کے نام سے پرستش ہوتی ہے، سے مشتق ہو، پراکرت میں اسٹمبھ کھمبہ یا کھمبے بدل جاتا ہے اسلئے گمان ہوتا ہے کہ موجودہ نام "کمبے" اسی طرح منجھ منجھا کر نکھرا ہو، قدیم الایام میں مقدس اشیار کا خزینہ دار ایک شہر تھا جسے گجنی کہا گیا ہے اس نام کا ایک اہم بندرگاہ ماہی ندی کے دہانے پر واقع تھا جو اب برباد ہوگیا ہے، اس کے بعد ایک نیا شہر ۳ میل کے فاصلہ پر سمندر کے قریب بسا جو غالباً شمالی برہمنوں کی نوآبادی کے پاس واقع تھا، دسویں صدی کے اختتام پر مول راجہ نے نومیل زمین کماری دیوی کے مندر کے لئے وقف کرکے موجودہ مقام پر بسایا، قدیم شہر ایک قریہ کی حیثیت رکھتا ہے جسکا نام ناگرہ ہے، اور جو موجودہ شہر سے تین میل کے فاصلہ پر شمال مغرب کی جانب واقع ہے،

مسعودی جو ۹۱۵ء میں یہاں آیا اس کو ترقی پذیر حالت میں دیکھا اُس وقت ایک برہمن "مانکیر کا لبھرا" کے نام سے اس پر حکومت کرتا تھا جو مسلمانوں اور اجنبیوں کی بڑی دیکھ بھال کرتا تھا، یہ اس وقت کھڑاؤں کیلئے مشہور تھا، بارہویں ہجری میں یہ ایک مشہور اور اہم قلعہ بند ساحلی تجارتی مقام تھا کہتے ہیں کہ اسی ہجری میں پارسیوں کی اشتعال انگیزی سے ہندوؤں نے سنی مسلمانوں کے خلاف بلوہ کر دیا، اور مسجد کو شہید کر دیا گیا جب یہ خبر سدھ راجہ جیا سمھ کو پہونچی تو اس نے مسجد اور مناروں کو بنوانے کا حکم دیا چنانچہ مسجد بنا دی گئی، پھر کسی حملہ آور نے غالباً تیرھویں صدی کے آغاز میں اس کو نقصان پہونچایا تو سید شرف تمین نے اپنے روپیے سے بنایا اور اسمیں چار مینارے اور طلا کار قبے تعمیر کئے،

۱۲۱۱ء میں وشوپال لون پرشاد اور اس کے لڑکے کا جینی وزیر رہا، اس کے عہد میں کئی جینی مندر پاٹ شالے اور کتب خانے وجود میں آئے، اس کے چند سال بعد یعنی ۱۳۲۱ء میں مرینو سنوڈ ر سیاح کا یہاں گذر ہوا، وہ کہتا ہے کہ "یہ ہندوستان کے دو مشہور بندرگاہوں میں سے ایک ہے"

۱۲۹۹ء میں علاؤ الدین کی افواج نے اس پر قبضہ کیا، اور شہر کو نقصان پہونچایا، منادر کی بے حرمتی

کی گئی، باشندوں کا بیرحمانہ قتل عام ہوا، ہزاروں عورتوں اور بچوں کو قید کیا گیا، لاتعداد مال غنیمت سونا چاندی جواہر اور قیمتی پارچہ جات کی صورت میں لیجایا گیا، اس کے بعد "اختیا الدولۃ والدین" کے لقب سے یہاں ایک گورنر کا تقرر ہوا، جو ۸ ستمبر ۱۳۱۶ء میں وفات پا گئے، جیساکہ ان کے مقبرہ کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے، ابن بطوطہ ۱۳۴۵ء میں یہاں آیا، وہ اپنے سفرنامہ میں اس کی خوبصورتی اور نفیس اور پائدار مساجد و عظیم الشان عمارتوں کی بڑی تعریف کرتا ہے جنھیں غیر ملکی مالدار تجار نے بنایا تھا، اور وہ لکھتا ہے کہ "ان کی وجہ سے یہاں کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے"، ابن بطوطہ کے ورود سے بیس برس پہلے یعنی ۵ جنوری ۱۳۲۵ء میں جامع مسجد بن چکی تھی، محمد تغلق کے حملہ سے جو باغیوں کی سرکوبی کے لئے ۱۳۴۶ء میں گجرات گیا تھا، اس کی فوجوں سے اس شہر کو نقصان پہونچا، ایک دوسری شورش میں جو ۱۳۴۹ء میں برپا ہوئی، اس کو بلوائیوں کے تاخت و تاراج سے خستگی کا سامنا ہوا، بعد ازاں سلطان کا اس پر قبضہ رہا، اور خود مختار شاہان گجرات کے ماتحت اس کے دن پلٹنا شروع ہوئے، احمد اوّل نے اس کی ترقی کے سامان کئے اور اس کی تجارت کو وسیع کیا، اس کی حکومت کے اختتام پر نکل ڈی کانٹی یہاں پہونچا، وہ اس کی حالت یہ بیان کرتا ہے کہ "یہ چودہ میل کے گھیرے کا نہایت عمدہ شہر ہے"، سولھویں صدی کے آغاز تک یہاں تجارت اور نفیس ساز و سامان میں ترقی ہوتی رہی اور اس کا ہندوستان کے مشہور ترین بازاروں میں شمار تھا، ۱۵۳۵ء میں بہادر کے تعاقب میں ہمایوں نے یہاں لوٹ مار کی اور ۱۵۳۰ء میں پرتگالیوں نے ڈان جاوڈ کاسٹرو کی ماتحتی میں اس پر قبضہ کیا اور اسی کے حکم سے بے شمار مال غنیمت لوٹ کر شہر کو نذر آتش کر دیا گیا، اور اس کے بعد بھی ۱۵۷۳ء، ۱۵۸۳ء اور ۱۶۰۷ء میں یہاں لوٹ مار کی گئی، اسی تباہی کے زمانہ میں یعنی ۱۵۸۵ء میں فریڈرس یہاں آیا اس کی حالت خراب نہیں تھی، ۱۶۱۳ء میں یہاں انگریزوں کی تجارتی کوٹھی قائم ہوئی اور ۱۶۱۷ء میں ڈچ لوگوں نے اس کو اپنی تجارتی کوٹھی کے لئے انتخاب کیا جو ۱۶۷۰ء میں بند کر دی گئی، اٹھارھویں صدی میں مرہٹوں کی کرتوت سے دوسرے شہروں کا اس پر بُرا اثر پڑا، ۱۷۳۰ء میں مرزا جعفر گجرات کی مغل افواج کا

تنخواہ دار اور کھمبات کا عامل مقرر ہوا اور جو تین سال بعد کسی قدر خود مختار ہو گیا تھا، اور جسے ۱۷۴۲ء میں نجم الدولہ مومن خاں بہادر فیروز جنگ کا خطاب دیکر وائسرائے کے عہدہ پر فائز کر دیا گیا، اس نے اپنے داماد زین العابدین نجم خان کو کھمبات کا گورنر مقرر کر دیا، جو اپنے آخری لمحہ سے ۱۷۴۳ء تک اس عہدہ پر قائم رہا، اس کے بعد مرزا جعفر کے لڑکے مفتخر خان نے نور الدین محمد خاں مومن خاں بہادر دویم کے لقب سے یہاں کی گورنری کی ۱۷۸۳ء تک اس مدت میں نور الدین کی تعدی اور محصول کی زیادتی سے نصف آبادی کم ہو گئی، نور الدین کے بعد یہاں کی زمام گورنری محمد قلی کے ہاتھ آئی جو نور الدین کا پالک اور زین العابدین کا لڑکا تھا، محمد قلی کی شادی جاگتی خانم سے ہوئی تھی جو مومن خاں ثانی کی لڑکی تھی، محمد قلی نے ۱۷ سال حکومت کرکے وفات پائی، پھر کھمبات محمد قلی کے بڑے لڑکے فتح علی کے ماتحت آگیا، جسے دہلی سے "نجم الدولہ ممتاز الملک مومن خاں بہادر دلاور جنگ نواب کھمبات" کا خطاب ملا، فتح علی سے انگریزوں نے ۱۳ دسمبر ۱۸۰۲ء میں ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے پیشواؤں کے حقوق کا انھیں استحقاق حاصل ہوا اور چند دنوں کے بعد ہی سے لگان پر ان کو زمین دیجانے لگی، ۱۸۲۳ء میں نواب موصوف کا انتقال ہو گیا، اور ان کی جگہ ان کے بھائی بندہ علی خان مومن خاں چہارم کو ملی، جو ۱۸۴۱ء میں فوت ہو گئے، اب ریاست کی باگ ان کے چھوٹے بھائی یاور علی خاں کے ہاتھ میں آئی، مگر یاور علی نے اس سے دست بردار ہو کر اپنے لڑکے حسین یاور خاں مومن خاں پنجم کے حوالہ کر دیا، آج کل یہاں کی آبادی ۳۱ ہزار ہے جنمیں ۲۲ فی صدی مسلمان ہیں، اب وہ پہلی سی تجارت کی گرماگرمی نہیں رہی صرف بیش قیمت پتھروں کی تجارت ہوتی ہے، وہ بھی صرف چین سے۔

جامع کھمبات، جامع مسجد کا رقبہ ۲۱۲ فٹ مشرق سے مغرب اور ۲۵۲ فٹ شمال سے جنوب تک ہے، لیکن اسی رقبہ میں جنوبی سمت کو صحن اور مقبرہ بھی شامل ہے، اس طرح ۵۵ فٹ کی لمبائی کم ہو جاتی ہے مسجد کی اندرونی پیمائش ۱۸۹ × ۵۰ فٹ ہے، مسجد کے سامنے ایک صحن ہے، جو ۱۳۴ فٹ لمبا اور ۱۱۹ فٹ چوڑا ہے، جس کے دائیں بائیں جانب کو ۹ فٹ کے برآمدے سے گھیرا گیا ہے، اور سامنے کا برآمدہ ۳۰ فٹ رکھا گیا ہے

برآمدوں کے اختتام سے مسجد شروع ہوتی ہے، اس کی چھت کو ۱۵ ۱/۲ فٹ کی اونچائی کے ۱۰۰ ستون اور ۲۵ مربع ستونوں کا سہارا دیا گیا ہے، اور ان کے علاوہ مسجد اور برآمدوں کی دیواروں کے اتصال پر تین تین ستون لگائے گئے ہیں، ستونوں کو قطار در قطار کچھ اس طرح طول و عرض میں قائم کیا گیا ہے، کہ مسجد کا فرش ۱۴ مربعوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، صنعت یہ ہے کہ انھیں ستونوں کو اوپر چوکھٹ لگا کر مثمن کر دیا گیا ہے، اور ان کے اوپر قبے بنائے گئے ہیں، مسجد میں داخل ہونے کے لئے تین اصلی اور متعدد کمانیاں ہیں، ان پر نقش و نگار کیا گیا ہے، ان کے علاوہ اور اکثر جگہ منقوش پتھروں سے مسجد کی زینت کو دوبالا کیا گیا ہے، اس مسجد کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں نہ صرف مستورات کے لئے فرش کے اختتام پر برآمدوں سے متصل دو قبہ دار زینے بنے ہیں بلکہ ایک جگہ قومی اور مذہبی اجتماعات کے لئے مخصوص کی گئی ہے، صحن میں چار ستونوں کے سہارے پر ایک چھوٹا سا چھپر ہے، اس کے علاوہ مشرقی سمت کو ایک بڑا ابند حوض ہے، فرش کے کچھ حصہ پر ۱۰ ستونوں کے سہارے سے چھت بندی کی گئی ہے، اس چھپر کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۲۱ھ میں علی بن عبدالغنی البغدادی نامی کسی بزرگ کی نگرانی میں حوض کی مرمت کی گئی تھی، اس کے بعد فاضل مصنف نے چند سطروں میں ان امور کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ حوضوں کی تعمیر اور محرابوں کا قبلہ نما ہونا، یہ محض مشرق کی مسیحی گرجاؤں کی نقل ہے اور محرابوں کے بیل بوٹے ہندو مناد رسے مشابہ ہیں، اس لئے میں نے ان سطروں کو نظر انداز کر دیا ہے،

مسجد میں تین محرابیں ہیں جن پر بیل بوٹے اتارے گئے ہیں اور جنکو آیات قرآن سے زینت دی گئی ہے ان کے علاوہ متعدد منقوش کھڑکیاں ہیں، منبر حسب معمول بیچ کی محراب کے بائیں جانب واقع ہے، جسکی آٹھ سیڑھیاں ہیں اور اوپر کو چھوٹا سا مرمریں شامیانہ ہے، منبر تک جانے کے لئے امام کی آسانی کے خیال سے پچھلی دیوار میں ایک دروازہ ہے جس کی سیڑھیاں کچھ دور نیچے جا کر لب سڑک تک پہونچتی ہیں،

مقبرہ | مسجد کے جنوبی رقبہ کے ساتھ ہی ایک قبہ دار مقبرہ ہے جسکی اندرونی پیمائش ۲۴ × ۴۹ فٹ ہے، پورب پچھم ستونوں کی قطاریں جسکا قطر ۳۰ فٹ ہے دو قبریں ہیں اس میں داخلہ کا بڑا رستہ جنوبی سمت ہے

صدر دروازہ کے دونوں طرف کے ستاروں میں سیڑھیاں بنی ہیں، جو چھت تک جاتی ہیں اسی طرح جنوبی دیوار میں سیڑھیاں ہیں جو باہر نکلتی ہیں، یہ دیکھکر نہایت افسوس ہوتا ہے کہ اس عجیب وغریب مقبرہ کی چھت گر گئی ہے جس کے دوبارہ بنانے کی مطلق کوشش نہیں کی گئی، اس رقبہ میں مقبرہ سے متعلق ایک خاص مسجد (غالباً حجرہ) ہے جسکی چھت دو گنبدوں پر مشتمل ہے، اس میں ایک طرف زنانہ زینہ (گیلری) ہے جسکو بوٹے دار پردوں سے گھیرا گیا ہے افسوس کہ پردے کا ایک حصہ خراب ہوگیا ہے، مگر بڑی مسجد کے پردوں کا بالکل نشان تک باقی نہیں ہے، جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے چھت کے گرنے سے مزارات کو سخت نقصان پہونچا ہے، مزارات سنگ مرمر کے بنے ہیں، جو کمال صنعت و نقش و نگار کا نمونہ ہیں،

لوح مزار، ان میں سے ایک کا کچھ حصہ نوتعمیر ہے، سرہانے کے پتھر پر نہایت خوبصورت نقوش ہیں، اس کے حاشیہ پر ساڑھے بارہ آیات سورہ یسین کی کندہ ہیں نصف سے کچھ زائد اوپر کا وہ حصہ جو کمانی دار ہے، اس پر دو حاشیے کھینچے گئے ہیں اور بیچ میں بشکل مثلث تھوڑی سی جگہ چھوڑ دی گئی ہے، پہلا حاشیہ نقش و نگار کے لئے وقف ہے، دوسرے حاشیہ میں سورۂ بقر کی ۲۵۶ ویں آیت ہے، مثلث جگہ میں نہایت خوبصورتی سے ملے حروف میں کلمۂ شریف مرقوم ہے مثلث کے نیچے ایک طرف انا للہ وانا الیہ راجعون اور دوسری طرف ہذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون، ۳۶/۵۲ لکھا ہے، مثلث کے نیچے مطلا کاری کی گئی ہے، پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم کچھ اس انداز سے لکھا گیا ہے، کہ بالکل بیل بوٹے معلوم ہوتا ہے، اس کے نیچے ایک مربع بنا ہے جس کے وائیں کناروں پر تیسری سورہ کی سولھویں اور سترھویں آیات منقوش ہیں مربع کے اوپری حصہ میں سورۂ مذکور کی ۱۶۳ و ۱۶۵ ویں آیات ہیں اس کے بعد اصل عبارت شروع ہوتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ اس قبر میں ایک عبد ضعیف، سعید شہید، مرحوم ومغفور، ملک الملوک، سرور الوزراء رکن الملت والدین عمر بن احمد الکازرونی[1] ملقب بہ زور الملک، آرام فرما ہیں، پھر

---

[1] کازرون صوبہ فارس ایران کا ایک شہر ہے جو شیراز سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے،

بروز چہارشنبہ ۹ صفر ۱۳۴۷ھ (مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء) کو واصل بحق ہوئے، مزار کے مغربی طرف کے حصار کے اوپری سمت کو ۳۶ ویں سورہ کی ۶۵-۱۰ ویں آیات اور نیچے کو ۲، ۶-۹ ویں آیات کتبہ کی گئی ہیں،

اس رقبہ میں ایک دوسری قبر غالباً مذکور صاحب قبر کی صاحبزادی کی ہے، مگر چھت کے گرنے سے اس کا کتبہ خراب ہوگیا ہے، اس لئے یقین کے ساتھ کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی، جو کچھ پڑھا جاسکتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ "یہ قبر تاجِ دولت، فخرِ نسواں بی بی فاطمہ مرحومہ و مغفورہ کی ہے[1] موصوفہ کو کربلائے معلیٰ کی زیارت کا شرف حاصل ہے .... مرحوم حسین ——— زوجہ ... عمر .... آپ ۱۲ شوال المکرم ۱۳۵۰ ہجری (مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۳۱ء) کو واصل بحق ہوئیں" اس عبارت کے اوپر لا الٰہ الا اللہ اور سورہ ۴۵ کی ۲۶-۲۰ ویں آیات منقوش ہیں، اس تختی پر دوسری سورہ کی ۲۵۶ ویں آیت بھی لکھی ہے، ایک دوسری تختی پر سورہ فاتحہ اور چند الفاظ لکھے ہیں جن کا مطلب یہ ہے "اے اللہ مرحومہ کو بخش دے اور مرحومہ کی قبر کو اپنے انوار افضال سے منور کردے، یا ارحم الراحمین" ایک طرف تیسری سورہ کی سولھویں اور سترھویں آیت کا کچھ حصہ مرقوم ہے، ایک اور جگہ ۱۸۲ ویں آیت ہے،

اس احاطہ کے مشرق کے طرف دس ستونوں کے سہارے پر ایک چھتر ہے، ستون ہندو منادر کے ستونوں سے مشابہ ہیں، اس لئے مصنف کا خیال ہے کہ یہ کسی ہندو یا جین مندر سے لائے گئے ہیں، اس پر ایک کتبہ ہے، جو پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوکر سورہ ۶۲ کی اٹھارویں آیت پر ختم ہوتا ہے، اس کے بعد آنحضرت صلعم کا ایک قول نقل کیا گیا ہے، کہ "جو لوجہ اللہ ایک مسجد یہاں بناتا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک گھر بنائے گا" اس حدیث شریف کے بعد جو عبارت ہے، اس کا مفہوم یہ ہے، "یہ مسجد اور جگہ اللہ اور فقط اللہ کے لئے اور اسی کے نام پر معنون ہے، یہ مبارک جامع مسجد اور مذہبی و قومی اجتماع کی یہ جگہ ایک خفیہ دولت سے بنائی گئی، جو اللہ کے فضل سے ہاتھ آئی اور آخرکار اسی کے نام پر صرف ہوئی اور وہ ہی اس کو شرفِ قبول

[1] معارف: مضمون نگار صاحب کتبہ کے اصل الفاظ نقل کرتے تو بہتر ہوتا،

بخشنے والا ہے، امیدوار رحمت، عبد ضعیف محمد البو تمارشیؒ (خدا اس کی نیک خواہشات کو پورا کرے اور ہدایت دے) نے بعہد حکومت عالم، عادل سلطان محمد شاہ خلد اللہ ملکہٗ بن سلطان تغلق شاہ ۱۰ محرم ۷۲۵ھ (مطابق ۵ جنوری ۱۳۲۵ء) میں تعمیر کیا،،

ایک علحدہ پتھر پر جو پرانی مسجد کا ہے یہ عبارت لکھی ہے،، بسم اللہ الرحمن الرحیم، ایک شاہی غلام بوابستہ حکومت سلطان فیروز شاہ نے یہ مسجد تعمیر کی،، اس کے بعد فارسی کے چھ اشعار ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے،، یہ مسجد سلطانی طرز پر سلطان ظفر خاں گستری (یا شوستری) کے عہد حکومت میں (۱۳۵۱-۸۸ء) بنائی گئی، ہجرت نبوی سے ۷۷۵ سال بعد (۱۳۷۴ء) یہ مسجد خدا کی عبادت کے لئے درست کی گئی، خدا کی رحمت ہو ان عبادت گذار بندوں پر جو اس مسجد میں آکر اس کے بنانیوالے کو دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں،،

شہر میں اور اس کے ارد گرد مقبرۂ عمر الکازرونی کے طرز پر اور کئی مقبرے ہیں، ان میں سے ایک اختیار الدولہ والدین خزانچی شہر کھمبات (۲۶ جمادی الثانی ۷۱۶ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۳۱۶ء) کا ہے، دوسرا شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر مغربی جانب کو خواجہ خضر سے منسوب ہے، جسکی تاریخ تعمیر ۸۷۴ھ (۱۴۶۹-۷۰ء) ہے، تیسرا حاجی یوسف بن سید احمد بن محمد بن علیؓ بن عبد السلام بن احمد الحاجب القریشی ۱۳ ربیع الاول ۸۱۴ھ (مطابق ۶ اگست ۱۴۱۱ء) کا ہے، چوتھا ،، مقبرۂ فخر الدولہ والدین ابوبکر بن حسن بن محمد بن حسن بن عیسیٰ القریشی الحکیم،، کے نام سے مشہور ہے، جسکی تاریخ تعمیر ۱۰ صفر ۸۱۸ھ ہے (۲۹ اپریل ۱۴۱۵ء)

مقبرۂ خواجہ خضر کے پیچھے ایک مسجد خستہ حالت میں ہے جسپر، فارسی اشعار نہایت خوشخطی سے منقوش ہیں اس پر ۱۲۱۹ ہجری (۱۸۰۴ء) لکھا ہے،

یہ ہیں وہ یادگاریں جو ایک دور و دراز ساحلی مقام پر کاروان رفتہ کی شان و شوکت کا افسانہ سناتی ہیں،

لہ اس نام کے نقطے غائب ہیں، اس لئے اس کا کئی طرح تلفظ کیا جا سکتا ہے، نام اس طرح لکھا ہے ،، محمد البو تماری،،

شاہانِ مغلیہ کے نایاب نقرئی و مسی سکّے
جو
عجائب خانہ کلکتہ میں حال میں جمع ہو رہے ہیں،

از

شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ،

ٹکسال بھکر کا دام | (۱) اکبر بادشاہ کا مسی دام، ٹکسال بھکر، یہ دام نہایت ہی نایاب ہے، نہ کسی عجائب خانہ میں ہے اور نہ سکوں کے کسی متلاشی کے پاس ہے، صرف مسٹر اولیور (MR.E.E:OLIVER) نے ۱۸۸۶ء کے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل حصہ اول کے صفحہ ۳ میں ایک دام کا ذکر کیا ہے، جسمیں تاریخ نہیں ہے، صرف ۸۰ ہے، بابو راؤ کرشنا پال سنگھ ضلع ایٹہ (یونائیٹڈ پروونس) نے جنوری ۱۹۲۴ء ۱۳۴۲ھ میں مہربانی فرماکر ایک دام کلکتہ عجائب خانہ کے سکوں کے ذخیرہ میں عنایت فرمایا،

بھکر صوبہ ملتان کی سرکار میں تھا، دریاے سندھ کے جزیرہ پر ایک قلعہ ہے، اس پر واقع ہے جلال الدین اکبر نے ۱۵۷۴ء میں اس قلعہ پر قبضہ کیا، اور یہ صرف تانبے کے سکوں کا ٹکسال بنایا گیا، مستشرقین یورپ کے نیومیزمیٹک کا ریمارک یوں اس دام پر ہے، (AKBARS DAMS OF BHAKKAR ARE VERY SCARCE

ٹکسال گوکل پور کا روپیہ | (۲) شاہ عالم ثانی جس نے ۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء سے ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء تک سلطنت کی تھی، ایک روپیہ ۱۱۹۶ھ ۱۷۸۲ء سنہ ۲۵ جلوس کا گوکل پور ٹکسال کا سر جان مارشل صاحب ڈائرکٹر محکمہ آثار قدیمہ ہندوستان نے ۱۹۲۴ء میں خرید کر کلکتہ عجائب خانہ کے سکوں کے ذخیرہ میں عنایت فرمایا، اس ٹکسال کا ذکر ہی کہیں نہیں ہے، نہایت ہی نایاب سکہ ہے، غالبًا سلطنت کے ۲۳ سال بعد شاہ عالم نے گوکل پور ٹکسال

کو بنگال کے اندر کہیں قائم کیا تھا، آج کل تاگ پور لائین میں ایک اسٹیشن گوکل پورنا می بنا ہے، شاید وہی ہے۔

ٹکسال ہردوار تیرتھ (۴) شاہ عالم ثانی، ایک روپیہ ۱۲۱۴ھ جلوس ۱۸ سنہ کا جس کا دار الضرب ہردوار تیرتھ ہے، ڈاکٹر موصوف نے عطا فرمایا ہے، یہ روپیہ بھی نہایت نایاب ہے،

یہ دار الضرب ہردوار ہندؤں کا مشہور تیرتھ (زیارتگاہ) ہے گنگا کے کنارے واقع ہے، یہ قلیند ہے کہ اکبر بادشاہ نے ہردوار تیرتھ کے دار الضرب میں سکے ضرب کئے تھے مگر صرف شاہ عالم ثانی کے چند روپے اس دار الضرب میں ضرب ہوئے ہیں، دو تو لاہور کے عجائب خانہ میں ہے ۱۲۱۳ھ سنہ ۳۹ جلوس اور دوسرا روپیہ اس ۱۲۱۴ھ کا ہے، پس صرف دو سکے ۱۲۱۴ھ کے دنیا کے عجائب خانہ میں ہیں،

"باقی"

گلِ رعنا

از

جناب مولانا حکیم سید عبد الحیٔ صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جسمیں اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے باکمال اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اور ان کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہیں، اور دار المصنفین اعظم گڈھ نے شایع کیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۵۰۸ صفحے قیمت صہ،

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

قسطنطنیہ کے کتبخانے

قسطنطنیہ کو اگر ایک طرف یہ فخر ہے کہ اس کے دامن سے ترکوں جیسی شجاع و بہادر قوم وابستہ ہے تو اسے اس پر بھی ناز ہے کہ تمام عالم اسلامی میں عربی کی نایاب کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ اپنے آغوش میں رکھتا ہے، علامہ مرحوم نے سفرنامہ میں لکھا ہے، "ترکوں کے علمی کارناموں میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر ہے، وہ یہی کتب خانے ہیں ..... میں کافی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمام اسلامی دنیا میں قسطنطنیہ عربی تصنیفات کا سب سے بڑا مرکز ہے"

لیکن عہد عثمانیہ میں ترکوں کی بڑی بدنصیبی تھی کہ انھیں ان بیش بہا نایاب کتابوں سے استفادہ کرنے کا موقع نصیب نہ تھا، اور نیز حکومت کی غفلت سے نایاب کتابوں کا بڑا ذخیرہ قسطنطنیہ سے باہر چلا گیا، علامہ مرحوم فرماتے ہیں "مجھ کو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ نایاب کتابیں نہاں بالکل بیکار ہیں، اولاً تو یہ کتب خانے دن میں صرف دو تین گھنٹے کے لئے کھلتے ہیں، اس کے ساتھ سال میں دو تین مہینے مسلسل تعطیل رہتی ہے"

لیکن اب مملکت ترکیہ میں انقلاب حکومت کے ساتھ کتبخانوں کے نظام میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی ہے، اب ان کتبخانوں کے سپرد قسطنطنیہ کی زینت و آرائش میں اضافہ کرنے کے بجائے نوجوانان ترک کی علمی استعداد میں اضافہ کرنا ہے،

مجلہ الزہرا مصر میں "کتبخانہ قسطنطنیہ" پر ایک دقیع مقالہ شایع ہوا ہے جسمیں مقالہ نگار نے عہد عثمانیہ میں کتبخانوں کے حالات بیان کرکے، ان کے موجودہ نظم و ترتیب کے واقعات لکھے ہیں، اس مقالہ کی تلخیص جا بجا سے ذیل میں دیجاتی ہے جس سے وہاں کے کتبخانوں پر کافی روشنی پڑیگی،

عہد عثمانیہ میں نایاب قلمی کتابوں کے ضائع ہونے کے حالات لکھتے ہوئے لکھتا ہے، "قاہرہ کے علمار اعلام

میں سے بعض کا بیان ہے کہ وہ پے در پے دو سال قسطنطنیہ گئے انھیں اپنے ان دو سفروں میں ایسا اتفاق ہوا کہ انھوں نے اپنے پہلے سفر میں کسی کتبخانہ میں کوئی نفیس اور نایاب قلمی نسخہ محفوظ دیکھا تھا، پھر جب وہ اپنے دوسرے سفر میں اس کتاب کو تلاش کرتے ہیں تو اسی جلد میں اصل کتاب کے عوض کوئی ایسی کتاب ملتی ہے جس کی قیمت چند قرش بھی نہیں ٹھہر سکتی،،

پھر کہتا ہے، "اور حقیقت یہ ہے کہ پایہ تخت عثمانیہ کے لئے یہ کوئی جدید امر نہیں آج سے چند صدی پیشتر کا یہ واقعہ ارباب علم سے پوشیدہ نہیں کہ سولھویں صدی عیسوی کے وسط میں ہالینڈ کا قونصل فرنسیرا کابر علما سلف کی تصنیفوں میں سے کئی ہزار تصنیفات خرید کر قسطنطنیہ سے ہالینڈ لے گیا، اور اسی مجموعہ میں علمار اسلام میں سے تبریزی ابن الجوالیقی، مقریزی، حافظ نسائی، عماد الکاتب، اور عبداللہ بن الحساب النحوی کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریریں موجود تھیں، یہ ذخیرۂ کتب لیڈن (ہائی لینڈ) کے مشہور کتب خانہ کیلئے جو اس وقت دنیا کے بڑے سے بڑے عربی کتبخانوں میں ہے، پہلا ابر کرم تھا، لیڈن کا یہی وہ کتب خانہ ہے جس کے زیر اہتمام یورپ اور خصوصاً مطبع بریل سے اکثر عربی کتابیں طبع ہو کر شایع ہوتی رہتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ یورپ کی مطبوعہ کتابیں التزام صحت کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتی ہیں،،

پھر مملکت ترکیہ میں انقلاب حکومت کا تذکرہ کرکے لکھتا ہے، "کمالیوں کے درمیان جب نظام سلطنت پر مباحثے شروع ہوئے تو کتبخانوں کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ طے ہوا کہ کتبخانوں کی جانچ پڑتال کرکے کتابوں کے اعداد و شمار حاصل کئے جائیں، چنانچہ یہ کام ڈیڑھ سال میں اختتام کو پہونچا، اس کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ تمام کتابوں کی دو قسمیں کی جائیں، پہلی قسم کی وہ کتابیں ہیں جن کے مطالعہ کی عام طریقے ضرورت پیش نہیں آتی، ایسی کتابوں کے نظام کا فیصلہ آیندہ کے لئے اٹھا رکھا جائے، دوسرے وہ کتابیں ہیں جن کی ادبا و طلبہ کو آئے دن ضرورتیں رہتی ہیں، ایسی تمام کتابوں کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ وہ یونیورسٹی قسطنطنیہ کے کتب خانہ سے ملحق کر دی جائیں،، اس کے بعد قسطنطنیہ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں کتابوں کے ذخیرے کا

تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"اب یونیورسٹی کا یہ کتب خانہ متعدد خزائن کتب کا مجموعہ ہے،،

۱- جو مدارس، قسطنطنیہ یونیورسٹی سے ملحق ہیں، ان سب کے تمام کتبخانے یونیورسٹی کے کتبخانہ سے ملحق کر دیئے گئے ہیں، ان کتب خانوں کی اکثر کتابیں زبان ترکی اور یورپ کی دیگر زبانوں میں زمانۂ حال کے مصنفین کی ہیں،

۲- سلطان عبد الحمید خاں کا وہ بیش بہا کتبخانہ مع سامان آرائش (فرنیچر) کے اس میں منتقل کر دیا گیا ہے، جو پہلے قصر یلدز میں قایم تھا، قصر یلدز کی کتابوں کی تعداد ۲۵ ہزار ہے، جنمیں عبد الحمید خاں کے عہد حکومت کی تمام مطبوعہ کتابیں ہیں، اور بعض نادر و نایاب قلمی کتابوں کا بھی ذخیرہ ہے جو اپنے حسن کتابت کے لحاظ سے بہت زیادہ ممتاز ہیں، اور نیز اس میں تاریخ عثمانی سے متعلق صدہا دستاویزات اور معاہدے محفوظ ہیں، اسی طرح اس میں وہ تمام قیمتی کتابیں ہیں جنھیں مختلف حکومتوں نے سلطان عبد الحمید کو ہدیۃً بھیجی تھیں،

۳- تقریباً چالیس ہزار ایسی کتابیں ہیں جو قسطنطنیہ یونیورسٹی کو سوئیزرلینڈ اور مصر سے بعض ترک رئیسوں نے ہدیۃً بھیجی ہیں،

۴ کتبخانوں سے متعلق جمہوریہ ملیہ کے فیصلہ کے مطابق قسطنطنیہ کے متعدد کتبخانوں سے وہ سب کتابیں یہاں بھیج دی گئی ہیں، جن سے اہل علم اکثر مستفید ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا، لیکن ان کتابوں کی تعداد اور ان کی نوعیت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت انکی قیمتوں کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، گرچہ فی نفسہ ان کتابوں کا قسطنطنیہ کی بہترین کتابوں میں شمار ہے، جیسا کہ سب سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے،

غرض یونیورسٹی کا کتب خانہ اپنی روز افزوں ترقی پر ہے، اگر ترقی کی یہی رفتار رہی تو امید ہے کہ اس کا مجموعی ذخیرہ جلد از جلد ایک لاکھ پچھتر ہزار تک پہونچ جائیگا، اور اس وقت بھی قسطنطنیہ میں فرانسیسی زبان کی تمام مطبوعات برابر آتی رہتی ہیں، جو اسی کتبخانہ سے ملحق کر دی جاتی ہیں "

پھر مقالہ نگار تنظیم کتب خانہ کے سلسلہ میں لکھتا ہے،

"گذشتہ سال قسطنطنیہ سے ایک نوجوان ترک فہمی بک کو یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کتبخانوں کی تنظیم کا فن حاصل کرنے کیلئے فرانس بھیجا گیا، فرانس میں فہمی بک پہلے مدرسہ سارت میں داخل ہوئے جہاں علمی اکاڈمی کے طریقہ پر تاریخی عہد نامے اور دستاویز وغیرہ یاد کرائے جاتے ہیں، لیکن یہ مدرسہ انکے حصول مقصد میں معاون نہ ہو سکا، اس لئے وہ ایک دوسرے مدرسہ میں منتقل ہو گئے، جسے امریکن اشخاص نے ابھی حال میں پیرس میں قائم کیا ہے، یہ مدرسہ عہدہ داران کتب خانہ کو امریکن طریقہ پر تعلیم دینے کیلئے قائم کیا گیا ہے، اس میں دو طریقوں سے تعلیم دیجاتی ہے، پہلے نظری پھر عملی، تعلیم نظری میں، فن طباعت، تاریخی کتبوں کے حل اور اصول تاریخ پر لکچر دیئے جاتے ہیں، پھر عملی تعلیم کا یہ طریقہ ہے کہ وہاں کے کتبخانہ وطنیہ کبری کی کتابوں کی جو تقریباً تیس لاکھ ہیں، ترتیب و تنظیم سمجھائی جاتی ہے، فہمی بک نے اس مدرسہ میں داخل ہو کر ان عملی و نظری اسباق سے کافی فائدہ اٹھایا، علاوہ ازیں انھوں نے ساربون یونیورسٹی کے کتبخانہ میں جسمیں تقریباً دس لاکھ کتابیں ہیں اور دیگر کتبخانوں میں جا کر اپنے معلومات میں اضافہ کیا، نیز انھوں نے ان کتبخانوں کی بھی سیر کی جو فرانس میں امریکہ کے طریقہ پر قائم ہیں، کیونکہ امریکہ میں کتبخانوں کی کثرت کی یہ انتہا ہے کہ وہاں تقریباً ہر پردہ اور ہر گاؤں میں علحدہ علحدہ کتبخانے قائم ہیں، اور جن گاؤں میں کتبخانے موجود نہیں ہیں، انکے لئے سفری کتبخانے قائم ہیں، جو ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں، امید ہے کہ فہمی بک قسطنطنیہ واپس جا کر وہاں کے کتبخانوں کی بہترین اصول پر تنظیم کریں گے،

پھر مقالہ نگار سب سے آخر میں لکھتا ہے "اب آجکل قسطنطنیہ میں یونیورسٹی کے کتبخانہ کی کتابیں شمار کی جا رہی ہیں، ساتھ ساتھ ایک جامع فہرست بھی مرتب ہو رہی ہے، لیکن افسوس ہے کہ قسطنطنیہ سے جو نوادر علمی پیشتر ضائع ہو چکے، ان کا نعم البدل بڑی سے بڑی مالی قربانی بھی عطا نہیں کر سکتی"۔

فرانس شمالی افریقہ میں

موجودہ جنگ ریف و اسپین نے مسلمانوں کے دلوں میں شمالی افریقہ کی یاد ایکمرتبہ پھر تازہ کردی کہ یہی وہ سرزمین ہے جو صدہا برس فرماں روایانِ اسلام کے زیرنگیں رہی، اور جس طرح آج یہ تاریخی خطہ یورپ کی حکم برداری کا جوا اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے ہے اسی طرح کبھی اسی سرزمین کی اسلامی حکومتیں اسپین فرانس اور اٹلی کے بعض زرخیز صوبوں پر حکمرانی کرتی تھیں، ہائے، زمانہ نے اب کروٹ بدلی، اور محمد بن عبد الکریم نے ریف کی پہاڑیوں کی چوٹی پر سے اعلان کیا کہ: غلامی کی مدت ختم ہو چکی اب ریف بھی آزادی کا طالب ہے، امید ہے کہ ریف کی آزادی، پورے شمالی افریقہ کی آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، کہ فطرت، جنگ ریف سے تمام شمالی افریقہ کو آزادی کے حصول کا سبق سکھائے گی، چنانچہ مدیر مجلۂ الہلال مصر کا خیال ہے کہ "فرانس غازی محمد بن عبد الکریم سے ریف کے چھوٹے سے ٹکڑے کیلئے نبرد آزما نہیں، بلکہ اب اُسے تمام مقبوضات شمالی افریقہ کی فکر دامنگیر ہے، اسی مناسبت سے مدیر مجلۂ الہلال مصر نے جنوری کے پرچہ میں فرانس کے مقبوضات شمالی افریقہ کے حالات پر ایک مقالہ لکھا ہے جسمیں الجزائر، ٹیونس اور مراکش کے نظام حکومت، طریقہ تعلیم، اور دیگر ملکی حالات پر مفصل اعداد و شمار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ فرانس، شمالی افریقہ پر مستحکم قدم جمانے کیلئے کس حکمت عملی سے آہستہ آہستہ تمام شمالی افریقہ کو اپنی خوبو میں رنگ رہا ہے، ذیل میں اسی مقالہ کی پوری تلخیص درج کی جاتی ہے،

الجزائر

الجزائر بحر ابیض متوسط کے کنارے تقریباً ۱۰۰۰ کلومیٹر (ایک کلومیٹر ۱۰۹۳ گز کا ہوتا ہے) میں پھیلا ہوا ہے، اس کے شمالی سلسلۂ کوہستان میں قبائل بربر سکونت پذیر ہیں جو اس وقت تک اپنی قومی اور وطنی روایات سنبھالے ہوئے ہیں، اور اس کے جنوب میں عرب اور بربری قبائل رہتے ہیں، اس وقت یہ پورا اسلامی خطہ فرانس کے زیر حکومت ہے، الجزائر کو اس لحاظ سے خاص امتیاز حاصل ہے کہ اس کا ایک نمایندہ فرانسیسی

پارلیمنٹ میں بھی منتخب کیا جاتا ہے، اہل جزائر کے اجتماعی طرز بود و باش میں آہستہ آہستہ فرانسیسیوں کے طرز زندگی کا رنگ غالب ہوتا جاتا ہے، ان کے مدارس میں ابتدائی تعلیم بھی فرانسیسی زبان میں ہوتی ہے،

الجزائر کو چار اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک "الجزائر" ہے جسمیں ۵۰۰۰۰۵ باشندے ہیں، دوسرا "قسطنطنیہ" ہے جسکی آبادی ۲۱۶۲۵۱۴ ہے، تیسرا "وہران" ہے اس کے باشندوں کی تعداد ۱۳۰۵۰۱۵ ہے اور چوتھا ضلع جنوبی آبادی پر مشتمل ہے اس کی مردم شماری ۴۴۰۷۴۴۵ تک پہونچتی ہے، اس طرح الجزائر کی مجموعی آبادی تقریباً ساٹھ لاکھ ہے، لیکن یہ سب کے سب وہاں کے خاص باشندے یعنی قبائل عرب بربر اور زنگی نہیں ہیں کیونکہ ساٹھ لاکھ میں سے تقریباً دس لاکھ یورپین ہیں، گویا وہاں چھ میں ایک یورپین ہے،

وہاں کا نظام حکومت، فرانس کے نظام حکومت کے مثل ہے صرف فرق یہ ہے کہ وہاں ایک فرانسیسی حاکم مقرر ہوتا ہے جس کے ماتحت ایک "مجلس اعلیٰ" ہوتی ہے جو ۶۰ ارکان سے مرکب ہوتی ہے ان میں سے ۳۱ ارکان عام انتخاب کے ذریعہ منتخب ہوتے ہیں اور باقی ارکان حکومت کی طرف سے نامزد کئے جاتے ہیں، یہی "مجلس اعلیٰ" نظام حکومت میں حاکم الجزائر کی معاون ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ اہم قرار دادیں منظور ہوتی رہتی ہیں، اس مجلس کے علاوہ ایک دوسری مجلس بھی ہے جو مالی ارکان سے مرتب ہوتی ہے یہ ارکان تجارتی و مالی انجمنوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں، گورنر جنرل بجٹ کی منظوری میں اس مجلس سے مشورہ طلب کرتا ہے، ۱۹۱۹ء کے پہلے تک فرانسیسیوں پر ٹیکس لگانے میں چند خاص رعایتیں رکھی گئی تھیں لیکن ۱۹۱۹ء سے یہ امتیاز مٹا کر فرانسیسیوں اور ملکی باشندوں میں مساوات پیدا کر دی گئی،

الجزائر کے مدرسے فرانسیسی طرز تعلیم پر جاری ہیں، وہاں صرف ایک یونیورسٹی ہے جس سے الجزائر کے تمام مدرسے ملحق ہیں، ان مدرسوں میں تعلیم کے تین درجے قائم ہیں، اول ابتدائی پھر درجہ ثانوی اور پھر درجہ عالی، ان تمام مدرسوں میں ذریعۂ تعلیم فرانسیسی زبان ہے،

عام باشندے زراعت پیشہ ہیں، ہر قسم کے غلہ کی زراعت ہوتی ہے، زمینوں کے باغ بھی کثرت سے

ہیں، اس کے وقت ایک کروڑ تیس لاکھ سے زیادہ ہوں گے،

ٹیونس

ٹیونس، الجزائر کے مشرق میں واقع ہے، یہ اس وقت فرانسیسی حکم برداری میں ہے، یہاں کی آبادی ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے ۲۰۹۳۹۰۴۰ ہے جن میں ۸۴۷۹۹ اٹلی کے باشندے ہیں، ۵۴۴۷۶ فرانسیسی اور ۱۳۵۲۰ مالٹا کے رہنے والے ہیں، ٹیونس میں باشندگان اٹلی کی کثرت تعداد ایک ایسا معمہ ہے جسے آج تک فرانسیسی بھی نہ حل کر سکے، اسی کثرت تعداد کی بنا پر فرانسیسیوں اور اٹلی والوں میں اقتصادی منافع کیلئے ہمیشہ چشمک رہتی ہے، شاہ ٹیونس یہاں کا موروثی بادشاہ ہے لیکن وہ فرانسیسی رزیڈنٹ کے اشارہ پر چلنے پر مجبور ہے، اسی فرانسیسی رزیڈنٹ کے ہاتھ میں عنان حکومت، امور خارجیہ اور فوجی نظم ونسق ہے، اور یہی مجلس الوزراء کا صدر بھی ہوتا ہے،

ٹیونس کے مدارس میں دو زبانوں میں تعلیم دیجاتی ہے، ایک عربی میں ہے جو بچوں کو ابتدائً پڑھائی جاتی ہے، اس کے لئے ۴۵۲ مکتب خانے قائم ہیں جنہیں تقریباً ۲۰۰۰۰ طلبہ پڑھتے ہیں، اور دوسری فرانسیسی زبان کی تعلیم ہے، اس کے ۳۸۱ مدارس ہیں جنمیں ۱۵۰ طلبہ زیر درس ہیں،

الجزائر اور ٹیونس کے اصلی باشندے مسلمان ہیں، لیکن ٹیونس میں ان عربوں کے درمیان ۲۵۰۰۰ عیسائی بھی وطن پذیر ہیں، یہاں کے باشندے بھی زراعت پیشہ ہیں، جو زیادہ تر غلہ اور انگور وغیرہ کی زراعت کرتے ہیں، یہاں کی عام برآمد یہ ہے جو اسی ترتیب کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے، زیتون کا تیل، مختلف غلے،

مراکش

مراکش بھی فرانسیسی حکم برداری میں ہے، صرف شمال میں ایک چھوٹا سا ٹکڑا اسپین کے ماتحت ہے اسی شمالی ٹکڑے میں بلاد ریف واقع ہے، جو اس وقت محمد بن عبد الکریم کے زیر قیادت فرانس اور اسپین سے نبرد آزما ہے، باقی رہا طنجہ تو وہ اس وقت بین الاقوامی ہے، مراکش کا نظام حکومت بھی ٹیونس کے

مانند ہے، کیونکہ سلطان مراکش بھی موروثی حاکم ہیں، اور ٹیونس کی طرح یہاں کا نظم حکومت بھی فرانسیسی ہائی کمشنر کے ہاتھ میں ہے جو نہ صرف داخلی حکومت میں دخیل ہے بلکہ مراکش کے تمام امور خارجیہ اسی سے متعلق ہیں، اس لحاظ سے یہ وزیر خارجیہ کا بھی قائم مقام ہے، اسی طرح فوج پر بھی اسے پورا تسلط ہے، اور جنگی بیڑے کی عنان بھی اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے، سلطان مراکش کے لئے یہ ناممکن ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف ادنیٰ سے ادنیٰ قانون بھی نافذ کر سکیں، یہاں چار وزارتیں قائم ہیں ایک وزارت کبریٰ، امور داخلیہ کے لئے، دوسری وزارت عدل، تیسری وزارت اوقاف کے انتظام کے لئے، اور چوتھی وزارت حکومت کی آراضی خاص کی دیکھ بھال کے لئے قائم ہے، فرانسیسی ہائی کمشنر اس مجلس حکومت کی معاونت کرتا ہے، جو مہینہ میں ایک مرتبہ اپنا اجلاس کرتی ہے، یہ مجلس حکومت وزراء اور فرانسیسی حکم برداری کے مقرر کردہ جلیل القدر عہدہ داروں اور تجارتی مجالس کے نمایندوں سے مرتب ہے،

مراکش کی کوئی مکمل مردم شماری اس وقت تک دستیاب نہ ہو سکی لیکن فرانسیسی خطۂ مراکش کی آبادی تقریباً.....۵۴ ہے، البتہ بعض شہروں کی مردم شماری کے اعداد و شمار مل گئے ہیں، جو ذیل میں میں درج کئے جاتے ہیں،

نام شہر	مراکشی	فرانسیسی	اسرائیلی
فاس،	۶۰۶۳۹	۱۸۹۱	۷۶۸۴
مراکش،	۱۲۶۸۷۵	۱۴۹۴	۱۱۰۴۳
دارالبیضا،	۴۸۷۹۰	۱۹۰۹۸	۱۳۰۱۰
مکناس،	۲۸۲۰۷	۱۸۶۳	۵۷۶۳

اس نقشہ سے واضح ہوتا ہے کہ فرانسیسی زیادہ سے زیادہ تعداد میں مراکش میں وطن پذیر ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس وقت ملک کے اندرونی حصوں میں بھی داخل ہوگئے،

۱۹۲۱ء میں مراکش کے مدرسوں کے اعداد و شمار شائع ہوئے تھے، ان سے معلوم ہوا کہ وہاں ۸۰ مدرسوں میں خاص فرانسیسی زبان میں تعلیم دیجاتی ہے، ۵۰ مدارس ایسے ہیں جہاں فرانسیسی زبان میں تعلیم دیجاتی ہے، اور ۲۴ مدرسوں میں فرانسیسی اور اسرائیلی زبان ہے،

یہاں کے باشندے بھی زراعت پیشہ ہیں، یہاں کی اہم برآمد جو اسی ترتیب سے زیادہ ہوتی ہے، یہ ہے انڈے، السی، چمڑا، لوبیا، بادام، اور جو،

اخبار علمیہ

مصر میں تعلیمی جد و جہد، مصر کے مدارس اور طلبہ کے آخری اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ مدارس مصر کے سال ۱۹۲۴ء ۱۹۲۵ء میں تمام قسم کے مدارس کی مجموعی تعداد ۵۷۳۰، اور وہاں کے طلبہ کی تعداد ۳۱۲۶۱۴ تھی، اگر ان اعداد و شمار کا آج سے تین سال پیشتر یعنی ۱۹۲۱ء ۱۹۲۲ء سے موازنہ کیا جائے تو ان تین سالوں میں مدارس میں ۱۶ فیصدی اور طلبہ میں ۴۴ فیصدی کا اضافہ ثابت ہوگا،

اس مجموعی تعداد میں سے قاہرہ میں ۸۱۱ مدارس ہیں جن میں اس وقت ۱۲۴۵۴ طلبہ زیر درس ہیں، اور اسکندریہ میں ۳۵۵ ہیں جہاں ۵۶۱۱۶ طلبہ ہیں، دیگر اضلاع میں سے غربیہ میں ۱۲۰۰ مدارس منوفیہ میں ۶۶۴، دقہلیہ میں ۵۶۱ اور شرقیہ میں ۵۱۵ مدرسے ہیں،

مشرق کی بیداری، مغرب کے ارباب فکر میں یہ سوال آجکل بہت زور و شور سے زیر بحث ہے کہ کیا مشرقی ممالک کا موجودہ ہیجان اسکی حقیقی بیداری کے ہم معنی ہے؟ چنانچہ ولایات متحدہ امریکہ میں ایک سیاسی انسٹیٹیوشن، ولیمسن انسٹیٹیوشن کے نام سے قائم ہے، جو حکومت کے مشکلات پر انسان کے حاوی ہوجانے کے ذرائع سوچنے کے لیے قائم کیا گیا ہے، اس نے ابھی سب سے آخر میں ایک کتاب "مشرق کی بیداری" کے موضوع پر شائع کی ہے، جس میں چند ایسے ماہرین کے نتائج افکار ہیں جنھیں امور مشرقیہ میں کافی دستگاہ حاصل ہے، منجملہ ان کے انگلستان کے مشہور اہل قلم سر الٹن شرول کا بھی ایک مضمون ہے، جس میں انھوں نے مصر اور ہندوستان پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ مشرق کی موجودہ بیداری حقیقی بیداری ہے، اور ساتھ ہی اہل مغرب کو متنبہ کیا ہے کہ اب مغرب، مشرق کا گلا گھونٹنے سے عاجز آچکا ہے، اسلیے ارباب سیاست

خصوصاً امریکن اشخاص کو چاہیئے کہ وہ مشرق کی اس بیداری کو حقیقی اورمعنوی بیداری سمجھنے کی کوشش کریں"۔

اس کتاب میں ایک فصل جاپان کے اہل قلم مسٹر ترسینی کے قلم سے بھی شائع ہوئی ہے، ان کا خیال ہے کہ "مشرق ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوا ہے لیکن ہاں یہ یقین ہے کہ عنقریب بیدار ہوکر رہے گا"



شمالی یورپ میں اسلامی سکے، ڈاکٹر جارج یوگوپ کا بیان ہے کہ ۱۸۶۳ء میں جزیرہ آئس لینڈ میں چند اسلامی سکے پائے گئے تھے، اسی طرح قطب شمالی کے قریب جزیرہ گرین لینڈ میں بھی پائے گئے تھے، اسی طرح یورپ کے شمالی حصہ خصوصاً روس، جرمنی، اور سوئڈن میں اسلامی سکے کے متعدد خزانے دستیاب ہوئے تھے، لیکن یہ ابھی تک حل نہ ہوسکا کہ یہ اسلامی سکے یہاں تک کیسے پہنچ گئے، ۱۸۵۸ء میں پروفیسر ترنبرگ نے بلاد سوئڈن کے ان مقامات کو شمار کیا تھا جہاں عربی سکے برآمد ہوئے تھے تو ان مواضع کی مجموعی تعداد ۷۹ تک پہنچی تھی، اور ۱۸۷۳ء میں ڈاکٹر ہانس ہلڈبرانڈ نے چاندی کے ان تمام عربی سکوں کو جو جزیرہ جٹ لینڈ میں دستیاب ہوئے تھے، شمار کیا تو وہ ۱۳ ہزار سے زیادہ تھے، اس سلسلہ میں ایک حیرت انگیز اطلاع یہ ہے کہ بلغاریہ، جرمنی، ناروے، انگلستان کے ایسے بہت سے سکے برآمد ہوئے ہیں جن پر نہایت خوبصورت کوفی خط میں نقوش کندہ تھے،



ہوا سے نٹروجن کا حصول، نٹروجن تمام عناصر میں ایک نہایت اہم عنصر ہے، یہ زراعت کیلئے نہایت کارآمد ہوتا ہے، مصر میں نٹروجن کے مرکبات گیہوں اور باجرا کے کھیتوں میں کھاد کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، اس لئے مصر کے کاشتکار نٹروجن کو زراعت کی ضروریات میں جنوبی امریکہ سے شیلی کے روانہ کرنے سے پہلے بھی استعمال کرتے تھے، کیونکہ ان اطراف میں دریا کے ساحلوں پر ایسے پرندے پائے جاتے ہیں جنکی بیٹ میں نٹروجن کے اجزاء موجود ہوتے ہیں، یہی بیٹ کاشتکاروں کو بھیجی جاتی ہے، جو کھاد کے کام میں آتی ہے، لیکن اب یہ بیٹ باوجود اپنی کثیر مقدار کے ختم ہونے کے قریب ہے، اس لئے ماہرین کیمیا نے ایسے طریقے نکالے ہیں جن سے

کسی دوسری جگہ سے نٹروجن کے مرکبات حاصل کئے جاسکتے ہیں، یہ معلوم ہے، کہ نٹروجن کا بڑا حصہ ہوا میں پایا جاتا ہے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک میل مربع زمین کے بالائی حصہ پر ہوا میں بیس کروڑ ٹن نٹروجن پایا جاتا ہے، لیکن اس کے ہوا میں ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، اس لئے ماہرین کیمیا نے اسے ہوا سے الگ کرنے کے دو طریقے دریافت کئے ہیں، اور آج یورپ میں انھیں طریقوں پر عمل درآمد ہے۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک نہایت سخت کہربائی کمان تیار کی جاتی ہے، پھر اس میں ہوا داخل کیجاتی ہے، اس طریقہ سے نٹروجن کے اجزا ہوا سے علحدہ ہو کر کہربائی طاقت کی بنا پر اس کمان میں ثبت ہو جاتے ہیں، اور دوسرا طریقہ یہ ہے جو عام طریقہ سے معلوم ہے کہ جب نٹروجن اور ہٹروجن ایک ساتھ ملا کر گرم کئے جاتے ہیں توان سے ایک نٹروجن کا مرکب تیار ہوتا ہے جسے امونیہ کہتے ہیں اور یہ امونیہ ہیڈروجن اور نٹروجن میں تھوڑا سا لوہا ملادینے سے جلد از جلد تیار ہو جاتا ہے، اس طرح تھوڑے سے نٹروجن سے اسکی کثیر مقدار حاصل ہو جاتی ہے اس وقت انھیں دو طریقوں سے یورپ کے کارخانوں میں نٹروجن حاصل کیا جاتا ہے، اور خصوصاً جرمنی میں آجکل ان طریقوں پر نہایت زور شور سے عمل درآمد ہو رہا ہے، کیونکہ دول حلفا نے جرمنی میں جنوبی امریکہ سے نٹروجن کے داخلہ کی ممانعت کردی ہے، اس لئے وہ ان طریقوں کو کام میں لانے پر مجبور ہوئے، چنانچہ اس وقت جرمنی کے بہت سے کارخانوں اور دیگر ضروریات میں انہیں طریقوں سے حاصل کیا ہوا نٹروجن صرف کیا جارہا ہے،

انگلستان اور فرانس میں تعلیمی اخراجات کا موازنہ، بیان کیا جاتا ہے، کہ اگر فرانس میں مقیم رہکر ایک سال کے تعلیمی اخراجات کیلئے ۱۵۰ پونڈ کافی ہوتے ہیں، تو انگلستان میں ۲۰۰ پونڈ چاہئیں، کیا انگلستان کے دعوی اشاعتِ تعلیم کا یہ مزید ثبوت نہیں؟،

ایک جدید آلہ، امریکہ میں ابھی حال میں ایک ایسا آلہ ایجاد ہوا ہے جو اپنی ظاہری شکل وصورت اور معنوی حیثیت سے بالکل ہاتھ کے مشابہ ہے، کیونکہ دیکھنے میں اس آلہ کی شکل ایسی ہے کہ گویا وہ انسان کا ایک ہاتھ ہے جسمیں پانچ پتلی پتلی انگلیاں بھی لٹک رہی ہیں، سردست اس آلہ کا یہ کام ہے کہ اس میں بوتلیں اور شیشیاں ڈال دی جاتی ہیں، وہ پہلے ان بوتلوں پر لیبل لگاتا ہے پھر انھیں کاگ سے بند کر دیتا ہے، اس کے بعد اسی کاگ پر اپنے کارخانہ کی مہر ثبت کر دیتا ہے، یہ تمام کام صرف اسی آلہ سے بہت جلد انجام پا جاتے ہیں، اس طرح صرف ایک مختصر سا آلہ دس مزدور کے عوض جلد از جلد کام کرتا ہے،

نئی کتابیں کیوں بکتی ہیں؟ لندن کی کسی بک ایجنسی نے فسانہ کی ایک کتاب شائع کی، جب اس کے تمام نسخے فروخت ہو چکے تو اس نے اس کے خریداروں میں سے ۴۲۶۷ اشخاص کے نام خطوط بھیجکر ان سے اس کتاب کی خریداری کا سبب دریافت کیا، ان خریداروں نے جس جس نوعیت کے جوابات دیئے ان کے اعداد و شمار یہ ہیں :- ان میں سے ۱۱۷۴ اشخاص نے یہ بیان کیا کہ انھوں نے اپنے احباب سے اس کتاب کی تعریفیں سنیں اور انھیں کے مشورہ پر ایجنسی سے کتابیں طلب کیں، ۸۰۴ خریداروں نے اس کتاب پر مختلف رسائل میں تنقیدیں پڑھکر اسے خریدا، ۱۱۴۴ خریداروں نے مختلف رسائل میں اس کتاب کے اقتباسات دیکھے تھے، ۸۷۰ اشخاص نے اس لئے خریدا کہ وہ اسی مصنف کی دوسری کتابیں پڑھ چکے تھے جو انھیں پسند آئی تھیں، ۴۴۸ آدمیوں نے یہ بیان کیا کہ وہ اس فسانہ کو پہلے کسی رسالہ میں بالاقساط دیکھ چکے تھے، اس لئے اس کی طباعت کے بعد اسے مسلسل دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، اور صرف ۲۳ اشخاص نے اس لئے وہ کتاب خریدی کہ وہ ملک کی ادبی جدوجہد سے ہمیشہ واقف رہنا چاہتے ہیں، شاید یہ اعداد و شمار ہندوستان کے کتب فروشوں کے لئے سودمند ثابت ہوں،

ادبیات

تحفۂ گرامی،

جناب شیخ غلام قادر صاحب گرامی منصبدار سرکار نظام دکن خلداللہ ملکہٗ

در فقر نہفتہ اند میری	از گرسنگی چکیدہ سیری
ما شکوہ فروش و سست عہدیم	تو زود نواز و دیر گیری
اللہ اللہ چہ بے مثالی،	سبحان اللہ چہ بے نظیری
کارے ز عبودیت کشاید	آزادی ماست در اسیری
دی پیر طریقتم چہ خوش گفت	اے دوست بمیر تا نمیری
یکچند نشیں بمسند فقر،	برخیز ز خواجگی و میری
از و ہر دو رنگ رخت بستیم	ہیچ است چہ طفلی و چہ پیری
یک عشوہ چہ اوّل و چہ آخر	یک فتنہ چہ زودی و چہ دیری
آن نکتہ کہ از خودم برآورد	برخورد بگوشم از نظیری
ہر دیدہ و خواندہ شد فراموش	الّا تو ندیدہ در ضمیری،

از یک خم و یک قدح مے ناب

خوردند گرامی و نظیری،

مکالمہ

(غازی مصطفیٰ کمال و مہاتما گاندھی)

از

پروفیسر محمد اکبر صاحب منیر ملتان کالج

(مصطفیٰ کمال)

اے مرد حق شناس و حق اندیش و حق پرست! روشن جبین تست ز انوار رہبری

ہم بت پرست ہستی و ہم بت شکن شدی شد جمع در تو رسم خلیلی و آذری

صد آفرین بہ ہمت مردانہ وار تو خواہی کہ ملتے برہانی ز چاکری

خوانی حدیثِ مہر و محبت مسیح وار تن میدہی بر نج بعزم پیمبری

ایں تار و پُود فلسفہ لیکن نمی برد زنجیرہائے بندگی و بندہ پروری

شرع مسیح باز ز افرنگ یادگیر تا برکنی اساس تزاری و قیصری

خورشید وار آے بہ شمشیر آبدار تا پردہ ہائے ظلمت شب راز ہم دری

ایں درد را بہ فلسفہ درماں نمی شود،

ایں کار جز بہ خنجر بُرّاں نمی شود،

(گاندھی)

اے ترک شیر دل! دم تیغ تو برق وار آتش زند بہ خرمنِ جور و ستمگری

اے افتخار شرق! بہ تدبیر و رای خویش دادی بہ تُرک باز شکوہ سکندری

آری عصائے موسوی باید کہ تا کسے باطل کند طلسم اباطیل سامری

دانم کہ لازم است سر نیزہ بہر حق، اے مرد پاکباز ! چرا پردہ می دری؟

برمردمان سست عناصر دلم بسوخت خوں جوش زد چو چشمۂ خورشید خاوری

خواہم کہ روح تو بدمم در دیار ہند تا گرد نم ز خون جہانے بود بری

آن ملتے کہ باز نماند ز حرف حق حقا کہ ہست در خور دیہیم سروری

کلک وزبان چو تیغ وسنان است بہر مرد زافرنگیان بخواندہ ام ایں طرفہ داوری

ترسم کہ کار کلک وزبان چون بجان رسد

نوبت بہ تیر و توپ و تفنگ و سنان رسد

کلام شاد

از خان بہادر سید علی محمد خاں شاد عظیم آبادی،

ادھر بھی کاش اک دن وہ سراپا ناز آ نکلے کبھی ہم سے غریبوں کے بھی دل کا حوصلہ نکلے

کہاں تاب و تواں اک عمر کا ہجراں کشیدہ ہو بہ آسانی دم اپنا اپنے تن سے اے خدا نکلے

عدم میں آکے بھی خوف و رجا ہمراہ ہیں اپنے ہنوز آلودہ ہیں نکلے بھی دنیا سے تو کیا نکلے

در و دیوار کی الفت نے بے خود کر دیا سب کو ترے مہماں بہ مشکل تجھ سے اے مہماں سرا نکلے

عدو تک کی بھی خواہی ہے مقصود باطن میں بہ ظاہر ہو زباں پر بد دعا دل سے دعا نکلے

چھری چلتی ہے یارب انتظار قتل میں دل پر گھٹا جاتا ہے دم کب دیکھئے تیغ قضا نکلے

وہ آنکھیں ہیں کہاں جن سے کھلے سب راز عالم کا تماشا دیکھنے بے کار اس میلے کا آ نکلے

پلٹ کر پھر نہ پوچھا شاد جیتا ہے کہ مرتا ہے،

وفادار و! عدم میں جاکے تم بھی بے وفا نکلے،

باب التقریظ والانتقاد

مآثر صدیقی

موسوم بہ

سیرت والاجاہی،

مُصنّفہ

صفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خان بہادر

ہندوستان کی سرزمین نے جو مشاہیر علما پیدا کئے ان میں نواب صدیق حسن خان مرحوم کی ذات مختلف حیثیات کی جامع تھی، اور ان تمام حیثیات کے نمایاں کرنے کے لیے اونکی ایک ضخیم سوانحعمری کی ضرورت تھی، اسی لحاظ سے ان کے خلف الرشید نواب علی حسن خان بہادر نے چار حصّون مین اون کے حالات لکھے ہیں، اور ہر حصے مین اون کی مختلف حیثیات و خصوصیات کے متعلق نہایت مستند معلومات جمع کئے ہیں، نواب صدیق حسن خان مرحوم نسبًا سادات حسینی سے تعلق رکھتے تھے، جو سادات بخاری کے نام سے مشہور ہے، اور اس کا سلسلہ ۳۴ واسطوں سے جناب رسالت مآب صلعم تک منتہی ہوتا ہے، اسلئے مصنّف نے پہلے حصے میں اون کے تمام آبا و اجداد کے جو غالبًا اصلا، اور خیار قوم سے تھے حالات لکھے ہیں اور اس تقریب سے اور بہت سے بزرگوں کے حالات اردو زبان میں آ گئے ہیں جو عام مسلمانوں کے علاوہ خاص طور پر ان سادات کے مطالعہ کے قابل ہیں جنکا سلسلہ نسب انہیں سے کسی بزرگ کے ساتھ وابستہ ہے، دوسرے حصے میں ابتدائے

ولادت سے خود نواب صاحب کے سوانح شروع ہوئے ہیں، جنکا آغاز طالب علمی سے ہوا ہے، اور اسی سلسلہ میں اس دور کے بہت سے علماء و فضلاء کے حالات اور ان کی علمی صحبتوں کا ذکر بھی آگیا ہے، جو غدر کے پس و پیش زمانہ میں تھے، اس کے بعد رفتہ رفتہ انھوں نے ایک رئیس کی حد تک جسطرح ترقی کی ہو اسکی تفصیل کی ہے اور اس سلسلہ میں بھوپال کی سیاسی تاریخ کے متعلق بہت سے اہم واقعات آگئے ہیں جو خاص طور پر دلچسپ ہیں،

تیسرے حصے میں ریاست بھوپال کے تمام انتظامی صیغوں کی تفصیل کیگئی ہی، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب کے زمانے میں ریاست کے تمام کاروبار میں مذہب کا اثر کس قدر سرایت کر گیا تھا، مثلاً صیغہ مذہبی، صیغۂ احتساب، محکمۂ زکوۃ، محکمۂ مساجد وغیرہ متعدد محکمے قائم تھے، جنکے فرائض جدا جدا تھے، علمی حیثیت سے بھی ریاست نے انتہائی ترقی کی تھی، متعدد دینی و دنیوی مدارس قائم تھے، اور کتاب و سنت کے احیاء کا خاص انتظام تھا، متعدد مطابع اور کتب خانے بھی تھے، جنکا حال مصنف نے تفصیل کیساتھ لکھا ہے، نواب صاحب مرحوم کے دورِ حیات کا سب سے آخری اور سب سے اہم واقعہ انتزاع خطاب و سلب اختیارات کا ہے، مصنف نے اس کے تمام وجوہ و اسباب کی تفصیل کی ہے، اور ساتھ ساتھ اُن کے جوابات بھی دیئے ہیں جو نہایت غور و فکر کے ساتھ پڑھنے کے قابل ہیں، نواب صاحب مرحوم کی وفات پر اس حصے کا خاتمہ ہو گیا ہے اور اس کے بعد چوتھا حصہ شروع ہوا ہے، جس میں ان کے عقائد، عبادات، اخلاق و عادات، معمولات و وصایا اور اُن کی علمی خدمات کی تفصیل کیگئی ہے،

اس حسن ترتیب کے ساتھ کتاب نہایت مستند ماخذوں سے لکھی گئی ہے، اولاً تو نواب صاحب مرحوم نے اپنے حالات اپنی مختلف تصنیفات مثلاً اتحاف النبلاء، حطہ بذکر الصحاح الستہ، ابجد العلوم، حظیرۃ القدس، ریاض المرتاض وغیرہ میں خود لکھے ہیں، دوسرے تاج الاقبال تاریخ بھوپال، اور تہذیب النسوان میں خود نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ نے ان کے اکثر حالات درج کئے ہیں، اور مختلف لوگوں نے اپنی تالیفات میں ان کے حالات لکھے ہیں، اگرچہ ایک اجنبی شخص بھی ان ماخذوں سے ان کے حالات لکھ سکتا تھا، لیکن ان کے

علاوہ اور بہت سے حالات دفتر ریاست کے کاغذات، سرکاری تحریرات اور ان کی قلمی بیاضوں سے اخذ کئے جا سکتے تھے، اور اس قسم کے ماخذ مصنف کے علاوہ کسی اور کو دستیاب نہیں ہو سکتے تھے، اور ہم خوش ہیں کہ انھوں نے نہایت سلیقہ کے ساتھ ان تمام ماخذوں سے کام لئے ہیں جابجا حوالے بھی دیئے ہیں اور ان مختلف الانواع معلومات کو نہایت خوبی کے ساتھ اپنے اپنے موقع پر کھپایا ہے، اور معلومات کے اس تنوع نے کتاب کو ہر مذاق کے لوگوں کے لیے نہایت دلچسپ بنا دیا ہے، اور مذہبی، علمی، سیاسی ہر ذوق کے لوگ اس میں اپنی دلچسپی کا کافی مواد پا سکتے ہیں، خصوصاً وہ لوگ جو ہندوستان میں کتبِ احادیث اور مذہب اہل حدیث کی اشاعت کی تاریخ جاننا چاہتے ہیں، عبارت کی چاشنی، اور موقع بموقع اساتذہ کے اشعار مصنف کی پختہ قلمی اور ادب فارسی پر عبور کامل کا پتہ دیتے ہیں،

ان معنوی خوبیوں کے ساتھ کتاب ظاہری صورت کے لحاظ سے بھی نہایت دلکش ہے، مطبع نولکشور میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے، حصوں کی الگ الگ تقسیم نے کتاب کی ضخامت کو بھی ناقابل برداشت نہیں بنایا ہے، چنانچہ پہلا حصہ ۱۰۰ صفحات میں، دوسرا حصہ ۱۴۳ صفحات میں تیسرا ۱۱۲ صفحات میں، اور چوتھا ۲۱۶ صفحات میں آیا ہے، اخیر میں حروف تہجی کے لحاظ سے نواب صاحب مرحوم کی تصنیفات کی فہرست بھی درج کردی ہے، افسوس ہے کہ کہیں کہیں تصحیح نامہ کے بعد بھی الفاظ کی غلطیاں پائی جاتی ہیں،

کتاب دو قسم کے کاغذ پر چھپی ہے، اور مولوی سید کلیم احمد ندوی منیجر شبلی بک ڈپو بھوپال ہاؤس نمبر ۳ لال باغ لکھنؤ، اور دار المصنفین سے ملسکتی ہے، قیمت حصہ اوّل ۱۲؍، حصہ دوم ۱۲؍، حصہ سوم ۱۲؍، حصہ چہارم ۱۲؍

روح تنقید،

مصنفہ

سید ابو الحسنات غلام محی الدین قادری زور بی، اے،

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن اس وقت اردو زبان کی ترقی کے متعلق جو خدمات انجام دے رہی ہے،

ان میں سب سے اہم خدمت یہ ہے کہ وہ اپنے یہاں کے طلبار میں ایک ایسی روح پیدا کر رہی ہے جو اردو زبان کو گرانقدر تصنیفات و تالیفات سے مالامال کرنے کے لیے بیچین رہتی ہے، طلبار کے لیے تعلیم کا زمانہ نہایت مصروفیت کا زمانہ ہوتا ہے، اور اس حالت میں شاذ و نادر ہی ایسے طلبار کی مثالیں مل سکتی ہیں جنھوں نے کسی اہم موضوع پر تصنیف و تالیف کی جرأت کی ہو، لیکن جامعہ عثمانیہ کے ایک طالب العلم سید ابو الحسنات غلام محی الدین قادری زور نے زمانۂ طالب العلمی ہی میں اپنا زور طبع دکھایا ہے، اور ایک جدید اور اچھوتے موضوع یعنی فن تنقید پر ایک کتاب لکھی ہے، جسکا نام روح تنقید ہے، مصنف نے دیباچہ میں سب سے پہلے اردو کے ان تمام مشہور مصنفین کی خدمات کی داد دی ہے، جنھوں نے اردو زبان میں تنقیدی خدمات انجام دی ہیں، اس کے بعد کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور پہلے حصے میں حسب ذیل عنوانات پر تفصیلی بحث کی ہے، تنقید کی تعریف، ادب کی تعریف، ادب کی پیدائش، ادب کی تقسیم، ادب کا مقصد، تنقید کا مقصد، تنقید نگار کے فرائض، تنقید نگار کی نگہداشت، اصول تنقید، میر حسن اور ان کی مثنوی سحر البیان، دوسرے حصہ میں ارتقائے تنقید کی تاریخ لکھی ہے، جس کے مختلف دور ہیں، مثلاً ازمنۂ ماضیہ (یونان) ازمنۂ ماضیہ (روما) ازمنۂ متوسطہ، عصر اصلاح، عصر بیداری اور انکشاف دنیائے جدید، فرانس اور ارتقائے تنقید، انگلستان اور ارتقائے تنقید، تین مشہور نقاد، مروجہ تنقید، چند تنقیدی کارنامے، ان عنوانات کی وسعت اور جامعیت میں کسی قسم کا کلام نہیں، اور اگر ایک خالص انگریزی خواں شخص کے قلم سے اس قسم کی جامع کتاب نکلتی تو داد و تحسین کے سوا ہمارے قلم سے کوئی کلمۂ شکایت بھی نہ نکلتا، لیکن کتاب کی ابتدا میں مصنف کا جو تعارف کرایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دار العلوم میں عربی اور فارسی کی بھی تعلیم پائی ہے اسلیئے اس کتاب میں ایک مستقل عنوان ان تنقیدی کارناموں کا بھی ہونا ضرور تھا جو مسلمانوں کی طرف منسوب کئے جا سکتے ہیں، اسی تعارف میں خوش قسمتی سے ان تنقیدی کتابوں کے نام بھی بتا دیئے گئے ہیں جو مسلمانوں نے اس فن پر لکھی ہیں، لیکن مسلمانوں کے تنقیدی کارنامے صرف تسعرو

سخن ہی تک محدود نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے تاریخ، حدیث، اور فقہ غرض تمام علوم و فنون پر تنقیدیں کی ہیں اور عربی لٹریچر تعقبات سے بھرا ہوا ہے، اسلیے ارتقائے فن تنقید کے سلسلے سے ان کو کسی طرح الگ نہیں کیا جاسکتا، تاہم جہاں تک انگریزی تصنیفات کا تعلق ہے انھوں نے اس کتاب کو نہایت محنت و جامعیت کیساتھ لکھا ہے، اور اس وقت جو لوگ ادبیات اردو پر تنقیدی حیثیت سے نگاہ ڈالتے ہیں ان کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، مکتبۂ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن، یا نظامت منزل کنگ کوٹھی روڈ حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے، قیمت ۱۲؍ ہے،

لطائف الادب

مؤلفہ

مولوی ظفر علی خان صاحب بی، اے،

جناب مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے ملیک کو سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے جب جب چند لمحے سکون و اطمینان کے ملے ان کو انھوں نے اردو علم ادب کی خدمت میں صرف کیا، زیر تبصرہ رسالہ ان لمحوں کی یادگار ہے جو انھیں مانٹگمری جیل میں میسر آگئے تھے، اس رسالہ میں متعدد مباحث پر علیحدہ علیحدہ دس مضامین ہیں، پہلا مضمون "بخت نصر کا خواب" ہے، جسمیں بخت نصر کے اس خواب سے بعثت نبوی کی پیشینگوئی ثابت کیگئی ہے، جسکی تعبیر حضرت دانیال ؑ نے دی تھی، دوسرا مقالہ "تغلق تیمور کا اسلام" ہے اس میں چنگیز خاں کے حملے اور اسکی سلطنت کی سرسری تاریخ پھر تغلق تیمور کے قبول اسلام اور اس بنا پر مغلوں میں اسلام کی عام اشاعت کے حالات بیان کیے گیے ہیں، پھر تحریک اتحاد تورانی" پر ایک بسیط مقالہ ہے جسمیں اس تحریک کی نشو و نما سے آج تک کے مفصل حالات بیان کرکے نتائج اخذ کئے گئے ہیں، "پھردوئی کا ایک درخت" کے ذیل میں عام تفسیروں سے گریز کرکے بہشت کے شجرۂ ممنوعہ کی یہ تفسیر کیگئی ہے کہ وہ کلمۂ خبیثہ یعنی شرک کا مثالی درخت تھا، مؤلف کا یہ نظریہ مفسرین کے نزدیک قابل قبول نہیں، پھر "العقبہ" کے عنوان سے ثابت کیا گیا ہے

کہ انسانوں کو غلامی سے نجات دلانا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا انسان کی فطرت میں داخل ہے، جیساکہ قرآن کریم نے سورہ بلد میں واضح کیا ہے، پھر "صلاح الدین کا ذکر بزم فرنگ میں" کے ذیل میں اٹلی کے ایک مشہور انشاپرداز کے ایک فسانہ کا ترجمہ درج کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ سلطان صلاح الدین اپنے دشمنوں میں کس منزلت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے، پھر سکھ فوج کے ایک برطانوی لفٹنٹ کی ایک کتاب سے، مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دربار" کے عنوان سے رنجیت سنگھ کے دربار کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اس کے بعد ایک تاریخی معجزہ کے ذیل میں نورالدین شہید کے عہد کے ان دو عیسائیوں کے تاریخی واقعہ کو شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے، جو مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کے عقب میں بعض نجس ارادون سے مقیم ہو کر نقب زنی کر رہے تھے اور سب سے آخر میں "تصریحات مونسرات" ہے، یاد ہوگا اکبر نے تحقیقِ مذاہب کے سلسلہ میں ایک عیسائی مشن کو بھی مدعو کیا تھا، مونسرات اسی مشن کا ایک رکن تھا، اس نے اپنی واپسی کے بعد لاطینی زبان میں ایک کتاب لکھی جسے ۱۹۰۶ء میں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے شائع کیا اور اب ۱۹۲۲ء میں اکسفورڈ نے اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں چھپایا، مونسرات نے اپنی تصریحات میں ان تمام واقعات کو وضاحت سے جمع کیا ہے جو اس کے مشن کو دربار اکبری میں پیش آئے، نیز دربار کے دوسرے امور بھی طبعًا بیان کیے ہیں، مونسرات نے مناظروں اور مباحث سے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے وہ مبالغہ، کذب اور افترا سے لبریز ہے، نیز پیغمبر علیہ السلام کے متعلق جو نہایت نا ملائم کلمات استعمال کئے ہیں، مولوی ظفر علی خانصاحب نے اپنے اس مضمون میں اسی کتاب پر مفصل تبصرہ کیا ہے، جابجا سے اقتباسات بھی دیئے ہیں جو یورپ کی "مذہبی بے تعصبی" اور "اخلاق وتہذیب" کی بہترین مثال ہے، غرض لطائف الادب اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ ایک دلچسپ اور دلآویز رسالہ ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، ضخامت ۹۵ صفحے قیمت ۸ر پتہ دفتر منصور بک ڈپو لاہور،

مطبوعاتِ جدیدہ

شاہانِ مالوہ، ہندوستان کی تاریخ میں خاندانِ تغلق کے بعد سے عہدِ اکبری تک کے زمانہ کو "دورِ اختلال" سے تعبیر کیا جاتا ہے، کہ یہی وہ زمانہ ہے جسمیں ہندوستان کے مختلف اطراف میں سلطنت دہلی سے علیحدہ ہو کر متعدد خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں، انھیں خود مختار حکومتوں میں ایک مالوہ کی حکومت بھی ہے جسے دلاور خاں صوبہ دار مالوہ نے قائم کیا، منشی امیر احمد صاحب علوی بی اے نے "شاہانِ مالوہ" کے نام سے اسی حکومت کی قیام حکومت سے اس کے زوال تک کی مفصل تاریخ لکھی ہے جسمیں تمام شاہانِ مالوہ کے دورِ حکومت کو علحدہ علحدہ بیان کیا گیا ہے اور نیز ہر دور کے تعمیرات، شہروں کی آبادی، مالوہ میں علماء و فضلاء کی آمد، اور دیگر تمدنی و معاشرتی حالات بھی بیان کئے ہیں، زبان صاف اور سلیس ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۱۵۹ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت عہ، محمد حسن صاحب مالک انوار المطابع لکھنؤ سے طلب کریں،

قوانینِ عربی حصہ اول، مولوی احمد بخش صاحب مولوی فاضل نے عربی علم صرف کی متداول کتابوں کا استقصار کر کے ایک حد تک علم صرف کے تمام مسائل نہایت اختصار اور جامعیت سے جمع کر کے انھیں "قوانینِ عربی" کے نام سے شایع کیا ہے، ابتدا میں علم صرف کی اصطلاحوں کی تعریف و توضیح کی گئی ہے، پھر حروف ہجا مختصراً سمجھائے گئے ہیں، اس کے بعد علم صرف کے عام قاعدے مختلف ابواب میں تقسیم کر کے بیان کئے گئے ہیں، اور ہر باب کے آخر میں بیان کردہ مسائل کے متعلق سوالات قائم کر کے مبتدیوں سے جوابات لینے کی ہدایت کی گئی ہے، کہ اس طرح مبتدیوں کے ذہن میں تمام مسائل مستحضر ہو جائیں، امید ہے کہ یہ تالیف مبتدیوں کے لئے مفید ہوگی، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۴۳ صفحے لکھائی بچوں کی مناسبت سے جلی ہے، چھپائی اور کاغذ بھی اچھا، قیمت عمر

پتہ۔ عارف اینڈ برادر کشمیری بازار لاہور،

تحفۂ احباب، جناب مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب بہاری نے مختلف آیات قرآن مجید کی تفسیر عربی میں "دلوامع التفاسیر"، کے نام سے لکھی تھی، اب احباب کے اصرار سے اس تفسیر کو خود مؤلف نے اُردو کا جامہ پہنا کر "تحفۂ احباب"، کے نام سے شایع کیا ہے، جس میں اکثر آیتوں کی تفسیر میں مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں، اور بعض آیتوں کے ذیل میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق بعض تاریخی واقعات کی تحقیق کی گئی ہے، اور کہیں کہیں قرآن کے قصص بیان کرکے مسلمانوں کو نصیحت حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، حجم ۱۰۹ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت عہ، پتہ:۔ مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب بہاری بھاگل پور،

سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ اجمیریؒ اُن مقدس بزرگوں میں ہیں جنھوں نے ہندوستان میں اپنے روحانی اثرات سے باشندگانِ ہند کو شمع ہدایت دکھائی، اور یہاں یکہ و تنہا اسلام کی وہ خدمات انجام دیں، جو کئی صدیوں میں تمام مسلمان تاجدارانِ ہند سے نہ ہو سکیں، اسلیے ایسے مقدس بزرگوں کی سوانح حیات کا ایک ایک نقش مسلمانوں کے لیے دلیل راہ ہے، یوں تو اردو میں انکی متعدد سوانحعمریاں لکھی گئیں لیکن ان میں امور خرقِ عادات وکرامات سے زیادہ کوئی شے نہیں ملتی، اسلیے اردو میں ایک جامع سوانحعمری کی شدید ضرورت تھی، جناب مولوی سید الیاس صاحب رضوی نے اس کا احساس کرکے زیر تبصرہ سوانح لکھی ہے، جس میں خواجہ صاحبؒ کی سوانح کا کافی حصہ آگیا ہے، خواجہ صاحبؒ کے واقعات میں سنین کے جو اختلافات ہیں انکی تحقیق کی ہے، اور سوانح اجمیری کی مناسبت سے شہر اجمیر کے جغرافی و تاریخی حالات بھی وضاحت سے آخر میں بیان کئے گیے ہیں، ابتدا میں چند صفحوں کا ایک مقدمہ ہے، جسمیں علم تاریخ کے مختلف دور قائم کرکے اسکی تدریجی ترقی دکھائی گئی ہے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت پتہ:۔ جناب محمد ادریس صاحب

تاجر کتب اجمیر شریف،

تربیت، بچوں کی تربیت اگر انکی ابتدائی عمر سے صحیح اصول پر کیجائے، تو آگے چلکر ان کے بے راہ ہونے کے کم خطرات رہجاتے ہیں، ہماری مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی پستی کی ایک بڑی وجہ بچپن کا غلط اصولِ تربیت ہے، جناب سید شاہ محمد طٰہٰ صاحب نے اسی بنا پر یہ رسالہ تربیت مرتب کیا ہے، جس میں والدین اور سرپرستوں کو مخاطب کرکے بچوں کے مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی حالات کی نگہبانی کے اصول بتائے گئے ہیں، جو اصول بتائے گئے ہیں وہ کارآمد اور عمل پیرا ہونے کے لائق ہیں، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۵ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، پتہ انجمن ہلال اتحاد خسرو پور پٹنہ سے ملسکتی ہے،

ترغیب حساب، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی جدت پسند طبیعت انوکھے اسلوب میں نئی نئی چیزیں پبلک کے سامنے پیش کرتی ہے، خواجہ صاحب نے زیر تبصرہ رسالہ میں عام مسلمانوں اور خصوصاً عورتوں اور بچوں کو فنِ حساب کے سیکھنے کی ترغیب دلائی ہے کہ اس ذریعہ سے احکام مذہبی کی پابندی میں سہولت اور کفایت شعاری اختیار کرنے میں آسانی ہوگی، ضخامت ۳۱ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۲؎ر پتہ:- حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی،

اسلامی رسول، سرزمین پنجاب سے "رنگیلا رسول" کی ترکیب وضع ہوئی معلوم نہیں خواجہ حسن نظامی صاحب کی جدت پسند طبیعت نے تقلید کیونکر گوارا کی کہ اپنے رسالہ کو اسلامی رسول کے نام سے موسوم کیا، رسالہ میں انبیاء کی ضرورت بعثت انبیاء کا قانون فطرت کے مطابق ہونے اور ہر قوم میں انبیاء کے مبعوث ہونے پر گفتگو کرکے آنحضرت صلعم کے اخلاق حسنہ و خصائل کریمہ متعدد کتابوں سے اخذ کرکے جمع کئے گئے ہیں، اور آخر میں بعثت نبوی سے قبل سرزمین عرب کی حالت اور پھر آپ کے مبعوث ہونے کے بعد اس کا اوجِ ترقی پر پہونچنا دکھایا گیا ہے، رسالہ ۳۶ صفحے پر ختم ہوا ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۲؎ر پتہ:- حلقہ مشائخ دہلی،

مجلد ہفدہم | ماہ شعبان سنہ ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء | عدد سوم

مضامین

جمعیۃ العلمار کلکتہ کا خطبۂ صدارت،

یہ خطبہ جسمین عالم اسلام کے ہر قسم کے مسائل پر غائر نظر ڈالی گئی ہے اور علمار کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے اور ہندوستان مین مسلمانون کے حقوق و فرائض سے بحث کیگئی ہے، نہایت اہم ہے، اکثر شائقین اسکا تقاضا کر رہے ہین، اسلئے اون کو اطلاع دیجاتی ہے کہ دفتر مین اس خطبہ کے تھوڑے سے نسخے باقی ہین، جو اصحاب چاہین بقیمت منگوا سکتے ہین، قیمت ۸ ضخامت ۴۸ صفحے

شذرات

ہماری جماعت کا لعل شبچراغ گم ہوگیا

آہ! عبدالرحمان،

اس دو سال کے عرصہ مین ندوۃ العلماء نے اپنے کیا کیا گوہر آبدار کھوئے! ابو الحسنات مرحوم، مفتی یوسف مرحوم، اور آہ کس زبان سے کہین عبدالرحمان مرحوم! دارالعلوم ندوہ نے اپنی تیس برس کی مدت مین جتنے کارآمد اور علم و دین کے خادم پیدا کئے، یقین کے ساتھ کہتا ہون کہ عبدالرحمن ان سب مین بہتر تھا، اللہ تعالیٰ نے اسکی ذات مین علم و عمل کی ساری خوبیان جمع کردی تھین،

لیس من اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

خدا سے یہ محال نہین کہ .... دنیا کو ایک ذات مین جمع کردے

مرحوم کا وطن نگرام تھا، جو ضلع لکھنؤ کا ایک مردم خیز قصبہ ہے، یہان کے انصاریون کا خاندان مدت سے اپنے آس پاس اور اطراف اودھ مین علم و ارشاد کی مسند ہے، مرحوم اسی خاندان کے فرزند تھے، وفات کے وقت ستائیس سال کی عمر تھی گویا ۱۸۹۹ء کی پیدائش ہوگی، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے اعزہ سے حاصل کی، غالباً ۱۹۰۸ء مین وہ دارالعلوم مین داخل ہوئے، اس وقت مین مدرسہ مین ادبیات کا معلم تھا، اور مرحوم نے کچھ ابتدائی کتابین مجھ سے پڑھی تھین، مرحوم کا بچپن آنکھون کے سامنے ہے، اسی زمانہ سے جب وہ مدرسہ مین بہت چھوٹے سے تھے، وہ اچھی، صاف اور سلجھی ہوئی تقریر کرتے تھے، چھوٹی سی عمر

اور چھوٹے سے قد مین انکی یہ ادا ایسی دلفریب تھی کہ وہ جلسون مین تماشا بنجاتے تھے، مولانا شبلی مرحوم جو اچھی استعداد اور قابل جوہر کے ہمیشہ جویان رہتے تھے، وہ خاص طور سے مرحوم کی تربیت سے دلچسپی رکھتے تھے، ایک دو دفعہ جلسون مین وہ اپنے ساتھ ان کو لیکر گئے، مدرسۂ سرائمیر (اعظم گڈہ) کے پہلے یا دوسرے اجلاس مین مولانا جب ان کو ساتھ لائے، تو اس بچہ کی زبان سے ایسے اچھے خیالات اور ایسی سنجیدہ تقریر سنکر لوگ حیرت مین آگئے،

۱۹۰۸ء مین آریون نے شدھی کا پہلا فتنہ اٹھایا تھا، مولانا شبلی مرحوم اس سے بیحد متأثر ہوتے تھے گروکل کے اصول پر مولانا نے خدام الدین کی ایک جماعت بنائی تھی، جسمین ان طلبہ کو داخل کیا تھا، جنکے والدین یا اولیا، اپنے بچہ کو صرف مذہب کی خدمت کے لیے وقف کرسکین، یہ بچے سادہ پہننے، سادہ کھانے اور سادہ رہنے کا عہد کرتے تھے، اور زمین پر سوتے تھے، اس جماعت مین جو طلبہ داخل ہوئے، ان مین ایک یہ مرحوم بھی تھے، یہ جماعت مٹ گئی، اس کا بانی رخصت ہوگیا، حالات بدل گئے، مگر عبد الرحمان مرحوم نے اس حیثیت سے جو عہد کیا تھا، اسکو اخیر تک پورا کیا،

مرحوم نے سات آٹھ برس دار العلوم مین تعلیم حاصل کی غالباً ۱۹۱۵ء مین انھون نے مدرسہ سے تعلیم کی فراغت حاصل کی اس سے ایک سال پہلے دیوبند جاکر مولانا محمود حسن صاحب سے بیعت کی اور اجازت حاصل کی ۱۹۱۴ء مین مولانا شبلی مرحوم نے جو کام چھوڑے تھے ان کے متوسلین اور شاگردون نے ان کا بار اپنے ناآزمودہ کار کندھون پر اٹھا لیا، ان مین ایک دار المصنفین کا قیام اور دوسرا مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کا چلانا تھا، میرے ساتھ مولٰنا مسعود علی، اور مولانا عبد السلام ندوی نے دار المصنفین کا کام سنبھالا، اور دوسری طرف مولانا حمید الدین صاحب کے زیر ہدایت مولانا شبلی متکلم ندوی نے مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ مین لیا، تعلیم سے فارغ ہوکر مرحوم بھی وابستگان شبلی کی جماعت مین داخل ہو گئے اور چار برس تک مدرسہ سرائمیر مین رہ کر درس و تدریس کا فرض انجام دیا، اور مدرسہ مین اپنے زیر تربیت چند اچھے لڑکے پیدا کئے، اسی اثنا مین اضلاع مشرقی مین جونپور سے گورکھپور تک انکی اصلاحی تقریرین

مقبول ہو رہی تھین، اسی زمانہ مین حضرت مولانا حمید الدین صاحب کے زیر سایہ قرآن پاک کا فیض حاصل کیا،

ترک موالات کے شباب مین جب سرکاری مدارس توڑے جا رہے تھے، مدرسہ عالیہ کلکتہ پر چھاپا مارا گیا، اور اسکی جگہ مولانا ابو الکلام صاحب نے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد کلکتہ قائم کیا، اس وقت مرحوم سرائمیر سے کلکتہ گئے اور مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد کلکتہ کی صدر مدرسی کا عہدہ قبول کیا، مولانا ابو الکلام قید ہوئے، مدرسہ کی مالی حالت جیسی تھی، وہ ظاہر ہے، اس مدرسہ کو مرحوم نے چند سال تک جس ایثار، جس محنت، جس جفاکشی سے چلایا وہ حد درجہ حیرت انگیز ہے، مدرسین کو سنبھالنا، لڑکون کو تسکین دینا اور پھر شہر مین اس کا اثر قائم رکھنا معمولی بات نہ تھی، اس تمام مدت مین شاید ہی ان کو اپنے ذاتی معاوضہ کی فکر ہوئی، یا ان کو وہ ہر ماہ مل سکا ہو، اس راہ مین کئی کئی وقت ان پر ایسے گذرے کہ فاقون تک نوبت پہنچ گئی، لیکن پیشانی پر بل تک نہ پڑنے دیا

کلکتہ مین اس زمانہ مین شہر خلافت کمیٹی کے وہ صدر منتخب ہوئے، اور پورے شہر کو اپنے اخلاص، ایثار اور محبت سے گرویدہ بنا لیا، خلافت کانفرنس کلکتہ مین وہ صدر استقبالیہ بنائے گئے، اور کامیاب خدمات انجام دین جنکی یاد اب تک اہل کلکتہ کے دل مین ہے، ۱۰ مارچ کو جب میری زبانی کلکتہ مین ان کی وفات کی خبر پہنچی، وہان کے قومی کارکنون کو سخت صدمہ ہوا، وہ متوقع تھے کہ اجلاس جمعیتہ العلماء کے موقع پر میرے ساتھ وہ مرحوم بھی ہون گے، اور جب ان کو معلوم ہوا کہ میرے ساتھ وہ نہین، بلکہ ان کی حسرتون کی نعش آئی ہے تو چہرون پر ایک عجیب عالم طاری ہو گیا،

مدرسہ اسلامیہ کلکتہ کے بانیون نے جب مدرسہ کو بند کرنے کا تہیہ کر لیا، تو ان کے دوستون نے ان کو وہان سے ہٹا لینا مناسب سمجھا، چنانچہ وہ میرے اصرار پر کلکتہ سے لکھنؤ آئے، اور ۱۹۲۳ء مین دار العلوم ندوۃ العلماء مین ادب و تفسیر کی خدمت ان کے سپرد کی گئی، جسکو انھون نے آخر تک انجام دیا،

ان کو وجع مفاصل کی اکثر شکایت رہتی تھی، مئی ۱۹۲۵ء مین وہ اس عارضہ مین بیمار تھے، اور نقیہ ہو گئے تھے، اس وقت سے جو ان کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا وہ ۲۶ مارچ ۲۶ء کو ختم ہوا، بیچ بیچ مین

تندرست بھی ہوتے گئے، مگر مسلسل صحت قائم نہین رہی، ستمبر ۱۹۲۵ء مین ان کو معدہ وجگر کی خرابی کی بیماری ہوئی اور یہ ممتد رہی، نومبر مین کچھ افاقہ ہوا تو وہ انبالہ ندوۃ العلماء کے جلسہ مین گئے، وہان سے واپس آکر پھر طبیعت خراب ہوئی، مدرسہ سے رخصت لیکر مکان گئے اور اس کے بعد وہ اکثر رخصت ہی پر رہے، بہرائچ مین ان کے بعض اعزہ مطب کرتے ہین، ان کے اصرار پر وہ بغرض علاج بہرائچ گئے اور وہان اصل مرض مین افاقہ ہوتا رہا کہ دفعۃً ان کے داہنے پاؤن مین سرطانی پھوڑا نمودار ہوا جس پر ۵ مارچ ۱۹۲۶ء کو عمل جراحی کیا گیا، جو بظاہر کامیاب ہوا، یہ پھوڑا اس قدر کم اہم سمجھا گیا کہ ان کے وطن مین بھی اسکی اطلاع کی ضرورت نہین سمجھی گئی،

۵ مارچ کا دن گذار کر رات کو کچھ گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے، مگر صبر و استقلال کے اس مجسمہ نے تیماردارون کو خود مطمئن کر دیا، ۶ مارچ کی صبح کو نماز فجر کے وقت نبض جب غیر منتظم پائی گئی، تو ان کے طبیب و معالج و رفیق و عزیز حکیم محمد نعیم انصاری ندوی نے مایوسی کی حالت مین ان سے کچھ وصیتین دریافت کین، حکیم صاحب لکھتے ہین کہ "اس وقت انھون نے جو جوابات دیے وہ ایسے شخص کی زبان سے جسکی حالت بالکل غیر ہو رہی ہو، حد درجہ حیرت انگیز تھے"؛ اس کے بعد خود وضو کیا اور نماز فجر ادا کی، ادھر سلام پھیرا اور ادھر ایک ہچکی کے ساتھ عبد رحمان، رحمان کے پاس پہنچ گیا، اسی دن کی شام کو بعد مغرب لکھنؤ سے دار المصنفین خبر پہنچی، یہ تار برقی نہ تھی ایک بجلی تھی جو دل پر گری، اور تمناؤن کے خرمن کو خاک و سیاہ کر گئی،

مرحوم کی وفات سے نوجوان طبقۂ علماء مین جس رکن کی کمی ہوئی اور ہندوستان مین مذہبی اصلاحی تحریک کو جو صدمہ پہنچا اس کا یقین ان کو کس طرح دلائین جو اس سے واقف نہ تھے، وہ ان لوگون مین نہ تھا جو اصل مذہب اور ضروریات مین تطبیق دیتے وقت مذہب کا پلہ ہلکا کر دیتے ہین، وہ ہمیشہ سے ایک ٹھوس مذہبی آدمی تھا، تقوی اور دینداری اس کے فضل و کمال کا زیور تھا، اکثر وہ لوگ جو اصلاحی

خیالات رکھتے ہین، عملاً مذہب مین کمزور ہوتے ہین، مگر اسکی ذات خشک و تر کا مجموعہ تھی، وہ حد درجہ مذہبی اور حد درجہ مصلحانہ تھا، اسکی تحریر و تقریر کا ایک ایک حرف مذہبی و اخلاقی اصلاحات کا دفتر ہے،

اس کے قلمی خیالات کا پہلا عکس مقالہ خواتین اسلام ہے، یہ رسالہ کی صورت مین ہز ہائنس سرکار عالیہ بھوپال کے اعلان پر غالباً ۱۹۱۵ء مین مرحوم نے لکھا تھا، یہ رسالہ، مضمون کا اپنے موضوع مین منفرد ہے، اس مین آیات و احادیث کی روشنی مین عورتون کے فضائل، مناقب، حقوق، فرائض، اور ادبیات بیان کئے ہین، اتفاق سے میرا بھوپال جانا ہوا، تو معلوم ہوا کہ ہز ہائنس نے اسکو پسند فرمایا اور دیکھا کہ اپنے دست خاص سے جابجا اس پر بعض مباحث کے متعلق مزید تفصیل چاہی ہے، مین اس رسالہ کو بھوپال سے اپنے ساتھ لیتا آیا اور جون و جولائی ۱۹۲۱ء کے معارف مین تھوڑی تمہید کے ساتھ شائع کیا،

سرائے میر کے قیام کے زمانہ مین مدرسہ کے طلبہ کے لیے حدیث و ادب کی تعلیم کے لیے لآلی الحکم کے نام سے مرحوم نے ایک رسالہ لکھا اور وہ چھپا، اس مین وہ حدیثین یکجا کیگئی ہین، جو معنوی تعلیم کے علاوہ لفظی حیثیت سے بھی ادب عربی کی جان ہین، انھی دنون مین میری تالیف لغات جدیدہ کو جسکی ترتیب عربی سے اردو ہے، انھون بدل کر اردو سے عربی کر کے میرے پاس بھیجا، وہ مسودہ اب تک غیر مطبوع ہے، اسی زمانہ مین عید اضحیٰ کا ایک عربی اردو خطبہ لکھا تھا،

قیام کلکتہ کے زمانہ مین سیاسی مضامین مختلف مذہبی، اور فرضی افسانون کی صورت مین لکھے اور اخبارات مین شائع ہوتے رہے، اس قسم کے مضامین کا ایک مجموعہ "درس آزادی" کے نام سے لاہور کے ایک تاجر کتب نے شائع کیا ہے، "عدم تشدد کی فتح" ایک اور سیاسی رسالہ کا عنوان ہے جو کلکتہ ہی مین لکھا گیا تھا، خلافت کانفرنس کلکتہ کا استقبالیہ خطبہ صدارت بھی مطبوع ہے، انجمن تبلیغ الاسلام نگرام کے صدر کی حیثیت سے یہ سنکر کہ آریہ ستیارتھ پرکاش کو عراق عرب مین عربی مین شائع کرنا چاہتے ہین، مرحوم نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کی حق پرکاش کا حشو و زوائد نکالکر عربی مین ترجمہ کیا اور اسکا نام نور الحق رکھا، اور وہ زیر طبع ہے، ندوہ مین میری فرمائش سے عربی مین منطق پر ابتدائی رسالہ لکھا، عزیز مرحوم کے اصلاحی خیالات کا سب سے بڑا مظہر سچ لکھنو تھا،

جسکے وہ شریک انشا تھے، دو سال سے ہر ہفتہ وہ کسی نہ کسی مفید عنوان پر نہایت سادہ عبارت اور پُرتاثیر انداز مین مضامین لکھا کرتے تھے،

مرحوم نے ندوہ مین انگریزی بھی پڑھی تھی، اور اس مین تھوڑی استعداد بھی پیدا کی تھی، قدیم عربی تصنیفات کے مطالعہ کا بھی شوق تھا، اور اسمین بڑی وسعت نظر پیدا ہو گئی تھی، مرحوم کا اصل فن ادب نہ تھا، تاہم وہ اس فن کی مشکل کتابین پڑھاتے تھے، عربی مین برجستہ انشا پردازانہ مضامین لکھتے تھے، چنانچہ رسالہ الجامعہ کلکتہ مین دو تین مضامین ان کے نکلے تھے، عربی مین بلا تکلف گفتگو کرتے تھے اور اسی طرح فلسفہ و کلام کی کتابین بھی وہ دیکھتے تھے، مگر اصلی ذوق انکا اصلاحی اور تجدیدی تھا، اسی لیے علامہ ابن تیمیہ کی تصانیف کے بیحد شایق تھے، سرائمیر کے قیام کے زمانہ مین حضرت مولانا حمید الدین سے تفسیر کا جو فیض اٹھایا وہ اثر ان پر مستقل قائم ہو گیا، مشہور کتب و احادیث پر بھی انکی خاصی نظر تھی،

یہ فضل و کمال، تقریر و تحریر، مطالعہ و وسعت نظر تو الگ چیزین ہین، مرحوم کی زندگی کا اصلی جوہر اسکے اخلاق تھے، سراپا انکسار، سراپا تواضع حد درجہ فروتن، مگر اسی کے ساتھ، حد درجہ بے نیاز، غنی نفس، بلند حوصلہ، اپنے اساتذہ اور بزرگون کا حد درجہ لحاظ رکھنے والا، مطیع اور فرمانبردار مگر اسکے ساتھ خدا کے سوا ہر بڑائی سے نڈر، اور ہر کبریائی سے بیخوف، ترک موالات کے زمانہ مین اعظم گڈھ اور کلکتہ مین انکی سیاسی تقریرین حد درجہ بلا انگیز ہوتی تھین، مگر اسکا دل کبھی خوف سے آشنا نہین ہوا، بڑون بڑون کے سامنے اظہار حق مین خلوص کی تواضع کے اس پیکر کی آنکھ نہین جھپکی، پوری جوانی اور شباب اس سادگی اور زہد سے گذارا کہ زہد و سادگی کو بھی اسکی جوانی پر رحم آگیا ہوگا، گاڑھے کا لمبا کرتا، سادی دوپلی ٹوپی اور اسی کا پائجامہ جو پہلے پہنا وہ اخیر تک جسم پر رہا، ترک موالات سے اسکی وفاداری بہتیرون کی طرح صرف دکھاوے کی نہ تھی بلکہ وہ جلوت مین جس طرح ظاہر کرتا تھا، خلوت مین بھی اسی طرح برتتا تھا، ہمنے شیروانی پہننے کیلئے بہت اصرار کیا مگر غریب کا تبسم جو اسکے چہرہ کا نور تھا، اس کے سوا اور کبھی کچھ جواب نہ دیا، جاڑون مین کبھی ایک دو کمبل سے زیادہ نہین اوڑھا،

وہ انسان کی صورت مین ایک فرشتہ تھا، اُسنے نوجوان ہوکر اپنے اخلاق اور دینداری سے بوڑھون کو شرمایا، ایکدفعہ ایک تقریب سے جسمین ہم سب شریک تھے، وہ صرف اسلیے اٹھ آئے کہ اس مین انگریزی باجہ بجتا، عبد الرحمن! تو گیا اور ہمیشہ کیلیے گیا، تو نے علما، اور مسلمانون کے سامنے اپنی زندگی کا نمونہ پیش کیا، اہل ایمان کی شہادت ہے کہ تیری زندگی خدا کے حضور معتبر ٹھہری، تو رحمت الٰہی کی گود مین مسرور ہوگا لیکن ہم تیری جدائی مین اشکبار ہین، تیرا جسم لحد خاکی مین ہے، مگر تیری یاد تیرے دوستون کے دلون مین ہے، تیری روحانی آرزوین پوری ہو چکی لیکن تیری ذات سے ہماری مادی آرزوئین ناتمام ہین، اور شاید اب وہ ہمیشہ کیلیے ناتمام رہین، مرنا ایکدن سبکو ہے، افسوس اسکا ہے کہ تو آیا اور گیا، مگر لوگون نے تجھکو پہچانا بھی نہ تھا،

مقالات،

جمعیۃ العلماء کا خطبۂ صدارت

خاتمۂ سخن

جمعیۃ العلماء کی صدارت کے تعلق سے جو بسیط خطبہ مین نے دیا ہے، وہ خود معارف کی ایک اشاعت کے برابر ہے، اور اس کے بعض خیالات معارف مین پہلے شائع ہو چکے ہین، خاتمۂ سخن کے طور پر جو باتین آخر مین خاص ہندوستان کے متعلق عرض کیگئی ہین، ناظرین معارف کو ان سے بھی آگاہ رہنا چاہیئے،

خطبۂ صدارت الگ رسالہ کی صورت مین بھی مطبوع ہے،

حضرات! دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ ہم اپنی تمام قوتون کو ایک مرکز پر جمع کرین، ہمارے خیالات واعمال مین جو ایک طوائف الملوکی پیدا ہے، وہ دور ہو، حالت یہ ہے کہ ہم کو مذہبی، تعلیمی، سیاسی، اقتصادی، اصلاحی، تبلیغی، ہر قسم کی ضرورتین ہین، اور ان ضرورتون کے لیے ہمنے الگ الگ انجمنین قائم کرلی ہین، جنمین روزانہ تصادم رہتا ہے، اور ہر ایک کمی سرمایہ سے نالان ہے، اور ہر ایک اپنی مرکزیت کے لئے کوشان ہے، ہمکو معلوم ہے کہ اونچے طبقہ کے لوگ اور اعلیٰ تعلیمیافتہ اصحاب کی جماعت اس پسردی کے ننگ کو گوارا نہ کریگی، لیکن بہرحال ملت کی کثیر تعداد جو عام طبقون پر مشتمل ہے، ضرور اس مین شرکت پر آمادہ ہوگی، ہم کو ضرورت ہے کہ ہم پھر اپنی ملت و قومیت اور تنظیم کی بنیاد اپنی سیزدہ صد سالہ بنیاد پر قائم

کرین اور اصلی جماعت اسلامیہ بنین، تاکہ ہم دشمنون کے مقابلہ مین قوت کا ثبوت دیسکین،

ہندوستان کے ہرطبقہ کے مسلمانون کو یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے، کہ آئندہ ہندوستان کی جو شکل وصورت بھی ہو، بہرحال یہان کی حکومت اسلامی نہ ہوگی، بہتر سے بہتر جو صورت خیال مین آسکتی ہے وہ ایک متحدہ جمہوریت کی ہے، اسلیے ہرحال مین مسلمانون کے لیے ضرور ہوگا کہ اپنے قومی و مذہبی ضروریات کے اپنے آپ کفیل ہون، اور یہی ضرورت بعینہ اس وقت بھی ہے، مسلمانون کی اسلامی و مذہبی تعلیم ان کے مدرسے ان کی مسجدین، ان کے اوقاف، ان کے نکاح وطلاق، و وراثت وغیرہ قوانین ومسائل خاص محکمون کے محتاج مین، اور آئندہ بھی رہین گے، اس وقت ہم جس بے نظامی اور بے ترتیبی کی زندگی بسر کر رہے ہین، وہ حد درجہ قابل افسوس ہے، نظر اٹھائیے، ہم سے کہین کم تعداد مین مسلمان، فلپائن، اسٹریا، ہنگری، بلگیریا، زیکوسیلویا، اور یونان مین ہین، تاہم ان کے تمام قومی و مذہبی صیغے مفتی اعظم کے ماتحت منتظم اور باقاعدہ ہین، ابھی ابھی ہم کے اخیر ہفتہ مین ریوٹر نے ہم کو مطلع کیا ہے، کہ پولینڈ کے تمام مسلمانون نے جمع ہوکر ۲۵ ارکان کی ایک مجلس ترتیب دی ہے اور اس مین چند کارکن منتخب ہوئے ہین، ایک صدر کا انتخاب کیا ہے، تاکہ وہ اس وحدت تنظیمی کے سایہ مین اپنی اسلامی زندگی کو قائم رکھ سکین، مگر افسوس ہے کہ اس سات کرور انسانون کی آبادی کہ وہ اب تک وحدت مرکزی کے اصول کے سمجھنے سے قاصر ہے،

ہندوستان مین، اب، اور اب سے زیادہ آئندہ مسلمانون کو اپنی بقا کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک امارت شرعی کے ماتحت اپنے کو منتظم کرین، تعلیم یافتہ اصحاب کو شبہہ ہے کہ علماء اس پردہ مین اپنی کھوئی ہوئی وجاہت کو دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہین، اسلیے یہ صاف کردینا چاہیئے، کہ اگر ٹرکی مین مصطفےٰ کمال، مصر مین سلطان فواد، عرب مین ابن سعود، ریف مین محمد بن عبد الکریم ریاست اسلامی کا دعویٰ کر سکتے ہین اور اور ہم لوگ اس کے قبول کرنے کو تیار رہین تو کوئی وجہ نہین کہ ہم ہندوستان مین، ایک غیر مسلح، اہل اور صاحب لیاقت قائد کے ہاتھ پر بیعت نہ کرسکین، اس کے لیے باقاعدہ بوریانشین عالم ہونے کی ضرورت نہین صرف

اس کے دل کو اسلام سے آشنا ہونے کی حاجت ہے، اس کے لیے اپنے مذہب اور مذہبی احکام سے ایک حد تک واقف ہونے کی ضرورت ہو، اس قائد کے ماتحت ایک منتخب مجلس شوری ہو اس کے ماتحت تعلیم و تبلیغ تالیف و اشاعت، سیاست، اصلاحات، غیر ملکی تعلقات، مالیات کے مختلف شعبے ہون، ہر ایک شعبہ کا ایک ایک علیحدہ مدیر و ناظم ہو، تمامی محاصل و زکوٰۃ ایک جگہ جمع ہو کر ضروریات پر تقسیم ہون، اور اسی اصول پر صوبون کی امارتین ہون، اور ان کے ماتحت اضلاع کی وعلی ہذا القیاس، اسی کے ماتحت نکاح، و طلاق و وراثت وغیرہ کے محکمے ہون، دار الافتا ہون، جہان سے جدید ضروریات کے متعلق فتوے صادر ہون، اور سائے ملک مین اس مسئلہ مین جو بے ترتیبی ہے وہ دور ہو،

چند سال پہلے جب اس کے لیے موسم مناسب تھا، محض اس لیے بعض اکابر نے اس سے پہلوتہی کی، کہ تمام مسلمان اس پر متفق نہین ہو سکتے، اسلیے جب تک اتفاق عام نہ ہو جائے، اسکو قائم نہ کیا جائے، میری رائے مین صد درجہ غلطی ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی طاقت کے بغیر تمام مسلمان از خود ایک مرکز پر متفق ہو جائین، اسلیے اس خیال خام سے ہٹکر، ہم کو صرف یہ کرنا چاہیئے کہ صوبون مین اس کے متعلق کوششین کرین، جن صوبون مین مسلمان بالکل صفر ہین، جیسے مدراس، ممالک متوسط وغیرہ، وہان اسکی سب سے پہلے ضرورت ہے، اور جس قدر مسلمان بھی اس مسئلہ پر متفق ہو سکین اور اس تحریک پر آمادہ ہو سکین ان کو ساتھ لیکر آگے بڑھنا چاہیئے، آئندہ اس سلسلہ کی خود وسعت ہوتی ہیگی تا آنکہ کسی وقت تمام مسلمان اس حلقہ مین آجائین، اسلام کے عقیدہ مین نظم و جماعت کے بغیر ہم صحیح اسلامی زندگی پر یقیناً قائم نہین ہین، کہ نصب الامامۃ واجبٌ!

جو لوگ اس حقیقت کی تسلیم سے اختلاف کرتے ہین، کیا وہ امامت کے اصولی مسئلہ پر اعتقاد نہین رکھتے، کیا ان کے نزدیک مسلمانون کی اتنی بڑی آبادی مین کسی امامت کی ضرورت نہین، یہ کہنا کہ امامت کیلئے نفوذ و اقتدار ضروری چیز ہے، صحیح ہے، لیکن یہ کامل امامت کی شرط ہے، مسئلہ کی

صورت تو یہ ہے کہ اگر مسلمان کسی امر واجب کے ادا کرنے کی کماحقہٗ اور اس کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرنے پر قادر نہین ہے، تو آیا وہ واجب اس سے ساقط ہو جائے گا، یا حسب استطاعت جہان تک اسکی وسعت و قدرت مین ہو، اس کو ادا کرنا ضرور ہے، نماز کے لیے قیام و قعود اور قرآن پڑھنا تو ضروری ہے، لیکن اگر کوئی بیمار یا اپاہج یا گونگا اس پر قدرت نہ رکھے تو اس سے نماز ساقط ہو جائے گی، یا نماز واجب رہے گی، اور اسکو ادا کرنا اسکی طاقت اور وسعت کے مطابق فرض ہوگا، "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا"

حضرات! سوال یہ ہے کہ آیا ہر ناحیۂ بعیدہ کی امت پر اپنے اپنے ناحیہ مین نصب امامت واجب ہے یا نہین؟ اگر ہے تو اس بنا پر کہ اس کے نفوذ و اقتدار وغیرہ کے شروط پورے نہین ہو سکتے وہ واجب اس سے ساقط ہو جائے گا، یا جس طرح جس حد تک، اور جس صورت تک ممکن ہوگا، اس کا ادا کرنا ضروری ہوگا؟ مسلمانون کی تاریخ مین کیا ایسے واقعات نہین کہ انھون نے اپنی محکومی اور عدم استطاعت کی حالت مین بھی ایک نوع کی تنظیمی مرکزیت قائم رکھی، چھٹی صدی مین جب کافر تاتاریون نے ایران و خراسان و ترکستان و عراق پر قبضہ کر لیا تو کیا علمائے وقت نے اُس کے لیے مسلمان والی کے مطالبہ کا مسئلہ پیش نہین کیا؟ جو آج ہماری کتب فتاویٰ کا ایک باب ہے، اس وقت بھی جب مسلمانون کا اوج اقبال تھا تجارتی ضرورتون سے ان کو دوسری غیر اسلامی سلطنتون مین آمد و رفت اور سکونت اختیار کرنی پڑتی تھی، لیکن انکی اسلامی تنظیمی وحدت کا سررشتہ یہان بھی ان کے ہاتھ سے نہین چھوٹتا تھا، تیسری صدی ہجری مین مسلمان تاجرون کی نوآبادی چین کے شہر خانفو مین تھی، مگر وہ کس طرح رہتے تھے، اور ان کے احکام و معاملات کیونکر فیصل پاتے تھے، سلیمان تاجر اپنے تیسری صدی ہجری کے سفرنامہ مین لکھتا ہے،

ان بخانفو وھو مجمع التجار رجلا مسلما	شہر خانفو (چین) مین جو (مسلمان) تاجرون کا مرکز ہے،
یولیه صاحب الصین الحکم بین المسلمین	ایک مسلمان ہے جسکو شاہ چین ان مسلمانون کے درمیان
الذین یقصدون الی تلك الناحیة	فصل احکام کے لیے مقرر کرتا ہے جو اس ملک مین جاتے ہین

يتولى ملك الصين ذلك واذا كان في	شاہ چین اسکو چاہتا ہے، اور عید جب آتی ہے تو وہ مسلمانوں
العيد صلّى بالمسلمين وخطب ودعا لسلطان	کی نماز کی امامت کرتا ہے، اور خطبہ پڑھتا ہے، اور بادشاہِ اسلام
المسلمين وان التجار العراقيين لا ينكرون	کے لیے دعا کرتا ہے، اور عراقی تاجر اسکی ولایت کے احکام اور
من ولايته شيئًا في احكامه وعمله بالحق	حق کے ساتھ اور کتاب الٰہی اور احکام اسلامیہ کے ساتھ
وبما في كتاب الله عز وجل واحكام الاسلام	اسکے جاری کردہ حکموں سے سرتابی نہین کرتے،

(۱۸۱ مطبوعہ پیرس ۱۸۱۱ء)

عراقیون کی فارسی زبان مین اس مسلمان والی، یا قاضی کا نام ہنرمند تھا، جو عام استعمال مین ہنرمن بولا جاتا تھا، خود ہندوستان کے مختلف ساحلی شہرون مین جہان جہان مسلمان آبادیان تھین یہ ہنرمند غیر اسلامی سلطنتون مین اسلامی تنظیم و قضا کے ذمہ دار نظر آتے ہین،

چوتھی صدی ہجری کے جہاز ران بزرگ بن شہریار اپنے سفرنامۂ عجائب الهند مین صیمور (مدراس کے قریب) مین عباس بن ماہان سیرافی ہنرمند کا تذکرہ کرتا ہے ۔

انه كان بصيمور رجل من اهل سيراف يقال	صیمور مین سیراف کا ایک شخص تھا جسکو عباس بن ماہان کہتے
له العباس بن ماهان وكان هنرمن المسلمين	تھے اور جو وہان مسلمانون کا ہنرمند تھا اور شہر کا ذی وجاہت
بصيمور ذو وجه البلد والمنضوى اليه	اور وہان کے پناہ گزین مسلمانون کا مرکز تھا،

من المسلمين (صفحہ ۱۴۲ ایرل) ۔

وہان کا راجہ مسلمانون کے متعلق اسی کے فتوی پر فیصلہ کرتا تھا، اسی مقام مین ۳۰۴ھ مین مشہور سیاح مسعودی پہنچتا ہے، وہ کہتا ہے،

على الهنرمنة يومئذ ابو سعيد معروف	ہنرمندی کے منصب پر ان دنون ابو سعید معروف بن زکریا
بن زكريا. والهنرمنة يراد به رئيس المسلمين	تھا اور ہنرمند سے مراد رئیس المسلمین ہے اور اس کی

وذلك ان الملك يملك على المسلمين ساجلا من سائسائهم تكون احكامهم مصروفة اليه (مروج الذهب ۲ صفحہ ۸۶ یورپ)

صورت یہ ہے کہ راجہ مسلمانون پران کے رئیسون مین سے ایک کو افسر بنا دیتا ہو، مسلمانون کے تمام مقدمات و احکام اسی کی طرف رجوع ہوتے ہین،

حضرات! یہ تو گذشتہ عہد کا بیان تھا، آج بھی مسیحی طاقتون کے ماتحت جہان مسلمان آباد ہین، کسی نہ کسی حیثیت سے اس قسم کی تنظیم جاری ہے، ابھی تو نو پید املک پولینڈ کے مسلمانون کی مجلس کا ذکر کرچکا ہون بولشویک روس مین بھی مسلمان قازان کی مجلس دینیہ اسلامیہ کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہین، خود ہندوستان مین سلاطین کے عہد مین صدر جہان کے نام سے اس قسم کا عہدہ قائم تھا جس کے ماتحت تمام قضاۃ و محتسب و ائمہ ہوتے تھے، تاتاری کافرون کے استیلاء کے زمانہ مین اس عہد کے علماء نے اسی بنا پر "مسلمان والی" کے پہلو پر زور دیا، ممکن ہے کہ بعض اصحاب گذشتہ مثالون کو سامنے رکھکر یہ کہین کہ اس کے لیے حکومت مستولیہ کی حمایت و منظوری ضروری ہے تاکہ یہ منصب صاحب نفوذ و اقتدار ہو سکے اگر اس قسم کے معترضین کی اصلی غرض یہی ہے تو ان کو اصل مسئلہ کے انکار کے بجائے صاف صاف اپنی اس نیت کا اظہار کر دینا چاہیئے، ہمارے نزدیک تو مقصود مسلمانون کو فائدہ پہنچانا ہے، اور وہ ان کے گلے مین ایک اور طوق کے اضافہ سے ممکن نہین، اس مسئلہ کے شرعی پہلو پر امارت شرعیہ بہار نے اس قدر مواد فراہم کر دیا ہے، کہ شک کی مزید گنجائش نہین،

حضرات! اس قسم کے نظم ملت سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانون کی وحدت ملی نمایان ہو، ان کے تمام مذہبی و ملی کام منتظم ہون، ان کی ضرورتین پوری ہون، ان کے مصارف و مداخل ملی مین ایک تنظیم پیدا ہو، اور اصلی جماعتی روح ان مین نمایان ہو، دارالافتاء، دارالقضاۃ اور بیت المال کا قیام ہو، ان کے غریبون اور محتاجون کی باقاعدہ امداد ہو، اونکی معاشری خرابیون کی اصلاح ہو، تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ قائم ہو، ان کے مکاتب و مدارس مالی نزع سے نجات پائین،

اس نظم ملت کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانون کے تمام اعلیٰ وادنیٰ طبقے نکاح وطلاق ووراثت
کی سخت معاشری مشکلات مین ہین آجکل آپ مین سے جن اصحاب کے پاس ملک کے اطراف سے
فتوے آتے ہون، وہ گواہی دینگے کہ اعلیٰ طبقہ کی عورتین خلع کے رواج پذیر نہونے کے باعث کس قدر
مصیبت مین ہوتی ہین، ظالم شوہرون سے نجات پانے کے لیے انتہا یہ ہے کہ اعلیٰ خاندان کی عورتین
شومیِ قسمت سے تبدیل مذہب تک کی جرأت کرلیتی ہین، نیچے طبقہ کی مسلمان عورتون مین فوری و
بدعی طلاق کی صورتین مفقود الخبری عدم ادائے نفقہ اور فسخ نکاح کی متعدد صورتین پیش آتی ہین، جنکے
علاج سے ہم اس نظم وامارت کے بغیر قطعاً مجبور ہین، کیا امت محمدیہ کی یہ حالت علمائے کرام اور مسلمانون
کی توجہ کے لائق نہین، اوقاف کی بے ترتیبی مساجد کی کس مپرسی، اماموں کی جہالت، اصلاح کی محتاج نہین
مسلمانون مین شادی بیاہ کے مراسم، مشرکانہ افعال اور سوء اعتقاد کی ظاہر مثالین ہم کو ادائے
فرض کی دعوت نہین دیتین ؟ مسلمانون کی اقتصادی بربادی سب سے زیادہ توجہ کے لائق ہے جسکا
بڑا سبب علاوہ دیگر خلاف شرع اعمال کے یہ مراسم بھی ہین، ہمارے صوبۂ بہار مین آج سے پچاس ساٹھ برس
پہلے بارہ آنہ زمینداری مسلمانون کے ہاتھ مین تھی اور آج انھین فضول خرچیون کی بدولت بارہ آنہ دوسرون کے
ہاتھ مین ہین، چار آنے ان کے ہاتھ مین ہین، اسی لیے ضرورت ہے کہ جدید اقتصادی و مالی مشکلات پر
شرعی حیثیت سے علماء غور کرین، اور جدید اقتصادی و مالی صورتون مین جس صورت کا جو حل اور جواب ہو
اسکی اشاعت کیجائے، سب سے زیادہ پرشور مسئلہ آجکل ہندوستان مین اخذ ربا کا ہے، نیز سرکاری بنکون
ڈاکخانون اور کوآپریٹو سوسائیٹیون سے اخذ منافع کا ہے، نقدین کا کاروبار مسلمان نہین کرتے، کیا اسکی
طرف توجہ کی ضرورت نہین، تجارتون کی طرف مسلمان ملتفت نہین، اسراف انکا خاص امتیاز ہے،
یہ تمام باتین علماء کے طے کرنے اور جمعیۃ العلماء کے حل کرنے کی ہین، اور نظم ملت کے فرائض مین ہین،
مسلمان قومون کے لیے یہ امر کس درجہ باعث شرم ہے کہ انکی برادری مین بعض ایسی قومین اور ایسے

خاندان بھی ہین جو وراثت کی نص صریح سے روگردان ہوکر رواج کو اپنا قانون بنائین، اور علانیہ ایک عدالت مین مسلمان اپنی قومیت تباکر بھر یہ کہین کہ قرآن پاک ہمارا قانون نہین، بلکہ خاندانی رواج ہمارا قانون ہے پنجاب اور بمبئی کی بعض مسلمان قومون مین ہندو قانون کی پیروی کس حد درجہ افسوسناک ہے، لڑکیون کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھنا جاہلیت کا وہ طریق ہے جس کے مٹانے کے لئے سرکار عالم محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت ہوئی، بمبئی کے کچھ میمنون مین اور بعض دوسری قومون مین افسوس ہے کہ اس جاہلیت کی رسم پر اب تک عمل درآمد ہے، اور سب سے زیادہ یہ سنکر مجھکو افسوس ہوا ہے کہ پونہ کے بعض بنے ہوئے مولویون نے ایسے ظالمون کی حمایت مین کچھ مسئلے گھڑے ہین، انا للہ

حضرات! ہندوستانی مسلمانون کو دشمنون کے معنوی حملوں سے بچانے کے لیے سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہین ہے کہ ناقص مسلمانون کو کامل مسلمان بنایا جائے، شدھی کے روکنے کے لیے یہی تدبیر ہے کہ دیہاتون اور دور دراز علاقون اور خاص نومسلم رقبون مین بکثرت مذہبی مکاتب جاری کئے جائین، غور فرمائیے کہ ایک مسلمان کو نامسلمان بنانا یہی ہے کہ اسکو علم اسلام سے آگاہ نہ کیا جائے، اگر مسلمانون کا کوئی رقبہ مذہبی تعلیم سے سراسر ناآشنا ہے، تو وہ بظاہر جو کچھ ہو عملاً وہ گویا مسلمان نہین اور اس مین اور اس کے ہمسایہ ہندؤن مین چندان فرق نہ ہوگا، اسلئے کیا تعلیمی، کیا اصلاحی اور کیا تبلیغی ہر حیثیت سے دیہاتون مین مسلمانون کو مذہبی جہالت سے نکالنا سب سے بڑا فرض ہے،

ایہاالسادہ، اسی سلسلہ مین جمعہ کے خطبون کی اصلاح بھی اشد ضروری ہے، اہلحدیث اصحاب اور بہت سے علماء نے تو اردو زبان مین خطبہ دینے کے جواز کو تسلیم کر لیا ہے، تاہم اب بھی بہت سے علماء کو صرف اردو زبان مین خطبہ دینے مین تامل ہے، اگر اتنا بھی تسلیم کر لیا جائے کہ عربی کے ساتھ ساتھ اردو مین دینا جائز ہے، تو بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے اکسی اختلافی مسئلہ کو چھیڑنے کا جرم عائد نہ کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ غیر مجوزین کے پاس سوائے عمل سلف کے غیر عربی زبان مین خطبہ کے عدم جواز کی

کوئی دلیل نہین، عمل سلف کے استدلال کے متعلق عرض ہے کہ طریق سلف کے مطابق خطبہ مین حسب ذیل خصوصیتین ہوتی تھین، وہ عربی زبان مین ہوتا تھا، وہ زبانی پڑھا جاتا تھا، کسی کتاب مین دیکھ کر نہین پڑھا جاتا تھا، اسکی صورت تلاوت اور قرأت کی نہ تھی بلکہ مختصر زبانی تقریر کی ہوتی تھی، اس مین آیات واحادیث کے التزام کے ساتھ مسائل حاضرہ ومتجددہ پر مسلمانون کو فہمائش ہوتی تھی، ایک ہی خطبہ کسی کا لکھا یا رٹا ہوا صدیون تک نہین پڑھا گیا، وہ سلاطین زمانہ کی مدح وستائش سے پاک ہوتا تھا، اس مین تغنی نہین ہوتی تھی، وہ مقفی اور مسجع بے معنی عبارت نہین ہوتی تھی، مگر ان تمام خصوصیات کو تو بلانکیر ترک کر دیا، اور صرف عربی کی خصوصیت پر زور دینا قرین صواب نہین، اگر عربی کی قید نہ رہے تو حصول فوائد کے علاوہ محض ایک "بدعت" کو قبول کرکے متعدد بدعات سے ہم محفوظ ہو جائینگے، جمعیۃ العلماء کی تجویز مین یہ چیز بھی آنی چاہیئے کہ وہ سال بسال امامون کی ہدایت کے لیے مختلف خطبے جو ضروری وپیش آمدہ ضروریات پر محتوی ہون شائع کرتی رہے، اسی طرح قرآن مجید جو تمام دنیا کے لئے آیا ضرورت ہے کہ اس کے ترجمے تمام دنیا کی بانون مین ہون تاکہ قرآن بلسان قومہ ہوکر رب کی ہدایت کو ہر جگہ عام کردے، خدا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور ان کے خاندان پر رحمت بھیجے جنھون نے فارسی اور اردو ترجمہ کرکے اس مسئلہ کو علمائے خلف کے اختلاف آراء سے بچا لیا، مصر وترکی مین اب تک قرآن پاک کے جواز ترجمہ اور عدم جواز مین معرکۃ الآرا بحثین درپیش ہین، لیکن اے صاحبو! اسی کے ساتھ اس فتنہ کو بھی روکنا چاہیئے جو آجکل ہندوستان مین عام ہو رہا ہے، کہ ہر اہل و نا اہل تجارتی اغراض سے ایک نئے ترجمہ کی بدعت مین گرفتار ہے، ان ترجمون مین باہم اس درجہ اختلاف ہے کہ خدانخواستہ اگر اصل (بحکم وانا لہ لحافظون) محفوظ نہ ہو تو تحریف کے عمل گناہ سے مفر نہین، یہانتک کہ بعض جاہل وطامع تاجرون نے قرآن پاک کے منظوم ترجمہ کی بھی جرأت کی مگر افسوس ہے کہ ہم اپنی شرعی امارت ونظم ملت نہ ہونے سے اس کا کوئی علاج نہین کرسکتے،

اس کے ساتھ قرآن پاک کی طبع و اشاعت کی احتیاط کا بھی سوال ہے، ہمارے نزدیک تو قرآن پاک کو غیر اسلامی مطابع مین چھپنے کے قانونی مسئلہ پر زور دینا چاہیئے، اسی کے ساتھ مطابع اور اسلامی مطابع تک کی جس مین سب سے آگے لاہور کے مطابع ہین، قرآن پاک کے اعراب و الفاظ وغیرہ کی تصحیح مین بے پروائی سخت افسوسناک ہے ہمنے چند قرآنون کو ایک ساتھ ملاکر دیکھا تو ہر صفحہ مین غلطیان نظر آئین، پیشاور کے ایک بزرگ نے اس قسم کی غلطیون کی مثالین چھاپکر شائع کی ہین، اور افسوس ہے کہ صاحب مطبع ہونے کی بنا پر اس گناہ مین ہم بھی کسی قدر شریک ہین، مصر و ٹرکی مین قرآن پاک کی تصحیح مین سرکاری طور سے اس قسم کی تصحیح اور صحیح قرآن چھاپنے کی کوشش کیجاتی ہے، ابھی حال مین اسی ٹرکی مین جسکو شاید بہت سے لوگ بیدین ٹرکی کہنے کو تیار ہوجائین گے حکومت نے اپنی خاص نگرانی مین قرآن پاک کی اشاعت کی،

حضرات! جب یہ سطرین زیر تحریر تھین، مصر سے ایک نئی تالیف نقض کتاب الاسلام و اصول الحکم محمد خضر حسین سابق مدرس جامع زیتونہ و قاضی محکمہ شرعیہ تونس کی موصول ہوئی، جسمین مصنف نے قاضی عبد الرزاق مصری کی کتاب الاسلام و اصول الحکم کا جس کے فتنے کا ذکر پہلے آچکا ہے، نہایت شافی وکافی جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام اور سیاست کبھی مذہبًا الگ نہین ہوسکتے، اور اسلامی قوانین کی بنیاد شریعت پر رکھی جاسکتی ہے نہ کہ رومن لا اور قوانین یورپ پر، جزاہ اللہ خیر الجزاء، ضرورت ہے کہ ہماری جمعیۃ العلماء بھی اس بارہ مین مصر و تونس کے علمائے حق کی تائید اور مخالفین سے اپنی برأت ظاہر کرے،

آخر مین ایک چیز کی طرف مجھکو اور مسلمانون کو متوجہ کرنا ہے، اور وہ دار الاسلام ہے، مدت سے یعنی ۱۹۰۸ء سے جب مین ندوۃ العلماء کے صیغہ اشاعتِ اسلام کا نائب ناظم تھا، یہ خواہش میرے دل مین ہے کہ نومسلمون کے قیام و تعلیم و تربیت کے لیے کوئی خاص جگہ بنائی جائے، جسکا نام دار الاسلام ہو، جس طرح یتیم خانے آپ نے قائم کئے ہین، نومسلم خانے بھی آپ قائم کیجئے، عہدِ حکومت مغلیہ مین دار وغہ

جدید الاسلام کے نام سے ایک عہدہ تھا نومسلمون کی غور و پرداخت وغیرہ اس کا فرض تھا، اس کو بہت سی سرکاری اعانتین ملتی تھین، آجکل جو لوگ اسلام قبول کرتے ہین، انکی بہت بری حالت ہوتی ہے، اسلام کے بعد سب سے پہلی تعلیم جو ان کو دیجاتی ہے وہ گداگری کی ہے، کیا یہ اسلام کے شایان شان ہے؟ زکوٰۃ کے مصارف مین اللہ تعالی نے ایسے لوگون کا ایک حصہ رکھا ہے اور اس مد سے باقاعدہ اسکے لیے مصارف ادا ہو سکتے ہین، پھر بتدریج یہ بھی ضروری ہے کہ ملک کے مختلف خاموش اطراف مین اس قسم کے متعدد دار الاسلام قائم ہون، جہان ایک سے دوسری جگہ نومسلم حسب حال منتقل ہو سکین، اور وہان وہ کچھ اسلامی تعلیم اور کوئی حرفت سیکھین، یا مسلمان زمینداران کو کاشتکاری کے کامون مین لگائین، غور کیجئے کہ اس وقت چھوٹی چھوٹی صنعت و حرفت کے تمام کام دیسی نوعیسائیون کے ہاتھون مین ہین، علاقۂ ترہت کے راج مین جسقدر دیسی عیسائی ہین وہ بڑھئی اور لوہار کے کام سے بخوبی اپنی پرورش کر رہے ہین، پونہ، لاہور، لکھنؤ وغیرہ بڑے شہرون مین جلد سازی، چھپائی، اور اسٹیشنری کے متفرق کام ان کو سکھائے جاتے ہین، کیا آپ ایسا نہین کر سکتے

حضرات ابھی تو کہنے کی بہت باتین ہین، خوشنما تجویزون کا ایک انبار لگایا جاسکتا ہے، لیکن جب یہ خیال آتا ہے کہ ہم کو کہنے کی جسقدر قوت ہے افسوس اس قدر کرنے کی نہین تو وعید لم تقولون ما لا تفعلون سے ڈر معلوم ہوتا ہے ؛

فلو ان قومی انطقتنی رماحهم

اگر میری قوم کے نیزے مجھے نطق بخشتے تو مین بولتا ،

نطقت و لکن الرماح اجرت

لیکن افسوس کہ انھون نے میری زبان بند کر دی ہے

ونسأل اللہ التوفیق لما یحب و یرضی، والعاقبة للمتقین

سراج اورنگ آبادی،

از مولوی بشیر احمد صاحب برہانپوری پرشین ٹیچر ہائی اسکول دھولیا،

جب سے یہ پتہ چلا ہے کہ دکن اردو کا گہوارہ تھا، اور دکنی صدہا سال قبل اردو کی نظم و نثر پر حاوی تھے، تب سے خطۂ دکن مین ایک ہلچل سی پیدا ہوگئی ہے، اور ہر فرد بشر اس دھن مین ہے کہ کوئی پرانی کتاب مل جائے، تاکہ اسلاف کے زرین کارنامے منظر عام پر لائے جائین۔ خدا کا شکر ہے کہ اہل دکن کی یہ کوششین رایگان نہین گئین، آئے دن ایک نہ ایک کتاب دستیاب ہو ہی جاتی ہے، پہلے پہل کلیات قلی قطب شاہ نے اہل شوق کو اپنے دیدار سے مسرت بخشی، بعد ازان سب رس نے شائقین کو سوم رس پلایا، اس کے بعد طوطی نامے کا طوطی بولا، اور اب دیوان سراج نے اپنے چہرے سے فروغ نو پیدا کیا ہے،

یہ دیوان جناب سید قادر محی الدین جیلانی صاحب ساکن اورنگ آباد کے ہان دستیاب ہوا، سراج کی ایک اردو مثنوی موسوم بہ بوستان خیال بھی ان کے پاس تھی، جو چند روز قبل حیدرآبادی حضرات لے گئے، سراج نے پہلے اپنے رطب ویابس کلام کا ایک کلیات ترتیب دے رکھا تھا، اور زیر بحث دیوان اسی کا انتخاب ہے چنانچہ خود مصنف نے اس کے بارے مین لکھا ہے کہ ؎

اے سراج اس منتخب دیوان کے سب ریختے　　خامۂ مژگان خوبان سے ہین لائق صاد کے

یہ دیوان نہایت خوشخط ہے، اور ۱۱۶۱ھ کا لکھا ہوا ہے، جدول سنہری ہے اور کہین کہین درمیان مین سنہری افشان بھی ہے، شروع کے چند صفحات پر نہایت نفیس نقش و نگار ہین، تقطیع معارف کے برابر ہے اور صفحات ۲۵۸ ہین، اختتام پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے ،:-

"تمت تمام بعون الملک العلام - دیوان من تصنیف شاہ سراج الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بروز دوشنبہ شہر صفر المظفر ۱۱۶۱ھ،

یہ دیوان شاید خواجہ محمد جان صاحب بہادر قوی جنگ کے کتبخانے مین رہ چکا ہے، چنانچہ مندرجہ بالا عبارت کے نیچے ان کی اس طرح مہر ثبت ہے۔

مہر خواجہ محمد جان بہادر
قوی جنگ ۱۱۸۰ھ

اس کے بعد یہ کتاب ایک فرنگی کپتان کے قبضے مین گئی جیسا کہ ان کے منشی میرزا محمد حسین کی عبارت ذیل سے ظاہر ہے:-

این کتاب از مال کپتان فارسن صاحب بہادری باشد، خوش خرید نمودند کاتب الحروف میرزا محمد حسین عفی عنہ منشی صاحب مذکور، مورخہ ششم ماہ جمادی الاول ۱۲۳۷ھ،

زیر بحث دیوان سراج کے پہلے دیوان کے دس سال بعد لکھا گیا ہے، پہلا دیوان ۱۱۵۱ھ مین ترتیب دیا گیا تھا،

حالاتِ سراج

نام شاہ سراج الدین، اور تخلص سراج ہے، سادات حسینی سے تھے، خاص اورنگ آباد کے باشندے تھے، شعرائے قدیم ان سے واقف تھے، میر تقی میر نے نکات الشعراء مین اور میر حسن نے اپنے تذکرۃ الشعراء مین ان کا ذکر کیا ہے، لیکن دونون کو سراج کے پورے پورے حالات معلوم نہ ہو سکے، اشعار بھی زیادہ نہ مل سکے، چمن بے نظیر مین چند غزلین پائی جاتی ہین، چونکہ یہ کتاب (چمن بے نظیر) بمبئی مین ۱۲۷۲ھ مین چھپی ہے، اسلئے ممکن ہے کہ اس کے مؤلف کو سراج کا دیوان ملا ہوگا، جناب نواب مصطفےٰ خان شیفتہ اور عبد الغفور خان نساخ نے اپنے تذکرون مین سراج نام کے دو دو شاعرون کے حالات لکھے ہین مگر اشعار جو مثالاً درج کئے ہین وہ سراج اورنگ آبادی ہی کے ہین، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تذکرہ نویسون کو ان کے صحیح حالات معلوم نہ ہو سکے، ہان لچھمی نارائن شفیق[1] نے گلِ رعنا اور چمنستان مین سراج کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ واقعی صحیح ہے،

---

[1] لچھمی نارائن شفیق غلام علی آزاد کے شاگرد رشید اور سراج کے ہمعصر تھے، انھون نے کئی تذکرے لکھے تھے جن مین بعض کتب خانۂ آصفیہ مین موجود ہین،

اوائل عمر ہی سے سراج کا رجحان تصوف کی طرف تھا، یہ کیفیت بارہ سال کی عمر سے شروع ہوئی اور سات سال تک یہی عالم رہا، حالت وجد مین زبان پر بیساختہ فارسی اشعار جاری ہوجاتے تھے، ہوش مین آنے کے بعد حضرت شاہ عبدالرحمن صاحب چشتی کے مرید ہوئے، اور اپنے پیر بھائی عبدالرسول خان کے ایما سے اردو دیوان لکھا، پہلا اردو دیوان ۱۱۵۸ھ مین لکھا، سراج نے اپنے مقطعون مین کئی جگہ اپنے پیر شاہ رحمن کا نام دہرایا ہی، سراج نے ۱۱۷۷ھ مین وفات پائی،

دیگر تصانیف سراج | اردو دیوان کے علاوہ ان کا ایک کلیات بھی ہے، ایک مثنوی بوستان خیال ۱۱۴۷ھ مین لکھی، ایک فارسی دیوان بھی مرتب کیا تھا، مگر اب اس کا کہین پتہ نہین ہے، فارسی شعراکے کلام کا ایک انتخاب کیا تھا، منتخب دیوانہا (۱۱۶۹ھ) اس کا تاریخی نام ہے،

شاگردی | میر نے نکات الشعرا مین لکھا ہے کہ سراج سید حمزہ دکنی کے شاگرد تھے، لیکن شعرائے دکن کے تذکرون مین سید حمزہ کا کہین پتہ نہین چلتا، لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی اپنے تذکرۂ چمنستان مین اور افضل بیگ خان قاقشال تحفۃ الشعرا مین لکھتے ہین کہ سراج وہبی شاعر تھے، کسی کے شاگرد نہ تھے،

معاصرین سراج | سراج بڑے خوش نصیب تھے کہ غلام علی آزاد جیسے شاعر وادیب ان کے ہم جلیس تھے، ان کے علاوہ، لچھمی نرائن شفیق، عبدالوہاب افتخار دولت آبادی، ظفر بیگ ظفر اورنگ آبادی، محمد فقیر درد مند ادگیری، مرزا محمد باقر شہید، موسوی خان جرأت، موسوی خان فطرت، عبدالقادر سامی، عارف الدین خان عاجز کے ساتھ صحبتین گرم رہا کرتی تھین،

شاگردان سراج | سراج کے دکن مین بیسیون شاگرد تھے، جنمین سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہین،

(۱) خواجہ ابوالبرکات عشرت (۲) خواجہ عنایت اللہ فتوت، (۳) خواجہ اشرف علی خان فغان (۴) میرزا محمد جان نثار (۵) مرزا عطاء اللہ ضیا (۶) بے کشن داس بیجان،

ولی کے بعد ریختہ کا بازار سراج ہی سے گرم ہوا، ولی نے ریختہ کی زمین مین جو پودے لگائے تھے، ان کو سراج نے اپنی توجہ کی آب پاشی سے سرسبز کیا، چنانچہ سراج اس پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہین ؎

تجھ بنا اے سراج بعد ولی　　کوئی صاحب سخن نہین دیکھا

ولی اور سراج کے زمانہ مین کچھ زیادہ فرق نہین ہے، ولی نے ۱۱۵۵ھ مین وفات پائی اور سراج نے ۱۱۷۷ھ مین اس دار فانی سے منھ موڑا، بہرحال سراج نے ولی کی آنکھین دیکھی ہین، اور چونکہ ولی کی غزلون پر مخمس لکھے ہین، اسلیے ممکن ہے کہ، ان کے آگے زانوئے تلمذ بھی تہ کیا ہو، مخمسون مین ملحقہ مصرعون کو اس خوبی سے کھپایا ہے کہ ولی کے اشعار کا لطف دوبالا ہوگیا ہے،

سراج نے ذومعنی الفاظ اور ضلع جگت سے کام لیا ہے،

جناب مولوی عبدالجبار صاحب صوفی ملکاپوری تذکرۂ شعرائے دکن مین فرماتے ہین کہ ولی کی طرح سراج کا کلام ایہام اور ذومعنی الفاظ سے پاک ہے، مگر ہم اس کے قائل نہین، کیونکہ بیسیون اشعار ایسے بھی ہمین ملے ہین جو ایہام ذومعنی اور ضلع جگت کی مد مین داخل کئے جاسکتے ہین، مندرجہ ذیل اشعار اسی قبیل سے ہین:-

شعرِ سراج از بس عالم مین ہے زبان زد　　دیوان کی زمین ہے دیوان عام گویا

گرچہ ماہ نو فلک پر ہے ہلالی وقت کا　　تاب کیا ہے بیت ابرو کا ترے لاوے جواب

پنجۂ عشق کے شکنجے سے　　مین ہوا شش جہت مین بارہ باٹ

اس مشتری جبین کا مجھے غم ہوا زحل　　طالع میرے کا نیک ستارہ کب آویگا

زخم دل پر سلونے کے مت ستم کا لون رکھ　　اے سلونے مان تو اپنی ملاحت کی قسم

وہ پھول مرا آج کدھر بھول پڑا ہے　　دل پھول کے پھولون نہ سماوے تو بجا ہے

کر اُس سوزن پلک نے دل مشبک　　حمایت کے لیے ہین بند ناکے،

تجھ زنخدان کی چاہ ہے ساقی　　حوض کوثر کی نین مجھے پروا

(نہین)

گرچہ آسیب اس ذقن نے دیا ، لیکن آتی ہے مجھ کون بوئے بہی

جھانجھ مین کیون نہ آسے میرا دل تجھ جدائی کی مجھ کون نوبت ہے

عکس دکھلا اپنے رخ کا اے دُرِ دریائے حسن منتظر ہے دیدۂ گرداب اورچشم حباب

اس قسم کی بیسیون اشعار ہین جنکو بخوف طوالت قلم انداز کر دیا گیا ہے۔ گو آج کل کے شعرار رعایتِ الفاظ اور ضلع جگت کو عیب سمجھتے ہین، مگر ہماری یہ رائے ہے کہ متقدمین کے لیے الفاظ کی کھپت کا یہ بہترین ذریعہ تھا یہی وجہ ہے کہ قدمار کے کلام مین الفاظ کی جسقدر کثرت پائی جاتی ہے، وہ آجکل کے شعرار کے کلام مین نظر نہین آتی، موجودہ شاعری مین صدہا الفاظ متروک کر دیئے گئے ہین اور بچے کھچے معدودے چند لفظون کو الٹ پھیر کر بار بار استعمال کیا جاتا ہے، اگر چندے یہی حال رہا تو فاربس فیلن اور فرہنگ آصفیہ کے ہزارون الفاظ چندہی روز مین چیستان یا معمے بنکر رہ جائین گے، شاہ سراج بھی میر،سودا، نظیر اور انشا کی طرح ہزارون الفاظ لکھ گئے ہین، مثلاً:۔

کپڑون کے نام :۔ نیمہ دار، جامہ وار[۱]، محمودی، چشم بلبل، مخمل،

پھولون کے نام :۔ موتیا، سورج مکھی، گل چاندنی، لالہ، ہزارا، گل دوپہری، گل عباسی، گل نافرمان، گل نرگس، گل سوسن، چنبیلی، گلاب، گل شب بو اور گل صد برگ،

اقسام رنگ :۔ پستئی، گلابی، کیسری یا زعفرانی، کاکریزی، خاکی، صندلی، سبز، سیاہ، عباسی، شہابی، ارغوانی، نرگسی، بادامی، سرخ، حنائی، زرد، سرمئی، پستئی،

اشیائے آتشبازی :۔ ہتھ پھول، ستارے، نوٹے، ستارون کا جھاڑ، ہوائی، مہتابی،

اصطلاحات شطرنج و گنجیفہ :۔ بازی، ہار، جیت، بساط، نرد، ششدر، شاہ، شہ، میربازی، اتبر مولا

الفاظ متعلق بہ موسیقی :۔ پردہ، قانون، ساز، نوبت، زیر و بم، جھانجھ، طنبورہ،

---

[۱] اب اورنگ آباد مین صرف جامہ وار، ہمرو، مشروع، کمخواب، اور تاش بنے جاتے ہین،

آلات حرب:- کٹار، بندوق، بھالا، برچھی، تیغ، سروہی، تیر و کمان، خنجر، تمنچہ، توپ، نیزہ، شمشیر، کتی[1]، سپر، جمدھر،

الفاظ متعلق بہ زیورات:- جواہرات و جواہر فروش، کم عیار، نقد قلب، کانٹا، موتی، جوہر، پہنچی، ہیرا، مالا، بلاق، جوہری، لعل، زمرد، عقیق، یاقوت، جواہرات کی آب، کھوٹا، کھرا، کسوٹی پر کسنا، تپانا،

الفاظ تصوف:- اسم جلالی، خانوادہ بیعت، سلسلہ، الفی، الف کھینچنا، مٹھ، بیراگی، بیراگ لینا، مرگ چھالا، خود پرستی، ہستی، نیستی، ہادی، وجد، حال، ناسوت، لاہوت، چراغ حقیقت، مجاز، عرفان، وحدت، کثرت، زاہد خشک، زہد، تقوی، حلقہ، ذکر جہری، یاہو،

مندرجہ بالا الفاظ کے متعلق ہمنے اشعار بھی نکال رکھے ہین، لیکن چونکہ تمام اشعار کا لکھنا خالی از طوالت نہ ہوگا اسلئے ہم اس وقت صرف فہرست ہی پر اکتفا کرتے ہین،

ہندی الفاظ اور ہندی تشبیہین باوجود فارسی نگار شاعر ہونے کے سراج نے ہزارون ہندی الفاظ کا استعمال کیا ہی اور بعض جگہ تو ہندی تشبیہون سے بھی کام لیا ہے، جس سے انکی زبان دانی اور بے تعصبی کی جھلک نمایان ہوتی ہے، اشعار ذیل پڑھیے اور داد دیجیے،

نین راون ہین، ارجن بان پلکین بھون دھنک جمکے ۔۔۔ ہمارے دل کی دکھ نگری کے راجا رام چندر ہو

مجکون جون فرہاد اس شیرین دہن کی یاد ہے ۔۔۔ قصۂ چندر بدن ہے ہیکل ہیمارنت

منتان ہون تجھ لب کی فصاحت کا و لیکن ۔۔۔ رانجھا کے نصیبون مین کہان ہیر کی آواز

بھنورا برہ کے داغ کا ہوا اس مین جانشین ۔۔۔ جب آب اشک تازہ یہ اس کا کنول کرے

مجلس مین شمع رو کی پروانگی ہے مجکون ۔۔۔ میرے نصیب مین ہے کیا سبھ گھڑی لگن کی

پوتھی خیال یار کی آئی ہے جب سے ہاتھ ۔۔۔ دلکے ورق سین تب ستی لکھتا ہون غم کے انک

شوق دل کا یک بیک اڈرے ہی دل ۔۔۔ وقت آیا ہے میرے[2] پراب کُبَل

[1] کتی کنٹری زبان کا لفظ اسکے معنی شمشیر خورد کے ہین، [2] میرے پر یعنی مجھ پر

مزاج شناسی مین سب سے زیادہ مشکل کام، لیکن اسی کے ساتھ سب سے زیادہ ضروری، مختلف جذبات کے تناسب کا تخمینہ کرنا ہے، بخت و اتفاق سے ایک ایسا انکشاف حال مین ہوا ہے جس سے امید کیجاتی ہے کہ جذبات کے کمی و بیشی مہندسانہ طور پر صحیح صحیح قیاس کیجا سکیگی، یہ انکشاف اس طرح ہوا کہ ایک صاحب جنکے ہاتھ مین آلہ برق پیما کے تار تھے، اس وقت اتفاقاً ان پر کوئی جذبہ طاری ہوا اور انھون نے دیکھا کہ سیلان برق کی مقاومت جوان کا بدن معمولاً کرر ہا تھا، دفعۃً کم ہوگئی، بعدازان تجربہ سے معلوم ہوا کہ اگر معمول کے ہاتھ اس آلہ سے منسلک کر دیئے جائین اور اس کے اندر خواہ داخلی اسباب مثلاً تصور کے ذریعہ سے یا خارجی اسباب مثلاً کسی کا نام لینے یا پستول کا فیر کرنے سے جذبات پیدا کئے جائین، تو آلہ برق پیما سے اس انقلاب کا نشان ملسکتا ہے، چنانچہ معمول کی مختلف دلچسپیون یا جذبات کا باہمی تناسب اس آلہ سے کمال صحت کے ساتھ دریافت ہوسکتا ہے، یہ آلہ مستقبل مین نفسیاتی دار الاختبار کا غالباً ایک اہم جزو ثابت ہوگا اور کیا بعید ہے کہ اس آلہ کو کسی عنوان سے زیادہ ترقی دیجا سکے اور شعور کے دیگر کیفیات کی پیمایش بھی اس کی مدد سے ہو سکے، بہرطور، فی الحال اس قدر مسلم ہے کہ آلۂ برق پیما، آلۂ جذبات پیما بھی ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) کا گویا اس دن کا سبق ہے، اول اس تصویر پر بچہ سے سوال کئے جائین اور وہ خود تصویر کو بغور دیکھکر جواب دے اس کے بعد معلم یا معلمہ اس تصویر کے ذریعہ سے، بچہ کے معلومات عامہ مین اضافہ کرے، دوسرے دن گذشتہ یوم کی تصویر پر بطور اعادہ کچھ سوال کئے جائین، پھر ورق الٹ کر نئی تصویر پیش نظر کیجائے، ایک دم سے سب تصویرون کا بچہ کو دکھانا، اس کی نفسی حیرانی کا باعث ہوگا، نیز بعدازان جب یہ تصویرین مقررہ قاعدہ کے مطابق، فرداً فرداً سامنے آئیگی تو چونکہ پہلے کی دیکھی ہوئی ہونگی، اسلیے بچے کو اس قدر دلچسپی نہ ہوگی، جتنی پہلے بار دیکھنے مین ہوئی، اور جس قدر دلچسپی مین کمی ہوگی اسی قدر توجہ مین کمی ہوگی، اور جس قدر توجہ مین کمی ہوگی، اسی قدر حافظہ پر اس کا اثر کم پڑے گا، اس سلسلہ مین اس لطیفہ کا ذکر بیجا نہ ہوگا کہ اسی غرض کے لیے مین نے لکھنؤ کے بازار امین آباد کی خاک چھانی، لیکن، بازار کی خوش مذاقی کا بھلا ہو کہ کسی دوکان پر مجھے ایک پوسٹ کارڈ بھی اس قابل نہین ملا جو بچون کو دکھایا جاسکے، ایک دوکاندار صاحب نے تو بہا تک اہتمام کیا تھا کہ براہ راست فرانس سے حیا سوز پوسٹ کارڈ منگائے تھے، اور چونکہ انھین یہ معلوم نہ تھا کہ مین کس قسم کے پوسٹ کارڈون کی تلاش مین ہون، فرمانے لگے کہ بہت تھوڑے کارڈ باقی رہ گئے ہین، اگر آج نہ بیچیگا تو کل ان کے ملنے کی امید نہ رکھیے اگر یہ سچ ہے تو اف رے پبلک مانگ! اسی طرح بازار مین کوئی ایسا البم بھی نہ تھا جو بچون کے ہاتھ مین چند روز تک رہ سکے، دوکان پر بالعموم پتلے کاغذ کے البم ملتے تھے جن کی جلد لیدریٹ یعنی چرم نما کاغذ کی تھی، فضول نقش و نگار بنا کر ان کی قیمت بڑھادیگئی تھی، یہ البم بھی وہ اس انھین نفیس پوسٹ کارڈون کے لیے موزون تھے جو دوکانون پر بالعموم پائے جاتے تھے،

بعض علمائے نفسیات کا اعتقاد ہے کہ اعلیٰ ذہانت کے ساتھ، عالی اخلاق کا پایا جانا ضروری ہی لہذا اول الذکر کو آخر الذکر کی ایک لازمی علامت سمجھنا کچھ غلط نہین، چنانچہ امریکن پروفیسر ٹرمن کا دعوی ہی کہ اعلیٰ ذہانت کے ساتھ ان چوبیس[۲۴] اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے:-

ظرافت[۱]، مسلسل توجہ[۲]، استقامت[۳]، جدت[۴]، صفائی[۵]، قوت ارادی[۶]، دیانت[۷]، ملنساری[۸]، قیادت[۹] صورت شکل[۱۰]، بشاشت[۱۱]، معاونت[۱۲]، جسمانی خود داری[۱۳]، محنت[۱۴]، ہمت[۱۵]، بھروسہ[۱۶]، گویائی[۱۷]، ذہنی انکسار[۱۸]، اطاعت[۱۹]، ہر دلعزیزی[۲۰]، مزاج کی ہمواری[۲۱]، ضبط جذبات[۲۲]، فراخدلی[۲۳]، تیزی[۲۴]،

اس عالم نفسیات کا دعوی ہے کہ "ان چوبیس صفات کا تناسب دریافت ہونے پر بغیر باضابطہ مساحت ذہنی کے معمول کا ذہنی خارج قسمت صحیح صحیح بتا سکتا ہون"

ریفارمیٹری اسکولون، جیل خانون اور چکلون کے باشندون کی مساحت ذہنی سے دریافت ہوا ہے کہ ان مین سے اکثر کا ذہنی خارج قسمت اس قدر پست تھا جس قدر کہ ایک فاتر العقل انسان کا ہونا چاہیے، علی ہذا وہ طلبا، جو اپنی طالب علمی کے زمانہ مین ذہنی خارج قسمت کے لحاظ سے نہایت ادنی تھے، آگے چل کر بدچلن بھی ثابت ہوئے، اور عمر بھر حکومت کے لیے اقتصادی حیثیت سے، ایک کثیر صرفہ کا باعث رہے، ایسے افراد کو، اگر ابتدا ہی مین ذہنی تشخیص کر کے نگرانی کیجاتی اور ان کے مناسب حال تعلیم و تربیت دیجاتی، تو حکومت صرف کثیر سے بچ سکتی ہے،

امریکہ کے ایک پہاڑی خاندان کے متعلق مذکور ہے کہ وہ اپنی بداعمالیون سے ساٹھ سال کی مدت مین، ریاست مساچیٹ کو پندرہ لاکھ روپیہ کے قریب، زیر بار کر چکا ہے، علاوہ ان امراض اور بداخلاقیون کے جو اس کی ذات سے دیگر خاندانون مین پھیلی ہین، تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اس خاندان مین منجملہ ۷۰۹ افراد کے، ۸۰ ۴ فیصدی، ذہنی خارج قسمت مین نہایت پست تھے، ۴ ۲ فیصدی جرائم پیشہ تھے، ۲۰ فیصدی شرابی تھے، ۴ ۲ فیصدی عورتون کو حرام کے حمل رہے، اور دس فیصدی علانیہ کسب کرتی تھین،

اس طرح خاندان جوک کا ذکر ہے جو ۵ سال کے دوران مین ریاست نیویارک پر اپنی بداعمالیون سے ۱۴ لاکھ کا صرفہ ڈال چکا ہے اور خاندان ٹام قریبًا ۵ ۱۴ لاکھ کا صرفہ ![۱]

درسی مساحت ذہنی،

نصاب تعلیم کے کسی مضمون کو لو اور اسکو نفسیاتی نقطۂ نظر سے غور کرو، تو معلوم ہوگا کہ ہر مضمون کی تہ مین متعدد قوائے نفسیہ کا عمل مضمر ہے، مثال کے طور پر پڑھنے کو لو، اگر پڑھنے کی نفسیاتی تحلیل کیجائے تو اس کے اجزائے ترکیبی یہ پائے جائین گے،[۲]

(۱) حروف یا الفاظ کا ادراک بصری،

(۲) ذہنی یا داخلی تلفظ، یعنی حروف یا الفاظ کے (مقررہ آوازون کے ساتھ) باہمی ربط و تعلق کا احساس

(۳) لسانی یا خارجی تلفظ یعنی ذہن کا عضلات و اعصاب تلفظ یا مخارج قرأت پر تسلط (۴) تفہم عبارت

چنانچہ پڑھنے کے امتحان کے ضمن مین، مذکورۂ بالا اعمال ذہنیہ کی مساحت، متصور ہے، اسی طرح دیگر مضامین کی نفسیاتی تحلیل کرنے سے دیگر کیفیات نفس ملتے ہین،

محققین فن نے نصاب تعلیم کے ہر شعبہ پر آزمائشین مقرر کی ہین، جنکے ذریعہ سے مختلف عمرون یا درجون کے طلبا کی مساحت ذہنی ہو سکتی ہے،

علاوہ عام مساحت ذہنی کے، درسی نظام آزمایش کا دوسرا مقصد، کسی خاص مضمون مین، طالب علم کی کمزوری کا دریافت کرنا اور اس کمزوری کی نوعیت کا تشخیص کرنا ہے، یعنی درسی مساحت ذہنی کے ذریعہ سے ہم صحیح صحیح معلوم کر سکتے ہین کہ فلان طالب علم فلان مضمون مین کمزور ہے (لیکن اس قدر عام امتحان سے بھی معلوم ہو سکتا تھا) اور اس کمزوری کی نوعیت یہ ہے، درسی مساحت ذہنی اور معمولی امتحان مین بڑا فرق سوالات کی نوعیت کا ہے، معمولی امتحان کا منشا طالب علم کے منتہائے واقفیت کا جانچنا ہوتا ہے،

[۱] "قوائے ذہنیہ کی نفسیاتی آزمایش" صفحہ ۱ مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر ڈوبرن، [۲] ممکن ہو کہ مزید غور کے بعد مزید تحلیل کیجا سکے، سر دست اہم الحروف کے دانست مین یہی اجزا ہین،

درآنحالیکہ درسی مساحت مین آزمایش نہایت سہل اور سادہ سوالات سے مرکب ہوتی ہے، جنکا مقصد واقفیت کی پڑتال نہین ہوتا بلکہ ان قوائے ذہنیہ کی جانچ ہوتا ہے جو مضمون زیر امتحان سے متعلق ہین، ان آزمایشون کو نفسیاتی اصول سے ترتیب دیا جاتا ہے اور ابتدا سے اخیر تک مبلغ کی جانچ کی بجائے ذہنی ترقی کی جانچ لحوظ رکھی جاتی ہے، معمولی امتحان مین طالبعلم کی کمزوری کی نوعیت کا پتہ چلانے کیلئے کوئی باقاعدہ رعایت نہین ہوتی انکے ذریعہ سے طالب علم کے پاس یا فیل ہونے سے عام کمزوری کا پتہ چلسکتا ہی مگر یہ نہین دریافت ہوتا کہ وہ کمزوری کیسی ہے، ادرسی مساحت ذہنی کی آزمائشون مین سوالات خاص اس امر کے دریافت کرنے کیلئے ترتیب دیئے جاتے ہین اور قلیل وقت مین معلوم ہوجاتا ہے کہ طالب علم کن مقامات پر ٹھوکر کھاتا ہے،

اس نظام مساحت سے کماحقہ واقفیت مدرسین کے لئے ازبس ضروری ہے، اسلیے کہ وہ اس کے ذریعہ سے ایک ماہرِ فن کی حیثیت سے اپنے شاگردون کے ذہنی امراض کی صحیح و قطعی تشخیص کر سکتے ہین، اور مناسب حال علاج تجویز کر سکتے ہین، بعض مدرسین کمزور طلبا کی عدم ترقی سے بددل ہوکر، مایوسانہ اپنی توجہ ان کی جانب سے ہٹا لیتے ہین اور انکی دلی خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح معائنہ سے قبل ان کے نام خارج ہوجائین، لیکن چونکہ تعداد کی حاضری بھی ان پر عائد ہوتی ہے، اسلئے طوعًا وکرہًا ان کے نام درج رجسٹر رکھتے ہین، بعض مدرسین تو یہانتک کرتے ہین کہ اگر ان کو افسر معائن کے آنے کی اطلاع کسی ذریعہ سے آگے مل چکی ہے تو ایسے طلبا کو اس روز غیر حاضر کر دیتے ہین اور قلتِ حاضری کے الزام کو، خرابیِ کار کے الزام پر جو ان طلبا کے حاضر ہونے سے عائد ہوتا ترجیح دیتے ہین، لیکن جس طرح طبیب کی دلچسپی کا مرکز، مریض ہے نہ کہ صحیح انسان اسی طرح معلم کی دلچسپی کا مرکز، بالخصوص کمزور طالب علم ہونا چاہیئے اور ان معاملات مین، افسر معائن سے جو گویا ان سے زیادہ وسیع تجربہ کار طبیب ہے، مریض کو دکھا کر مشورہ کے لیے تیار رکھنا چاہیئے، مجھے اس باب مین مدرسین کی غلط فہمیان دور کرنے کی اکثر ضرورت پیش آتی ہے اور یہ سمجھانا پڑتا ہے کہ کسی طالب علم کے کمزور ہونے کی ذمہ داری تنہا مدرس کی تعلیم پر

عائد نہین ہوتی، بلکہ اس کے متعدد اسباب ہین، چنانچہ مدرسین کو ایسے طلبا حاضر کرنے کی طرح طرح سے ترغیب دیجاتی ہے، میرے مدرسین آئندہ معائنہ کے وقت مین کرنے کے لیے حسب ذیل نقشہ تیار رکھتے ہین جسکی سرخیان انکو اچھی طرح سمجھا کر بتا دیگئی ہین، وہ سرخیان یہ ہین،

(۱) نام طالب علم (۲) درجہ (۳) مضمون (۴) کمزوری کی نوعیت (۵) کمزوری کے اسباب،
(۶) علاج (۷) تجربہ یا تدبیر کا نتیجہ (۸) کیفیت،

کیفیت کے خانہ کا اندراج میرے لیے مخصوص ہے، طالب علم کا معائنہ کرنے کے بعد، مدرس کی رائے سے اتفاق یا اختلاف مع تدبیر لکھدیتا ہون جس طرح شفاخانون مین مختلف مریضون کے لیے جداگانہ کمرے ہوتے ہین مثلاً آنکھ کے مریض کے لیے جدا، کسی دوسرے مرض کے لیے جدا، اسی طرح میری ہدایت ہے کہ ایک ہی قسم کی کمزوری مین مبتلا لڑکون کو یکجا بٹھایا جائے، تاکہ ان کی مشترک شکایت کی جانب مدرس بآسانی توجہ کرسکے، اور انکی ترقی کی بآسانی نگرانی کرسکے،

اس سلسلہ مین ایک واقعہ کا بیان غالباً ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا، چند روز ہوئے ایک کمزور طالب علم پیش ہوا، یہ طالب علم دیگر مضامین بالخصوص حساب مین اچھا تھا، لیکن اس کا خط باوجود ایک اونچے درجہ کے طالب علم ہونے کے نہایت ناقص تھا، خط کی خرابی کی نوعیت یہ تھی کہ دائرے بالعموم ناقص تھے بعض بعض دائرے تو گویا چند مستقیم خطوط کے ملانے سے بنا دیئے گئے تھے، مثلاً نون کو وہ تقریباً یون لکھتا تھا ں دوسری خرابی حروف کے لاوٹ مین تھی، تیسری، لکھنے کی رفتار حد سے زیادہ سست تھی، اول و دوم سقم نقشہ مین مذکور تھے لیکن سست نویسی کی جانب مدرس کا خیال نہین گیا تھا، حالانکہ مرض کی یہ ایک نمایان دل اسباب کی تفتیش مین ایک مفید، علامت تھی،

مدرس کے خیال مین، ان خرابیون کے دو سبب تھے (۱) طالب علم کی عدم توجہ اور (۲) غیر حاضری طالبعلم مذکور کا معائنہ کرنے کے بعد، مین نے حسب ذیل اسباب قرار دیئے،

(۱) قلم کی غلط گرفت،

(۲) تختی کی غلط گرفت، صحیح زاویہ پر تختی کا نظر کے سامنے نہ ہونا،

(۳) قوتِ مشاہدہ کی کمزوری،

قلم اور تختی کی غلط گرفت کی وجہ سے ذہن کو اپنے تخیلات کی صحیح تعمیل کرانے مین جو مادی دشواری پیش آتی ہو گی وہ ظاہر ہے، لیکن اسکے ساتھ اس مین بھی شک نہین کہ ان مادی مشکلات کے علاوہ اس طالب علم کی قوتِ مشاہدہ بھی، فطرۃً نہایت ضعیف تھی،

مین نے تختہ سیاہ پر کھریا سے یہ شکل کھینچی | اور پورے تین سکنڈ تک پیش نظر رہنے کے بعد اسے مٹا دیا اور طالب علم سے کہا کہ وہ اس شکل کو اپنی تختی پر بنائے، اسکی بنائی ہوئی شکل کا نقشہ یہ تھا |، اوپر کا جز بجائے نصف دائرہ کے ایک کشیدہ منحنی مائل بہ استقامت، خط تھا جو عمودی خط سے جدا رہنے کے بجائے اس سے ملا دیا گیا تھا، دائرہ کے غلط بنانے کا سبب ممکن ہے مادی ہو یعنی، قلم تختی کی غلط گرفت لیکن دونون خطون کو ملا دینا صریح مشاہدہ کی خطا تھی، طالب علم کے خاندان کے متعلق دریافت کرنے پر معلوم ہوا، وہ ایک بنئے کا لڑکا ہے جس کا باپ، دادا، اور دیگر مورث اعلیٰ ہندی تحریر کے علاوہ کسی دوسرے رسم الخط سے غالبًا نا آشنا تھے، حیاتیات کے قانونِ توارث کی بنا پر اس امر کو اہمیت دیجا سکتی ہے، چنانچہ اس اصول پر، حساب مین اس کا تیز ہونا اس نظریہ کی تائیدی تصدیق تھی، لیکن اسقدر عیان مادی اسباب (جیسے قلم تختی کی غلط گرفت) کے سامنے بغیر کافی تجربہ کے اس نظریہ کو اہمیت نہین دیجا سکتی، ہان اگر ان مادی مواقع کے دور ہونے کے بعد اور کافی مشق و تمرین کے باوجود بھی یہ خرابیان بحال رہین، تب منطق استقرا کے رو سے ان ہر دو امور کے سبب ہونے مین ضرور شک پیدا ہو جائیگا،

تحریر کے ابتدائی مراحل بچے کے لیے نہایت کٹھن منزل ہین، نفسی اعتبار سے، اس کے ہاتھ کے رگ اور پٹھے، تحریر جیسے نازک کام کو زیادہ دیر تک انجام نہین دے سکتے، اسلیے کہ اعصاب پر

اُن کی نوعمر توجہ کا تسلط زیادہ دیر تک قائم نہین رہ سکتا، میرے خیال مین ۵ سال سے آٹھ سال تک،[1] بچہ سے لکھائی کا کام لینا اس پر سخت ظلم کرنا اور تعلیم سے اسے بدشوق بنانا ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ موجودہ اصول و نصاب تعلیم ہر ملک مین بچون کے ہاتھ مین قلم اور کتاب ایک ساتھ دیتے ہین،

عام دیہاتی مدارس مین تو جہان ایک مدرس کے پاس اعلیٰ اور ادنیٰ درجے ہوتے ہین یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مدرس بذات خود تو اعلیٰ درجہ کی تعلیم مین دلچسپی لیتے ہین اور چھوٹے بچون کی تختی ادھر بھری اور ادھر اس کو صاف کر کے پھر لکھنے کا حکم مل گیا، سچ پوچھیے تو تعلیمی نقطۂ نظر سے ان بچون کے حق مین تختی کا دھونا اسکو کھریا سے پوتنا اور ٹوٹی ہوئی بوتل کے پیندے سے اسے گھوٹنا بدرجہا مفید ہے، کہ اس مین ہاتھ اور آنکھ کی تربیت، ان کی عمر کے لحاظ سے زیادہ موزونیت کے ساتھ مرعی ہے،

دیگر ممالک مین مساحت ذہنی کی اشاعت،

اسٹریا،

وزارت تعلیم کی جانب سے ہائی اسکولون اور یونیورسٹیون مین داخلہ کے وقت، طلبا کی مساحت ذہنی کا انتظام ہے، اور وزارت رفاہ عام وائنا جو جنوری ۱۹۱۸ء سے قائم ہوئی ہے، حرفی مساحت ذہنی

[1] مین نے اکثر دیکھا ہے کہ میرا بچہ اپنی بہن سے جس کا سن ابھی دو سال ہے آنکھین بند کرنے کو کہتا ہے، تاکہ صاحبزادے صاحب کے ہاتھ مین جو کھلونا ہے اُسے "کوا" اُکرے جائے، لیکن بچی بمشکل تمام کوئی دو سکنڈ آنکھین بند رکھنے کے بعد کھول دیتی ہے، اسلئے کہ اس سے زیادہ اسکی قوت ارادی کام نہین کر سکتی، لیکن چونکہ "کوسے" کے آہنی ابد کھلونے کو اڑا کھلے جانے مین یقیناً دو سکنڈ سے زیادہ وقت درکار ہوتا ہے، صاحبزادہ صاحب اس کی اس حرکت پر بہت جزبز ہوتے ہین اور کبھی اس غریب کو اس "قصور" کی پاداش مین سزائے جسمانی بھی برداشت کرنا پڑتی ہے، ہمارے بعض ناقابل مدرسین بھی، بالکل اس قبیل کے موقعون پر باوجود سزائے جسمانی کے ممنوع ہونے اور بیچارے بچے کے معذور ہونے کے زدوکوب کے مرتکب ہوتے ہین، لکھنے کے کام کو مسلسل گھنٹون تک جاری رکھنا، اور اس پر جسمانی سزا دینا صریح ظلم ہے، ۔

کی ذمہ دار ہے علاوہ برین حرفی مساحت ذہنی کا کام متعدد نفسیاتی دار الاختبارات مین انجام پذیر ہوتا ہے

بلجیم

ابتدائی اور ثانوی مدارس مین مساحت ذہنی زیر تجربہ ہے، برسلز مین ڈاکٹر ڈیموز ضعیف العقل طلبا کی آزمایش کے لیے مساحت ذہنی کا استعمال کر رہے ہین،

حرفی مساحت ذہنی کے فرائض ایک مستقل محکمہ کے تحت مین انجام پا رہے ہین، جو ایک وسیع کتب خانہ، ایک دار الاختبار اور تین مختلف شعبون یعنی طبی، نفسیاتی، صنعتی، پر مشتمل ہے، ہر شعبہ ایک ڈائرکٹر کی نگرانی مین ہے، صنعتی شعبہ کا ڈائرکٹر محکمہ کا جنرل ڈائرکٹر بھی ہے،

چین

شانگھائی مین ایک قومی انجمن تعلیم اور صنعت و حرفت کے درمیان باہمی تعلقات ہموار رکھنے کے لیے قائم ہے، حرفی مساحت ذہنی کا استعمال کیا جاتا ہے،

ڈنمارک

میونسپلٹیون کی جانب سے حرفی مساحت ذہنی کے دار الاختبارات قائم ہین، بعض کارخانہ دارون کی انجمنین اپنی دار الاختبارات علحدہ قائم کر رہی ہین،

فن لینڈ

ریلوے کے ملازمین کے انتخاب کے لیے ایک نفسیاتی دار الاختبار ہے،

فرانس

علاوہ انفرادی و اجماعی جستہ ذہنی کے حرفی مساحت ذہنی کا کام متعدد انجمنون اور کارخانون کے ہاتھ مین ہے،

جرمنی

مدارس مین انفرادی واجتماعی مساحت ذہنی کے علاوہ درسی مساحت ذہنی کا استعمال عام ہے، حرفی مساحت ذہنی کے لیے کثیر التعداد جماعتین اور دار الاختبارات ہین،

ہالینڈ

انفرادی واجتماعی و درسی نظامات زیر استعمال ہین، حرفی مشورہ کا کام ایک میونسپل کمیٹی کے متعلق ہے علاوہ ازین ۱۹۲۱ء سے ایمسٹرڈم مین ایک نفسیاتی دار الاختبار قائم ہے جو پیشون کے متعلق مشورہ دیتا ہے،

اٹلی

عملی نفسیات کے دار الاختبارات مین، مساحت ذہنی سے کام لیا جاتا ہے، حرفی مساحت ذہنی کا نظام بعض دار الاختبارات مین زیر تحقیق ہے،

جاپان

اقتصادی نفسیات کا سر رشتہ ۱۹۲۱ء سے ٹوکیو مین، عام نفسیاتی تحقیقات اور حرفی مساحت ذہنی کے مسائل حل کرنے مین مشغول ہے، عملی نفسیات کا شعبہ جو یونیورسٹی ٹوکیو سے متعلق ہے، حرفی مساحت کا نظام مدون کر رہا ہے،

لکسمبرگ

یہان، ایک نفسی وعضویاتی دار الاختبار قائم ہے جس کے متعلق ایک صنعی دار العلوم ہے، داخلہ کے وقت امیدوارون کی مساحت ذہنی کی جاتی ہے، آزمایشون کے نتائج برائے استقرار جمع کئے جارہے ہین،

ناروے

کرسچیانا مین ایک انجمن قائم ہے جو اس ملک کے مخصوص حالات کے لحاظ سے حرفی مساحت

ذہنی کا ایک ایسا نظام تیار کرنے مین مشغول ہے جو حرفی مشورہ اور نیز بری اور بحری افواج کے امیدوارون کے انتخاب مین کارآمد ثابت ہو سکے، اس انجمن کی مالی امداد سرکاری یونیورسٹی اور پرائوٹ ذرائع سے ہوتی ہے، فوج کے کام کا معاوضہ "وزارتِ دفاع" کی جانب سے دیا جاتا ہے،

ہسپانیہ

عام مساحت ذہنی کا استعمال مدارس مین شاذ ہے لیکن میڈرڈ مین ایک انجمن ہے جو اس کام کو کررہی ہے، حرفی مساحت ذہنی کے لیے ایک مستقل انجمن ہے جو چار محکمون پر مشتمل ہے،

(۱) محکمۂ مساحت طبی وعمرانی، جو معمول کی طبی آزمایش کرتا ہے اور اس کے خاندان کی طبی تاریخ اور طرزِ معاشرت سے متعلق، معلومات بہم پہنچاتا ہے،

(۲) محکمۂ مساحت ذہنی جو معمول کی ذہانت کی آزمایش کرتا ہے، معمول کو ایک پرچہ دیا جاتا ہے جس مین اس کے مذاق طبعی، خواہشات، جذبات، عمرانی ماحول وغیرہم سے متعلق، سوالات چھپے ہوتے ہین، معمول ان سوالات کے جوابات لکھکر پرچہ واپس کرتیا ہے،

(۳) محکمۂ اعداد وشمار، (۴) محکمۂ اطلاع،

سوڈان

گوتھن برگ مین ایک نفسیاتی دار الاختیار ہے جو حرفی مساحت ذہنی کا مواد جمع کررہا ہے، اسکی آمدنی پرائوٹ ذرائع سے ہے، لیکن وقتاً فوقتاً صیغۂ تعلیمات کی جانب سے طباعت وغیرہ کے کامون کے لیے امداد ملتی رہتی ہے،

سوئٹزرلینڈ

مساحت ذہنی چند ابتدائی مدارس مین زیر استعمال ہے، تھوڑا عرصہ ہوا جب یونیورسٹی زیوریچ تجربات کرنے مین مشغول تھی، حرفی مساحت کا کام متعدد انجمنون کے ہاتھ مین ہے،

امریکہ،

مساحت ذہنی کی ابتدا اگر فرانس مین ہوئی تو اسکی انتہا، بلا مبالغہ امریکہ مین ہوئی، اس ملک مین مساحت ذہنی کے جملہ نظامات یعنی انفرادی، اجتماعی، عملی حرفی، مزاجی، درسی، رائج و شائع ہین اور نت نئے تجربات اور اصلاحات ہو رہے ہین، جنگ کے زمانہ مین ماہر نفسیات کو جس وسیع پیمانے پر تجربات کرنے کا موقع ملا تھا، اس کا ذکر اوپر آچکا ہے، مساحت ذہنی کے اصول پر، اکثر مدارس مین، غبی طلبا کی علحدہ، اور ذہین طلبا کی علیحدہ دفعات قائم ہین، اور ان کے حسب حال انکی جداگانہ تعلیم کا انتظام ہے، علی ہذا، عام دفعہ بندی مین بھی مساحت ذہنی سے کام لیا جاتا ہے، تعلیمی تحقیقات کی متعدد انجمنین ہین جو ذہنی آزمایشون کی آزمایش اور فراہمی مواد مین سرگرم کار ہین،

حرفی مشورہ کے دو صیغے اپنی شانداری کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتے ہین، یعنی ہارورڈ یونیورسٹی کا صیغۂ مساحت حرفی اور انجمن ہدایت حرفی،

امریکہ کی بعض میونسپلٹیان، حرفی مساحت ذہنی کے کام مین دلچسپی لیتی ہین اور انھون نے بڑے بڑے ابتدائی مدارس اور ضلع ہائی اسکولون مین حرفی مشیر مقرر کئے ہین جو طلبا کو ان کے افتاد طبع کے مطابق، پیشہ اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہین

انگلستان

انگلستان کے بورڈ آف ایجوکیشن کی جانب سے جون ۱۹۲۱ء مین ایک مفصل رپورٹ مساحت ذہنی پر شائع ہوئی ہے، جس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک مین مساحت ذہنی کے ہر شعبہ پر کافی اعتنا کیا جارہا ہے، انگلستان مین عرصہ سے عملی نفسیات کے متعدد دار الاختبارات قائم ہین جنمین ہمیشہ مساحت ذہنی کا کام ہوتا رہا ہے،

ہندوستان

ہندوستان مین مساحت ذہنی کے نام تقریباً صفر ہے، سب سے مقدم کام ملکی نظام مساحت کی تدوین ہے جسمین ملکی مشترک خصوصیات کا لحاظ رکھکر ایک ایسا پیمانہ وضع کرنا ہے جو ہر صوبہ مین استعمال کیا جا سکے، اس قسم کا آل انڈیا پیمانہ تیار کرنے کے لیے حسب ذیل تدابیر اختیار کرنا ہونگی،

(۱) مساحت ذہنی کے ایک آل انڈیا صیغہ کا قیام،

(۲) ہر صوبہ مین مساحت ذہنی کی ایک کمیٹی کا قیام جسکی سرکردگی مین ہر ضلع مین مساحت ذہنی کا کام شروع کیا جائے، ہر صوبہ کی کمیٹی ایک پیمانہ کا مسودہ تیار کرکے ضلع کی کمیٹیون مین بھیجے اور ضلع کی کمیٹیان کافی تجربہ کے بعد آزمایش کے نتایج کی اطلاع صوبہ کی کمیٹی کو دین اور اپنی رپورٹ مین مسودہ پیمانہ کی ترمیم و اصلاح تجویز کرین،

(۳) صوبہ کی کمیٹی مختلف اضلاع کی رپورٹون کو پیش نظر رکھکر صوبہ کی مساحت ذہنی کا دوسرا پیمانہ تیار کرے اور مسودہ ماسبق کی طرح اس کا تجربہ بھی کیا جائے، یہانتک کہ ایک مشترک، قابل عمل، ہر صوبہ کے مناسب حال مساحت ذہنی کا پیمانہ دریافت ہوجائے،

(۴) صوبہ کی کمیٹیان اپنے اپنے صوبون کا مجوزہ پیمانہ آل انڈیا کمیٹی کو بھیجین جسکا فرض ہوگا کہ مختلف صوبہ کے پیمانون کو پیش نظر رکھکر ایک آل انڈیا مساحت ذہنی کے پیمانہ کا مسودہ تیار کرکے صوبون کی کمیٹیون کو بھیجے، اس مسودہ کا صوبہ کی کمیٹیان ضلعون مین تجربہ کرائینگی، اور آل انڈیا کمیٹی کو کیفیت کی رپورٹ کرینگی، اس طور پر ایک آل انڈیا پیمانہ وضع ہو سکے گا، یا اس کا وضع ہونا ناممکن العمل ثابت ہوگا،

(۵) صوبہ کی کمیٹی مین، کمشنری سے دو تین ممبر مقرر کئے جائین،

(۶) آل انڈیا کمیٹی مین ہر صوبہ سے چار پانچ ممبر ہون،

(۷) ہر صوبہ کی یونیورسٹی مین عملی نفسیات کی کرسی اور دارالاختبارات قائم کئے جائین،

(۸) میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈ ون کو گورنمنٹ اس کام کے لیے علحدہ امداد دے،

اس تمام نفسیاتی تحقیقات مین ایک دوسرا ضمنی فائدہ بھی متصور ہے وہ یہ کہ اس ذریعہ سے ملک کی نفسی خصوصیات، سائیٹفک طور پر منکشف ہو جائینگی اور ان کے لحاظ سے مروجہ طریق تعلیم مین جو فی الحال غیر ممالک کے مروجہ طریقون کا چربہ ہے، مناسب ترمیم و اصلاح کیجا سکیگی،

مکمل مساحت ذہنی کی تدوین،

عنوان بالا، راقم سطور کا موجودہ موضوع فکر ہے، اپنے محترم دوست مولانا عبدالماجد صاحب مصنف فلسفۂ جذبات کے مشورہ کے بعد ایک ایسے پیمانہ کی تدوین زیر غور ہے جو شعور انسانی کے جملہ کیفیات کو محیط ہو، اس مساحت کا نتیجہ معمول کی نفسی حالت کا مکمل آئینہ ہوگا،

اس نظام آزمایش مین، قوائے نفسی کے لیے جداگانہ دس دس آزمایشین ہین جنمین سے ہر ایک کے تحت مین بیس بیس سوالات ہونگے، قائم کیجائینگی اور آزمایش کا نتیجہ گراف یا نقشہ مین دکھایا جا سکے گا، اس گراف کا ایک نامکمل نمونہ، تفہیم مقصود کے لیے صنـ۲۲۰ـ پر کھینچا جاتا ہے ملاحظہ ہو،

ان گرافون مین، نقاط کے ملا دینے سے اقلیدس کی مختلف شکلین بنین گی اور ان کے اعتبار سے معمول کے نفوس نامزد کئے جا سکتے ہین بعض حالتون مین ایسا ہوگا کہ نقاط کے ملا دینے سے ایک مستقیم خط بنجائیگا، جو قاعدہ کے ساتھ متوازی بھی ہوگا، اس شکل کے معمول کو "متوازی القوی" کہینگے، اس کے خلاف کو "غیر متوازی القویٰ"

غیر متوازی القویٰ کے (اشکال کے اعتبار سے) حسب ذیل اقسام ہونگے:۔

(۱) مثلث،

(۲) ذو اربعۃ الاضلاع،

(۳) کثیر الاضلاع، جیسا کہ صنـ۲۲۰ـ کی شکل ہے،

(۴) مدور ممکن ہے کہ ان اشکال کو معمول کے عقول کے اوصاف معروفہ کے ساتھ کچھ لگاؤ بھی ہو یعنی مثلاً ممکن ہے کہ تجربہ سے، گول شکل کا معمول گول عقل کا بھی ثابت ہو،

نقشۂ مسافت ذہنی

نام مع عمر	حامد ۔۔ ۳۰ سال
وزن	ایک من بیس سیر،
رفتار تنفس	۴۰ بار فی منٹ
حرکت نبض	۷۰ بار فی منٹ
جسمانی خصوصیات	دست و چپ سے زیادہ کام لیتا ہے، ضعف بصر کی خفیف شکایت ہے،
خاندانی حالات	طبقہ متوسط کا فرد ہے، آغاز عمر میں والدین کا لاڈ پیار، پیشہ زمینداری، خاندان کے بعض افراد شعر وسخن میں ممتاز، معمول امتاہل تھے،

آزمائشات،

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

باصرہ، سامعہ، لامسہ، ذائقہ، شامہ، تصور، تصدیق، توجہ، تخیل، حافظہ، اختراع، جذبات نوعی، جذبات خودی، ارادہ

قوت ادراک بذریعہ حواس خمسہ — وقوف — جذبات — ارادہ

پروفیسر براؤن

از

مولوی سید محمد طاہر صاحب رضوی ایم اے کلکتہ

۱۹۲۶ء کے آغاز ہی مین ایک ایسا ایران دوست دنیا سے اُٹھ گیا جس کا ثانی کوئی دوسرا نظر نہین آتا، یعنی تقریباً چونسٹھ سال کی قابل قدر زندگی کے بعد ۵ جنوری ۲۶ء کو پروفیسر براؤن نے اس دار فانی کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا، ابتدائے عمر سے اخیر دم تک اس لائق ہستی نے مشرقی علوم و ادب کی کوئی خدمت اٹھا نہ رکھی، تمدن اسلام اور اہل ایران سے جو دلچسپی پروفیسر موصوف کو تھی اس کا اندازہ ذیل کی چند سطور سے بخوبی ہو سکتا ہے،

ایڈورڈ گرنوائل براؤن کی پیدائش، ۷ فروری ۱۸۶۲ء کو انگلستان کے ایک قصبہ یولی مین ہوئی، ان کے والد سر بنجامن براؤن نے انھین ابتدائی تعلیم اٹن کی ایک درسگاہ مین دلوائی جس کے بعد وہ کیمبرج کے پمبروک کالج مین داخل ہوئے، جہان سے انھون نے ۱۸۸۰ء مین علم طب اور ۱۸۸۴ء مین علوم مشرقی مین اعزاز کے ساتھ گریجویٹ کی ڈگریان حاصل کین، ۱۸۸۲ء مین ان کے والدین نے ان کے اشتیاق کو دیکھکر تعطیل کے دو ماہ قسطنطنیہ مین گذارنے کی اجازت دی اور جب تحصیل علوم سے فارغ ہوئے تو ۱۸۸۷ء مین انھون نے ایران کا سفر کیا جہان دس مہینے ایرانیون کی "اندرونی" حالت کا بچشم خود مشاہدہ کیا،

ان کے والدین کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ ڈاکٹری (طب) مین مہارت حاصل کرین اور ان کے مہربان استاد ڈاکٹر رائٹ نے بھی پر زور اصرار کیا تھا کہ اگر دنیا مین آرام سے بسر کرنا ہے تو علوم مشرقی کے خیال سے درگذرو، لیکن فطری شوق کم نہ ہو سکا اور گو ڈاکٹری سند حاصل کی لیکن اسکو اپنا پیشہ نہین بنایا، عربی، فارسی اور ترکی زبانون ہی کی بدولت نام و نمود اور شہرت حاصل کی،

اپنی مشہور کتاب "ایرانیون کے ساتھ ایک سال" کے دیباچہ مین وہ اپنے اوائل عمر کا ایک واقعہ خود

لکھتے ہین، کہ ۱۸۷۷ء مین جب ان کی عمر محض چودہ پندرہ سال کی تھی، جنگ روم وروس شروع ہوئی، انکا بیان ہے کہ ترکون کی بہادری اور جان توڑ کوششون کا حال پڑھکر مجھے ان سے ایک گونہ ہمدردی ہوگئی، اور ترکی معاملات سے اس قدر دلچسپی بڑھی کہ اسکی حکومت کے تحفظ کو اپنی جان سے عزیز سمجھنے لگا، پلونا مین کی شکست کا مجھے ایسا صدمہ ہوا کہ گویا خود میرے وطن اور قوم پر تباہی آگئی، میری دلی خواہش تھی کہ کسی طرح ترکی سپاہ مین داخل ہوکر ان کے ملک کی حفاظت مین اپنی جان تک قربان کر ڈالون، وغیرہ وغیرہ،

"تاریخ ادبیات ایران جلد دوم مین" ایک جگہ لکھا ہے کہ اسلام اور عرب وعجم کے تمدن سے مجھے دلی الفت ہی،

پروفیسر براؤن کو اسلام اور اہل اسلام سے جو ارادت تھی وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہین، آج دنیائے اسلام عموماً اور ایران خصوصاً براؤن کا زیر بار احسان ہے، تمدن اسلام کا بیش بہا ذخیرہ جسکو ہم اپنے حافظہ سے بھی کھو چکے تھے اسی کی بدولت ایک مرتبہ پھر ہمارے سامنے آگیا، یہ براؤن ہی تھا جو مغربی نژاد تھا، مغرب کا تعلیم یافتہ تھا، مغرب مین پرورش پائی تھی، اور مغرب ہی مین اپنی تمام عمر بسر کی تھی، تاہم وہ مشرق کا دلدادہ تھا، جب کبھی کوئی مشرقی معاملہ پیش آیا اس نے سر رشتۂ انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور خود اپنے وطن والون کے خلاف مشرق والون کی پشت پناہی کے لیے کھڑا ہوگیا، مگر افسوس کہ آج پورے یورپ مین براؤن کا کوئی جانشین نظر نہین آتا جو اسی کی طرح سچا اور باانصاف ہو، یورپین ہو مگر ایشیائی تہذیب کا شیدائی، انگریز ہو مگر ایران کا ہمدرد، عیسائی ہو مگر اسلام کا فدا کار، معارف نے پروفیسر موصوف کی ساٹھوین سالگرہ کے موقع پر بالکل صحیح لکھا تھا، کہ "پروفیسر موصوف عام مستشرقین کی طرح صرف پیشہ کے طور پر اورینٹلسٹ نہین بلکہ حقیقت مین ان کو مشرق، مشرقیات اور اسلامی علوم سے عموماً اور ایران سے خصوصاً ایک شغف ایک عشق ہے، انھون نے نہ صرف علمی حیثیت سے بلکہ اپنے رتبہ کے نیچے اتر کر سیاسی حیثیت سے بھی مشرق اور ایران کی گرانبہا خدمتین انجام دی ہین" (معارف ماہ مارچ ۱۹۲۲ء)

اس سالگرہ کے وقت یورپ کے مشہور مستشرقین نے مضامین لکھے اور ان کا مجموعہ ایک یادگار کی صورت

مین "براؤن میموریل وڈلوم" کے نام سے پروفیسر موصوف کی خدمت مین پیش کیا اور جس کا نام ان کے نام کی رعایت سے (E.G.B) عجب نامہ رکھا،

اس عیسائی نما مسلمان نے اسلامی طرز و انداز، اور مسلمانون کی بود و ماند کو اپنا شعار قرار دیدیا تھا،

نواب سید نصیر حسین صاحب خیال کیمبرج کے ایک اردو رسالہ نوائے کیمبرج جنوری ۱۹۲۱ء مین پروفیسر براؤن سے اپنی ملاقات کے ذکر مین رقم فرماتے ہین کہ

"ایک زینہ پر چڑھے، بائین ہاتھ قدیم ہندوانی وضع کا دروازہ ملا اور اس پر نہایت چوب خوش خط نستعلیق مین نصر من اللہ فتح قریب، لکھا پایا، حیرت ہوئی "دق الباب کیا" آواز آئی come in (اندر آئیے) (جواب) ہم مسافر مشتاق شما،

"بسم اللہ تشریف برآرید۔ اطاق فقیر است بسم اللہ"

اندر گئے تو معمولی کمرا، چار طرف میزین پڑی، اور ان پر بے ترتیب کتابون اور مسودات کا انبار، ایک طرف آتشدان روشن، اس کے قریب ایک سوفا اور دو تین آرام کرسیان، بس باقی ہوس........

کمرے کا مالک مسکراتا ہوا آگے بڑھا، پذیرائی کی۔ . . ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا "بفرمائید تو سے بخاری" (آگ کے پاس بیٹھو) دیکھا تو ہمارے رضا توفیق اور فہمی بے بھی کھڑے ہین، سلام علیک و علیک السلام، ہم سب بیٹھے "یا اللہ" کرسیان آگ کے قریب کھچ آئین، اور صحبت گرم ہوگئی.....

ایران کا ذکر، وہان کے سفر کا حال، فارسی ادبا کی نقلین، حکایات اس ملک کے گذشتہ کارنامون کا فخریہ تذکرہ اور اسکی موجودہ حالت پر افسوس شروع ہوگیا،

"دوبارہ ہم خیال مسافرت ایران دارید؟" "خیر حالا پیر شدم (افسردہ ہوکر) ؎ جوانی کجائی کہ یادت بخیر آقا پائے گدا ہم لنگ شدہ است"۔ ... باتون مین دیر ہوگئی معافی مانگی، رخصت طلب ہوئے، آقا براؤن نے ایرانی تہذیب کے موافق دعا دیکر اور پھر ملنے کا وعدہ لیکر اور ذرا خم ہوکر تا دم دروازہ پہنچایا، اور سب کو رخصت کیا،

"خدا حافظ! خدا حافظ شما! فی امان اللہ"

ذیل مین پروفیسر براؤن کی تصانیف کی ایک معمولی فہرست پیش کیجاتی ہے جس سے ان کی قابلیت اور علمی لیاقت کا حال ظاہر ہوسکتا ہے :۔

(۱) بابیانِ ایران، ۱۸۸۹ء، پروفیسر براؤن نے ۱۸۸۸ء مین اپنی سیاحت ایران مین جو جو نئی باتین دریافت کین، ان کا اس رسالہ مین مفصل ذکر کیا ہے، چونکہ مرزا علی محمد باب کے جدید مذہب نے اُس زمانہ مین بہت زور پکڑ لیا تھا، چنانچہ اب تک وہی حال ہے اور تقریبًا ایرانیون کا ایک بڑا گروہ اس مذہب کا معتقد ہے، پروفیسر موصوف نے اس کا حال خاص کر درج تحریر کیا ہے، رسالہ مذکور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین چھپا تھا،

(۲) ایک سیاح کی سرگذشت (۱۸۹۱ء)، بیان حالات باب مین یہ ایک کتاب کی صورت مین فارسی مع انگریزی ترجمہ کے چھاپی گئی، بابی مذہب پر مفصل بحث کیگئی ہے،

(۳) بابیون کے قلمی نسخون کا بیان (۱۸۹۲ء) مذہب باب کے متعلق ۲۷ قلمی کتابون کی فہرست اور ہر کتاب کا مفصل ذکر ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین چھاپا گیا،

(۴) ایرانیون کے ساتھ ایک سال (۱۸۹۳ء) جس کا ذکر قبل مین آچکا ہے، سفر ایران کے مفصل واقعات درج ہین، پروفیسر براؤن نے سخت تکلیفین اٹھا کر ایران کے ہر طبقہ کے لوگون کی سوسائٹی مین رہکر ان کے اندرونی حالات معلوم کئے ہین جس سے ایران کے خواص وعوام کی زندگی، طرز واطوار اور خیالات کا بخوبی پتہ چلتا ہے،

(۵) تاریخ جدید (۱۸۹۳ء) میرزا علی محمد باب کے متعلق نئی تاریخ اور اسکی زندگی کا حال اصل فارسی سے انگریزی مین ترجمہ کیا ہے،

(۶) ایک قدیم تفسیر قرآن، (۱۸۹۴ء) جس کا مفصل ذکر ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین چھپا،

(۷) ایران کی مختلف زبانون کی شاعری (۱۸۹۵ء) اس پر تنقیدی نظر کے ساتھ مفصل بحث،

ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین چھپی،

نمبر ۸- فارسی قلمی نسخے (۱۸۹۶ء) کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کی کل قلمی کتابون کی مکمل فہرست اور ایک پرمفصل بحث کتاب کی صورت مین شائع ہوئی،

نمبر ۹، گبری زبان کا نمونہ (۱۸۹۶ء) ایران کی گبری زبان کے متعلق مفصل ذکر ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین چھاپا گیا،

نمبر ۱۰، غدر زنجان کا چشم دید واقعہ (۱۸۹۷ء) ۱۸۵۰ء مین باب کے معتقدین نے جو بمقام زنجان ایک ہنگامہ مچایا تھا، اس کا چشم دید حال اصل کتاب فارسی سے انگریزی مین پروفیسر براؤن نے ترجمہ کرکے شائع کیا،

نمبر ۱۱، فرقہ حروفی کے مذہب اور کتابون پر نظر (۱۸۹۸ء و ۱۹۱۳ء) ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین اس مذہب کا مفصل ذکر کیا گیا اور حروفیوں کی مذہبی کتابون پر بحث کیگئی ہے، پھر ۱۹۱۳ء مین دوبارہ نہایت اضافہ کے ساتھ ایک طویل مضمون چھپا تھا،

نمبر ۱۲، چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی، (۱۸۹۹ء) پروفیسر براؤن نے اس کا انگریزی ترجمہ سوسائٹی کے جرنل مین چھپوایا، اب علحدہ کتاب کی صورت مین بھی شائع ہوگیا،

نمبر ۱۳، نہایت الارب فی اخبار الفرس والعرب (۱۹۰۰ء) اس پرمفصل بحث سوسائٹی کے جرنل مین چھپی،

نمبر ۱۴، اسلامی قلمی نسخون کی دستی فہرست، (۱۹۰۰ء و ۱۹۲۲ء) کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری کی کل قلمی کتابون کی فہرست جو اسلام اور تمدنِ اسلام سے تعلق رکھتی ہین، ایک کتاب کی صورت مین شائع ہوئی، پھر اسی کا سلسلہ دوسری جلد مین ۱۹۲۲ء مین چھاپا گیا،

نمبر ۱۵، تذکرۃ الشعراء (۱۹۰۱ء) دولت شاہ سمرقندی کے فارسی تذکرہ شعراء کو پروفیسر موصوف نے بعد تہذیب وتحشیہ شائع کیا،

نمبر۱۷ تاریخ ادب ایران جلد اوّل (۱۹۰۲ء) اوائل زمانہ فردوسی تک فارسی نظم و نثر پر معتبر ذرائع سے مفصل بحث کیگئی ہے، فارسی ادب پر اس سے بڑھکر کوئی دوسری کتاب اس وقت موجود نظر نہین آتی، فارسی شعراء اور مصنفین اور ان کے تصنیفات کا واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے،

نمبر۱۷، لباب الالباب، (۱۹۰۳ء) تذکرۂ عوفی جو شعرائے فارس کا سب سے پرانا اور معتبر تذکرہ مانا جاتا ہے، پروفیسر براؤن اور میرزا محمد قزوینی نے تالیف کیا،

نمبر۱۸، تاریخ طبرستان مصنفہ محمد ابن اسفندیار ۱۹۰۵ء جس کا خلاصہ کرکے انگریزی ترجمہ پروفیسر موصوف نے شائع کیا،

نمبر۱۹، تاریخ ادب ایران جلد دوم (۱۹۰۶ء) بعد زمانہ فردوسی سے زمانہ شیخ سعدی تک فارسی ادب کی مفصل تاریخ ہے، اس سلسلۂ تاریخ ادب ایران سے پروفیسر براؤن کی ادبی خدمات کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے،

نمبر۲۰، فارس کے واقعات حال کا مختصر افسانہ (۱۹۰۹ء) ملک ایران کی اس زمانہ کی خلاصہ تاریخ ہے، حکومت ایران کی حالت عوام کی نظرون کے سامنے پیش کی ہے، بیرونی مداخلت پر منصفانہ تنقید ہے،

نمبر۲۱، انقلاب ایران ۱۹۰۵ء (۱۹۰۹ء) حکومت روس کی بیجا مداخلت کے نتائج، ایران کی بیکسی، برٹش گورنمنٹ کی پولیٹیکل چالین اور ایرانیون کی سادہ لوحی سے ان بیرونی اقوام کی دست درازیان حکومت ایران کی کمزوری، رعایا پر ناجائز دباؤ وغیرہ وغیرہ، ان پر ایک مفصل کتاب ہے، جس سے پروفیسر موصوف کی ہمدردی اور انصاف پسندی کا پورا پتہ چلتا ہے،

نمبر۲۲، تاریخ گزیدہ، مصنفہ حمداللہ مستوفی قزوینی، (۱۹۱۰ء) جسے پروفیسر براؤن و پروفیسر نکلسن نے بعد تہذیب و تحشیہ شائع کیا،

نمبر۲۳- کتاب نقطۃ الکاف (۱۹۱۰ء) حاجی مرزا جانی کاشانی کی لکھی ہوئی سب سے پرانی بابیون

کی تاریخ، جسے پروفیسر براؤن نے ایک قلمی نسخہ سے تالیف کیا،

نمبر ۲۴، سانحۂ فارس، (۱۹۱۲ء) ماہ دسمبر ۱۹۱۱ء مین فارس مین جو ایک سانحۂ عظیم حکومت کی کمزوری کے باعث ظہور مین آیا، اس کے اسباب اور نتائج وغیرہ پر بحث کرکے محض چند یوم کے عرصہ مین یکم جنوری ۱۹۱۲ء کو شائع کرکے پبلک کے سامنے پیش کیا اور جس سے خاص مطلب برٹش گورنمنٹ کی امداد اور ہمدردی تھی،

نمبر ۲۵، تبریز کی خونی حکومت اور انگریزون کی جواب دہی (۱۹۱۲ء) واقعہ گذشتہ پر ایک مفصل کتاب لکھی اور جس مین یہ دکھلایا ہے کہ حکومت برطانیہ کا کیا فرض ہے، ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء مین شائع ہوئی ایران اور اہل ایران سے پروفیسر براؤن کی دلچسپی کا اس سے پورا پتہ معلوم ہوتا ہے،

نمبر ۲۶، اخبار و نظم ایران موجودہ (۱۹۱۴ء) حال کے شعرائے فارس کا تذکرہ اور ان کی نظم کا انتخاب ایرانی اخبارات اور رسائل کا ذکر، دو جلدون مین،

نمبر ۲۷، مواد متعلقہ مذہب باب (۱۹۱۸ء) بابیون کے احوال کہان کہان سے دستیاب ہوئے یا ہو سکتے ہین ان پر مفصل بحث ہے،

نمبر ۲۸، تاریخ ادب ایران جلد سوم (۱۹۲۰ء) زمانۂ سعدی سے زمانۂ ملّا عبد الرحمن جامی تک شعراء کی نظم کا انتخاب معہ ترجمۂ انگریزی درج کتاب ہے،

نمبر ۲۹، طب عرب (۱۹۲۱ء) عربی زبان کی ان کتابون کا خلاصہ جنمین دواؤن کا بیان ہے، اس موضوع پر دیگر زبانون کی کتابون کے حوالون سے بحث بھی کیگئی ہے،

نمبر ۳۰، ادب ایران جلد چہارم (۱۹۲۵ء) زمانہ جامی کے بعد سے زمانہ حال تک، اس کتاب سے پروفیسر براؤن کی انتہائی دلچسپی کا پتہ جو انھین فارسی ادب سے تھی ملتا ہے، پروفیسر موصوف کی یہ آخری تصنیف ہے،

متفرقات | ترکی شاعری کی تاریخ جسے ایڈمرڈ گب ناممل چھوڑ کر مرے تھے، پروفیسر براؤن نے

اس کو مدون و مکمل کیا، چھ جلدون پر منقسم ہے، نہایت مشروح اور مفصل کتاب ہے، اڈورڈ گب کی مان نے اپنے شوقین بیٹے کی یادگار مین ایک "وقف" قائم کر کے فارسی عربی اور ترکی زبانون کی کتابون کا ذخیرہ جمع کیا، چنانچہ پروفیسر براؤن نے گب میموریل کی کتابین بھی اپنی جانفشانیون سے ترتیب دین، علاوہ ان کے اور بہت سے مضامین و رسالے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے میگزین مین برابر نکلتے رہے، جنکا ذکر خالی از طوالت نہین،

اس مختصر فہرست سے براؤن کی ادبی و علمی خدمات کا بخوبی پتہ چلتا ہے، اسلام اور ایران کے اس ہمدرد نے منصف مزاجی کسی حالت مین ترک نہ کی، جسکا حال پروفیسر موصوف کی کتابون کے مطالعہ سے ہمین پوری طرح معلوم ہوتا ہے، آج براؤن ہم سے دور اور بہت دور کسی دوسری دنیا کی سیر مین مصروف ہین، مگر ان کے کارنامے مثل روز روشن ہویدا ہین، ہمارے دل براؤن کے نام پر بے اختیار تحسین کرتے ہین براؤن کا نام صفحۂ ہستی پر اس وقت تک کے لیے ثبت ہے، جبتک جمشید اور نوشیروان، رستم و اسفندیار، فردوسی و سعدی، حافظ و جامی کا نام باقی ہے، ؎

سعدیا مرد نکونام نمیرد ہرگز،

مردہ آنست کہ نامش بنکوئی نبرند،

تلخیص و تبصرہ

سائنس کے انفعالات

تمام افعال انسانی دماغ کے اشارہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں، دماغ کے مختلف حصے ہیں مگر افعال کا تعلق صرف دو سے ہے مخ (مغز) اور مخ مستطیل، مخ مرکز دماغ ہے اور مستطیل اس کا ایک حصہ ہے، اسی طرح افعال کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک ارادی یا اختیاری، دوسری قسری یا اضطراری، ارادی افعال مخ کے تابع ہیں اور قسری اعمال مخ مستطیل کے، افعال قسری اگرچہ اپنی مستقل ہستی رکھتے ہیں مگر بے شعور ہیں، نہ ارادہ سے صادر ہو سکتے ہیں اور نہ روکنے سے رک سکتے ہیں، مثلاً کھانسی، چھینک اور ہنسی انگڑائی، ہچکی اور جمہائی یہ چھئون مخ مستطیل کے تابع ہیں منجملہ دیگر فرائض کے مخ مستطیل کا سب سے اہم فرض عضلات تنفس کی نگرانی ہے، تاکہ سانس کی آمد و شد میں ترتیب و توازن قائم رہے، علمائے تشریح کا فیصلہ ہے کہ اگر مخ مستطیل میں خفیف سا بھی زخم پیدا ہو جائے تو تمام نظام تنفس درہم برہم ہو جائے اور جاندار فوراً ہلاک ہو جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخ مستطیل تنفس کا اہم مرکز ہے،

تنفس محض سانس کی آمد و رفت کا نام نہیں ہے، بلکہ ہنسی، کھانسی چھینک، انگڑائی، ہچکی جمہائی سب پر محیط ہے اگرچہ بظاہر حرکات تنفس سے ان کو کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سب تنفس ہی کے مظاہر ہیں کیونکہ جن اعضا کے عمل سے سانس کی آمد شد ہوتی ہے، بعینہ انھیں اعضا اور اسی عمل سے یہ چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں، ان افعال قسری کی تنفس کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں ایک جنہیں سانس اندر جاتی ہے، دوسری جنہیں سانس باہر آتی ہیں، چنانچہ کھانسی چھینک اور ہنسی اندر

جانیوالی سانس کے انفعالات سے تعلق رکھتے ہین اور باقی تین باہر آنیوالی سانس کے انفعالات سے،

کھانسی ایک تنفسی حرکت ہے جسمین پہلے سانس اندر جاتی ہے اور بالکل اسی سے متصل باہر آتی ہی اور یہی حرکت وہ آواز پیدا کرتی ہے جسکو کھانسی کہتے ہین، کھانسی پیدا اس طریقہ سے ہوتی ہے کہ جب پھیپھڑے غیر معمولی طور سے بھر جاتے ہین اور ہوا تدریجًا اپنی نلکی سے نکلنے نہین پاتی کیونکہ پھیپھڑون کے امتلاء کے سبب سے آواز کے عصبی ریشے سمٹ جاتے ہین اور ہوا کا نکلنا طبعی ہے، اسلیے شکم کے عضلات آنتون کو اوپر کی طرف زور سے پھینکتے ہین اور اس سے ہوا کی روک ہٹ جاتی ہے اور پھیپھڑون کی ہوا کے لیے راستہ کھل جاتا ہے اور آواز کے سمٹے ہوئے عصبی ریشے پھیل جاتے ہین، اس سے ہوا کو نکلنے مین آسانی ہو جاتی ہے کیونکہ یہی روک تھی اور یہی عضلات کی قوت ہوا کی نالی سے بلغمی مواد کو نہایت تیزی سے نکال پھینکتی ہے"

چھینک کھانسی مین صرف اس قدر فرق ہے کہ کھانسی مین ہوا کا زیادہ حصہ منہ سے نکلتا ہے اور چھینک مین نتھنون سے، اس کا سبب یہ ہے کہ چھینک مین تالو کے عصبات سمٹ جاتے ہین جس سے نرخرہ مین حجاب پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ تالو سے نیچے ہے اور ہوا کے دو ہی راستہ ہین، ایک حلق کی نلکی دوسرے ناک حلق کی نلکی سے حجاب نکلنے نہین دیتا، صرف نتھنے باقی رہجاتے ہین، اسلئے اس طرف سے نکلتی ہے اور بلغمی مادہ بھی اسی طرف سے خارج کرتی ہے مگر چونکہ تالو کے عصبات بالکل نہین سمٹ جاتے اسلئے نرخرہ مین شدید قسم کی رکاوٹ بھی نہین ہوتی، اسلیے ہوا کا زیادہ حصہ ناک سے خارج ہوتا ہے اور تھوڑا منھ سے اس صورت سے چھینک اور کھانسی مین بہت مشابہت پیدا ہو جاتی ہی،

ہنسی، سانس کے برآمد کرنے مین کوشش کرنے کا نام ہے، اور سانس کے برآمد کرنے والے عضلات کی تشنجی حرکت سے پیدا ہوتی ہے جس سے تھوڑی تھوڑی ہوا نکلکر پھیپھڑون کو بالکل خالی کر دیتی ہے، یا کچھ باقی رہتی ہے، ہوا ہنسی کی مناسبت سے نکلتی ہے جس درجہ کی ہنسی ہوگی، اسی

مقدار مین ہوا بھی نکلیگی، ہوا کے نکلنے کا فوری اثر ہنسنے والے پر پڑتا ہے جس قدر ہنسیگا اسی قدر ہوا نکلیگی اور اسی اعتبار سے طبیعت مین تکدر پیدا ہوگا، کیونکہ ہوا ہی سے پھیپھڑے تر و تازہ رہتے ہین، اس کا اندازہ ہر شخص کو ہوگا کہ زیادہ ہنسنے سے افسردگی پیدا ہوجاتی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ ہوا کا زیادہ حصہ پھیپھڑے خارج ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی دیکھنے مین آیا ہے کہ آدمی ہنستے ہنستے مر بھی جاتا ہے، کیونکہ ایسی صورت مین پھیپھڑے بالکل خالی ہو جاتے اور بقائے حیات کیلئے ان مین ہوا کا ہونا ضروری ہے،

مذکورۂ بالا حالتیں اندرونی سانس کے انفعالات تھے ان مین مشترک چیز سانس کی آمد ہے انکے مقابل انگڑائی ہچکی اور جمہائی بیرونی سانس کے انفعالات ہین ان مین سانس کی درآمد ہوتی ہے،

انگڑائی، تیز اور غیر منتظم تنفس کا نام ہے لیکن اس مین ہوا کی رکاوٹ کی وجہ سے آواز کا ہونا ضروری ہے اور اس مین باقی عضلات اپنے اپنے فرائض اپنے اصول کے مطابق پورے کرتے ہین،

ہچکی، اور انگڑائی مین صرف اس قدر فرق ہے کہ ہچکی مین سانس کی درآمد ناگہانی ہوتی ہے اس کے آنے کا سبب یہ ہے کہ ہوا کے حجاب مین ایک قسم کا تشنجی انقباض پیدا ہو جاتا ہے اور ہوا جب نرخرہ سے گذرنا چاہتی ہے تو وہ پھیپھڑے تک پہنچانے کے لیے فوراً تیار نہین ہوتا ہوا کی اس کشمکش سے آواز کے عصبی ریشون مین ایک خاص اہتزاز پیدا ہوتا ہے جس سے ہچکی کی آواز پیدا ہوجاتی ہے،

جمہائی، گہرے قسم کی سانس کی درآمد ہے جس کے ساتھ ہی نیچے کے تمام عضلات مین تشنجی انقباض پیدا ہو جاتا ہے، اس مین تمام وہ علامتین پائی جاتی ہین جو سانس کے درآمد کرنے مین پیدا ہوتی ہے، مثلاً سینہ کا پھولنا، شانون کا اوپر چڑھنا اور پیٹ کا دبنا وغیرہ،

(الہلال)

سیام کے بعض دلچسپ حالات

سیام برما سے مشرق مین واقع ہے یا یون کہا جائے کہ فرانس کے مقبوضات ہند سے جانب مغرب ہے

اور یہی وجہ ہے کہ گرچہ سیام مین مستقل ملکی حکومت قائم ہے، لیکن مشرق یعنی برما مین انگریزون اور مغرب مین فرانسیسیون کے ہونے سے وہ ہمیشہ سخت مشکلات مین مبتلا رہتا ہے کیونکہ یہ دونون، دونون پہلوون سے اس کے دبانے کی کوشش مین ہمیشہ مصروف رہتے ہین، خصوصًا انگریزون کا دباؤ اور زیادہ سخت ہے، چنانچہ ۱۹۰۹ء مین انگریزی حکومت جانب جنوب مین سیام کا ایک بڑا حصہ جو متعدد صوبون پر مشتمل ہے دبا لینے مین ایکمرتبہ کامیاب ہوچکی ہے،

سیام کی آبادی تقریبًا ۰۰۰۰۰۰ ا ہے، وہان شاہی حکومت قائم ہے، چنانچہ ابھی حال مین راما ششم شاہ سیام کے ۴۵ برس کی عمر مین انتقال کرنے کی خبر آچکی ہے، اہل سیام اپنی جسمانی اور صوری حیثیت سے چینیون سے زیادہ مشابہ ہین کیونکہ وہ لوگ بھی چینیون کی طرح مغل نسل سے ہین اور اسی لیے ان دونون کی یہ مشترکہ خصوصیت ہے کہ ان کے اندر نظام جمہوری کی روح پیدا نہین ہوتی، وہان کے حکام باشندون پر مظالم ڈھاتے ہین اور وہ خاموشی سے بیٹھے تماشا دیکھتے رہتے ہین، بلکہ وہان اس وقت تک کوئی حاکم لائق نہین کہا جاسکتا جب تک وہ اپنے طرز عمل سے مظالم کے متعدد واقعات کا ثبوت نہ بہم پہنچا لے، ان کے یہان بردہ فروشی کثرت سے رائج ہے اور جہان بردہ فروشی کا رواج ہوگا وہان سے عورتون کا احترام اور انکی آزادی مفقود ہو جائیگی، اسی لیے وہان انسانیت کے لحاظ سے عورتون کی کوئی قدر و قیمت نہین ہے، وہ گھر مین بمنزلہ اثاث البیت کے ہین،

آزادی کی روح کے فقدان کی بنا پر ان مین ایک اور نہایت انسانیت سوز عادت پائی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہان ہر سال کمسن لڑکیون کی ایک جماعت قصر شاہی مین بھیجی جاتی ہے جنھین وہان رقص و سرود کی تعلیم دیجاتی ہے پھر جب وہ ایک مدت کے بعد ان چیزون مین ماہر ہو جاتی ہین تو پھر وہ شاہ سیام کی خواص مین داخل کیجاتی ہین، اس کے بعد ان کی تمام عمر اسی محل شاہی مین بسر ہوتی ہے،

اہل سیام ہندوستان کے بزرگترین "نبی" گوتم بدھ کے پیرو ہین، نیز ان کے مذہب مین

قدیم برہمنون کے مذہب کی آمیزش موجود ہے، ان کی عبادت گاہون مین قطار در قطار بت نصب ہوتے ہین جنکی بدھ مذہب کے عوام پوجا کیا کرتے ہین، ان کے طریق عبادت، اور دیگر آداب وتہذیب مین ہندوستان کی ذہنیت کی نمایان جھلک پائی جاتی ہے، ان کے یہان بھی ایک وطنی ڈرامہ ہے جسے وہ اپنے بچپن سے اسٹیج پر کھیلا کرتے تھے یہ ڈرامہ ہندؤن کے قدیم ڈرامہ سے مشابہ ہے جو آج تک زبان سنسکرت مین محفوظ ہے،   (الہلال مصر)

ڈاکٹر لیبان اور مشرق کے انحطاط کا سبب،

فرانس کے مشہور مستشرق اور علم الاقوام کے ماہر ڈاکٹر گستاؤلی بان نے اپنی عمر کا بڑا حصّہ مشرقیات کے مطالعہ مین صرف کیا ہے اور یہانکی تاریخ پر بہت غائر نظر ڈالی ہے تمدنِ عرب اور تمدنِ ہند کے ضخیم مجلدات انھین کے نتائج فکر ہین، اسلیے اسکو مشرق کا سب سے بڑا نباض کہنا بیجا نہ ہوگا، ایک مصری طالبعلم نے جب اس سے ملاقات کی تو چونکہ مشرق کے عروج وزوال کا نقشہ اس کے سامنے تھا اور اس کے اسباب وعلل پر بھی اس نے غور کیا تھا اور جس نتیجہ پر وہ پہنچا تھا اسکو نصیحت کے طور پر مشرقی نوجوانون کے گوش گذار کیا اس کے یہ قیمتی نصائح اس قابل ہین کہ تمام مشرقی اقوام بالخصوص ہندوستانی نوجوانون کو اس سے سبق لینا چاہیئے کہ یہ انکی نجات کا ذریعہ ہین مستشرق مذکور مشرق کے تنزل کا سبب بتاتے ہوئے کہتا ہے:—

"مشرق کے انحطاط کا سب سے بڑا سبب یہ کہ اسنے باطل عقائد مین پڑکر اپنے مذہب کی روح کھودی ہے کیونکہ صرف مذہب ہی وہ قوت ہے جسکا اعتصام قومون کو گرنے نہین دیتا، اسلئے مشرقیون کا فرض ہے کہ روش زمانہ کے مطابق اپنے مذہب پر مضبوطی سے جمے رہین اور اپنے اسلاف کی خوبیون کی تقلید کرین اور ان کی بہترین عادات وخصائل کو نہ چھوڑین"

اس کے بعد خاص طور پر ان طلبہ کو نصیحت کی ہے جو مغربی علوم سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے یورپ جاتے ہین،

"ان کو یورپ کے ایسے علوم وفنون اور خیالات وعادات کو انتخاب کرنا چاہئیے جو ان کے وطن کیلئے مفید اور مشرقی اخلاق کے موافق ہون"

پھر ان لوگون کا تذکرہ کیا ہے جو بغیر سمجھے بوجھے اپنے عقائد اور عادات وخصائل بدل دیتے ہین اور اس کا لحاظ نہین کرتے کہ ان کا روحانی اثر ان پر کیا پڑے گا، آخر مین ترقی کے راز اور دنیا مین زندہ رہنے کے رمز سے آگاہ کرتا ہے کہ "دنیا کی جو قوم ترقی کرنا چاہتی ہے اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ اس سررشتہ کو ہاتھ سے نہ چھوڑے جو اسکو اس کے ماضی سے مربوط کئے ہے اور اپنی تمام قدیم چیزون کا احترام دل سے کرتا رہے"

یہ سبق ایک یورپین اور ایک اجنبی دیتا ہے، کیا ہندوستانیون کیلئے بالخصوص مذہب سے بیگانہ اور قدامت سے نفور نوجوانون کے لیے اس مین کوئی درس بصیرت ہے؟

(الزہرار)

دار المصنفین کی نئی کتاب

سیر الصحابیات

از

مولوی سعید انصاری،

جس مین نہایت مستند حوالون سے ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام صحابیات کے سوانح اور انکے اخلاقی مذہبی اور علمی کارنامے درج ہین، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ ضخامت ۲۲۵، قیمت عہ

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

برقی لہر مہلک نہین ، پروفیسر ڈارسنفال فرانسیسی نے ثابت کیا ہو کہ برقی لہر خواہ کسی درجہ کی ہو انسان کو ہلاک نہین کرسکتی، البتہ اس پر وقتی بیہوشی طاری کردیتی ہے، اور فوری تدبیر سے وہ ہوش مین آسکتا ہے، چنانچہ پروفیسر مذکور نے متعدد حیوانات پر اس کا تجربہ کیا اور بہت قوی برقی لہران سے مس کی، جنسے انپر موت کے تمام ظاہری علامات طاری ہوگئے لیکن پروفیسر ان کو ہوش مین لے آیا، اس نئی تحقیق کی برکت سے وہ تمام جانین محفوظ ہوگئین، جو آئے دن ٹرام کے تارون سے ضائع ہوتی رہتی ہین ،



بڑی اشتہار کا خطرہ ڈیلی میل کے پہلے صفحہ مین ایک مرتبہ کے اشتہار کی اجرت ۱۰۰۰ لگی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہو کہ انگریزی جرائد کی زندگی کا دار مدار اشتہارات پر ہے، اگر اشتہارات ان کو نہ ملین تو انکی زندگی بھی ختم ہو جائے، چنانچہ بہت سے اخبارات ایسے ہین کہ اگر ان کے حجم کے برابر سادہ کاغذ خریدا جائے تو اس مطبوعہ اخبار سے گران پڑے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان اخبارات کی ساری قیمت اشتہارات سے نکل آتی ہے، اسلیے کاغذ کی کوئی قیمت نہین رہجاتی، اور وہ سستے بکتے ہین، مدبرین یورپ اس کے خطرناک انجام سے بہت خوفزدہ ہین، کیونکہ اگر یہی حالت قائم رہی تو اخبارات مشتہرین کی مستقل ملکیت ہو جائینگے اس لیے کہ وہ ان کے حصص خریدنے پر تُلے رہتے ہین اور اسکی پالیسی مین مداخلت کرتے ہین تاکہ ان کے مفاد کے خلاف اس مین کچھ نہ لکھا جا سکے ،



ایک اہم تصنیف ، شام کے نامور شاعر و ادیب خیر الدین زرکلی عنقریب ایک جلیل القدر تالیف

"الاعلام" شائع کرنے والے ہین، اس مین فاضل مؤلف نے عرب جاہلی سے لیکر دورحاضرہ تک کے چار ہزار مشہور عرب مردون اور عورتون کی سوانحعمریان بہ ترتیب حروف تہجی جمع کی ہین، یہ تالیف سینکڑون مستند قلمی اور مطبوعہ کتابون کا عطر ہے جن سے اسکی تالیف مین مدد لیگئی ہے، اسکی ترتیب اور طباعت جدید یورپین طرز پر ہوگی، ہر صفحہ مین دو کالم ہونگے، پہلے شخص کا مشہور نام ہوگا، اس کے بعد اس کا سنہ ولادت و وفات سنہ ہجری و عیسوی مین درج ہوگا، پھر اسکے وہ کارنامہائے زندگی ہونگے جو اس کی شہرت کا باعث ہوئے، آخر مین اس کی تالیفات و تصنیفات کی فہرست ہوگی، جس مین قلمی اور مطبوعہ کی بھی وضاحت ہوگی اس مین حشو و زوائد سے کتاب کو طول نہین دیا گیا ہے، بلکہ محض ضروری اور کارآمد باتین مختصراً لکھی گئی ہین، ضخامت اندازاً ایک ہزار صفحات ہوگی،



جامع عمرو بن عاص، سلطان مصر نے جامع عمرو بن العاص کیطرف توجہ فرمائی ہے، اس مسجد کو مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر نے سنہ ۲۱ھ مین دمیاط کی سرحد کے پاس تعمیر کرایا تھا، اسکی تاریخی اہمیت اور قدیم صنعت کی یادگار ہونے کی وجہ سے سیاح برابر دیکھنے کے لیے جاتے رہتے ہین، اسلیے اسکی صفائی اور مرمت کی سخت ضرورت ہے، اس مسجد کے ہر چہار جانب کثرت سے قبرین ہین،



قسطنطنیہ مین اشاعت تعلیم، قسطنطنیہ اشاعت تعلیم مین تمام ترکی شہرون پر فائق ہے، ترکی جرائد کے بیان کے مطابق قسطنطنیہ اور اس کے قرب و جوار مین ۱۹۵ ابتدائی سرکاری مدرسے ہین جنمین ۳۲۴۵۰ طلبہ تعلیم پاتے ہین، اور ان پر ۴۰۰۰۰۰ پونڈ سالانہ صرف ہوتا ہے، ان مین ۱۶۷ مدرسے سررشتۂ تعلیم سے متعلق ہین، اور ۲۷ اوقاف سے،

—————⊱✲⊰—————

مصر کا گزیٹیر، حکومت مصر نے معجم جغرافی مصر (گزیٹیر) کی تالیف کے لیے ایک محکمہ قائم کیا ہے اس معجم مین مصر کے شہرون، دیہاتون، اور پرودون کا مختصر جغرافیہ ہوگا نیز پولیس اسٹیشن سے ان دیہاتون کا فاصلہ درج ہوگا، ابھی یہ محکمہ اعداد و شمار فراہم کر رہا ہے اسکو ختم کرکے تالیف کا کام شروع کرے گا، اس سے قبل ۱۸۹۰ء مین حکومت نے اس قسم کی ایک معجم تیار کرائی تھی لیکن وہ ناکمل ثابت ہوئی،

مردم شماری کی قدامت، آجکل عمومًا یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مردم شماری یورپین برکات کا مظہر ہے حالانکہ قدیم لغات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت قدیم طریقہ ہے چنانچہ "احصاء" کی توضیح مین ہمکو ملتا ہے کہ اس کے معنی شہرون کی پیمایش، اسکی سکان کی تعداد اور اس کے مزارع اور ان کے صنعتی اور حرفتی کارخانون کا شمار کرنا ہے" لغت کی شہادت کے علاوہ اسکی عملی مثالین بھی ملتی ہین چنانچہ باؤ شہنشاہ چین نے ۲۲۳۸ سال قبل میلاد مسیح اپنی رعایا اور ان کے ذخائر شمار کرائے تھے، حضرت موسیٰؑ نے، سترہ صدی قبل مسیحؑ عبرانی قوم کی مردم شماری کرائی تھی جس کا ذکر توراۃ سفر عدد مین بھی آیا ہے، اسلام کے عہد نبوت مین بھی آنحضرت صلعم نے مسلمانون کی مردم شماری ہوئی یورپ مین ۱۷۲۶ء مین فرانس کی مردم شماری ہوئی، نئے دور مین نپولین کو اس طرف خاص توجہ ہوئی چنانچہ ۱۸۰۱ء مین فرانس کی مردم شماری کرائی اور اس وقت سے یہ طریقہ عام طور پر رائج ہو گیا، پہلی مرتبہ تحصیلون کا شمار ۱۸۲۵ء مین اور صنعتی و تجارتی شمار ۱۸۳۳ء مین اور ریلوے لائنونکا ۱۸۴۶ء مین ہوا،

ایک مصری ایجاد، حال مین مشہور مہندس محمود مجدی آفندی نے بوگی کے پہیون مین تیل لگانے کا ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ ریل چلتی رہتی ہے اور وہ پہیون مین تیل لگاتار ہتا ہے،

مطبوعات جدیدہ

اسلامی اٹلس؛ تاریخ وجغرافیہ کا رشتہ باہم کچھ اتنا قریبی ہے کہ دونون کو ایک قرار دینا شاید ایک حد تک بیجا نہ ہو کیونکہ جب تک تاریخی جغرافیہ پیش نظر نہ ہو ہماری تاریخ دانی تقریبًا نامکمل رہتی ہے، مگر ہمارے اردو کتب خانے تاریخی اطلسون اور تاریخی جغرافیون سے قطعًا خالی ہین، لیکن ہمکو جناب ماسٹر محمد اسحاق صاحب کا شکرگذار ہونا چاہیئے کہ انھون نے یہ اسلامی اٹلس تیار کرکے ایک حد تک اس کمی کو پورا کیا ہے،

یہ اٹلس ۲۸ نقشون کا مجموعہ ہے سب سے پہلے نقشہ مین مذاہب عالم کا تناسب، دوسرے نقشہ مین فتوحات اسلامیہ کے حدود پھر آٹھ نقشون مین عہد نبوت، خلفائے اربعہ، بنی عباس، بنی امیہ اور سلاطین آل عثمان کے انتہائی عروج کا نقشہ دکھا کر ص۱۳ مین یکجا طور پر پانچ نقشے دیکر ۱۹۲۱ء تک کے مقبوضات خلافت کا مقابلہ خلفائے راشدین، بنی امیہ، بنی عباس، اور ۱۵۱۶ء تک کے مقبوضات آل عثمان سے مقابلہ کیا گیا ہے ص ۱۹ پر (نظر اعدا) کے عنوان سے ایک نقشہ مین یورپین طاقتون کی چشمہائے آز کا فوٹو ہے، ص ۲۲ پر (شعاع امید) کے ماتحت ایشیا کے اندر سربعروج اسلامی ممالک کا نقشہ دیا گیا ہے، یہ دونون نقشے آمنے سامنے ہوتے تو بہتر تھا،

ماسٹر صاحب نے اکثر مواقع پر مولانا حالی کے مناسب حال اشعار درج کئے ہین بہتر ہوتا کہ ان اشعار کی بجائے، نقشہ کو سمجھانے کے لیے مختصر اشارات (نوٹ) ہوتے، کاغذ دبیز اور نقشے اگر رنگین ہوتے تو علاوہ اس کے کہ ماسٹر صاحب کی محنت اور زیادہ نفع بخش ہوتی اٹلس کے حسن مین بھی اضافہ ہوجاتا

یہ اٹلس نقش اول ہے، نقش ثانی کے متعلق ہم کو امید ہے کہ اس مین ہندوستان کی اسلامی

تاریخ کو فراموش نہ کیا جائے گا، ہمنے اگر ماسٹر صاحب کی ہمت افزائی کی تو شاید ان سے اور زیادہ امیدین وابستہ کرنیکا حق بھی ہمکو حاصل ہوجائے گا، قیمت عہ منیجر اسلامی اٹلس مردہی ٹولہ سیتاپور سے طلب کیجئے ،

مجاہدینِ مراکش، ریف کے سربکف مجاہدین نے اسلام کی قدیم ترین جنگی تاریخ کو اس کے تمام معجزانہ خصائص کے ساتھ زندہ کر دیا ہے، مگر ہم اس بہادر قوم کے حالات سے اچھی طرح واقف نہین ہین، ہم کو ملک عبدالقیوم بی اے بیرسٹرایٹ لا کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انھون نے "مجاہدین مراکش" لکھکر ملک پر بڑا احسان کیا ہے "مجاہدین مراکش" کا شمار پنجاب کے ان زود قلم مؤلفین کی تصنیفات مین نہین کیا جاسکتا ہے، جو ہر وقتی عنوان کے ماتحت جلد سے جلد چند سرسری معلومات شائع کر دینے کے عادی ہین، بلکہ جب ۱۹۲۲ء مین ریفی وفد لندن آیا تھا، تو اس کتاب کا مؤلف وہان موجود تھا، اور اس نے رضاکارانہ طور پر وفد کے قانونی مشیر کے فرائض انجام دیئے تھے، اس بنا پر اس کتاب کا سرمایۂ معلومات تاریخی استناد کے لحاظ سے نہایت قیمتی ہے، فاضل مؤلف نے اس کتاب کو ۱۰ ابواب پر تقسیم کیا ہے جنمین ترتیب حسب ذیل باتین اختصار مگر وضاحت کے ساتھ بیان کیگئی ہین، مراکش کی مختصر تاریخ، یورپ کے ساتھ تعلقات کی ابتدا اور سیاسی پیچیدگیان، ہسپانیہ و ریف کے سیاسی تعلقات، جنگ ہسپانہ و ریف، وفد ریف لندن مین، ریف کا موجودہ نظام جمہوریت، ریف کے متعلق یوروپین طاقتون کے خفیہ معاہدے، موقع موقع سے ان مین ۱۴ تصاویر بھی ہین،

معلومات کے لحاظ سے کتاب نہایت دلچسپ اور وسیع ہے، زبان بھی ستھری اور پاک ہے لیکن بعض مقامات پر "بنک شاہی"، "فرقہ اندازیون" اور "شراکت پسند" جیسے فقرے مذاق سلیم کو گران معلوم ہوتے ہین، "شراکت پسند" کی بجائے "شرکت پسند" یا "اشتراکیت پسند" (جواب معروف لفظ ہوچکا ہے) زیادہ بہتر ہوتا، بہرحال یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہمارے ناظرین اس کا مطالعہ کرین قیمت عہ، پتہ:- ملک عبدالقیوم بی اے (علیگ) بیرسٹرایٹ لا گوجرانوالہ ،

بشیر پاشا سیریز، زندہ قومین اپنے مشاہیر اور رہبرون کی یاد ہمیشہ تازہ رکھتی ہین، ہندستانی مسلمانون کا بھی فرض ہے اپنے محسنون کے حالات کو عام طور پر اپنے علم و ادب کا جزو بنا دین، تاکہ جسطرح یہ لوگ اپنی زندگی مین ہمارے اخلاق و فضائل کی تعمیر مین کوشان تھے، اسی طرح ان کے نیک آثار انکے واصل بحق ہوجانے کے بعد بھی، ہمارے قومی اخلاق کو راسخ بنانے مین کام آئین، قوم کو انکی نہ صرف مبسوط سوانحعمریون کی ضرورت ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے رسالے ان مبسوط سوانحعمریوں سے زیادہ کارآمد ہوتے ہین اسی مقصد کو پیش رکھتے ہوئے، جناب مولوی محمد الطاف حسین صاحب بی اے علیگ (ہڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول اٹاوہ) نے اپنے محبوب ترین شاگرد (بشیر پاشا خلف مولوی بشیرالدین صاحب اڈیٹر البشیر کی یادگار مین ہندوستان کے مشاہیر کی مختصر سوانحعمریان شائع کی ہین، جنکا اجمالی نام بشیر پاشا سیریز ہے، اب تک اس سلسلہ کی حسب ذیل کتابین شائع ہوچکی ہین،

تذکرۂ سرسید	مرتبہ	جناب	نورالرحمٰن صاحب بی اے
تذکرۂ مولانا شبلی	"	"	مولوی محمد مہدی صاحب بھوپال
تذکرۂ حافظ نذیر احمد	"	"	"
تذکرۂ محسن الملک	"	"	منشی محمد امین صاحب زبیری
تذکرۂ سید محمود	"	"	"
تذکرۂ سمیع اللہ خان	"	"	سید عبدالکریم بی اے ال ال بی

یہ تمام کتابین اسلامیہ اسکول اٹاوہ پر وقف ہین، افسوس کہ ان کی قیمت نہین معلوم غالبًا ہڈ ماسٹر صاحب اسلامیہ اسکول اٹاوہ سے مل سکین گی،

عدد چہارم	ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۲۶ء	مجلد ہفدہم

مضامین

شذرات

مُدت کی سوئی ہوئی قسمت اب جاگی ہے، حج وزیارت کے حصول کی آرزو کئی سال سے تھی، امسال اس کا سامان میسر آیا ہے، اوائل مئی مین انشاء اللہ اس ارادہ سے روانہ ہونگا، موتمر اسلامی مین بھی شرکت ہو گی، دعا کیجئے کہ اس دست بینوا سے اسلام کی کوئی خدمت بن آئے، محرم مین واپسی کی اُمید ہے، اس اثنا مین معارف مین کوئی قصور نظر آئے تو چشم پوشی کی التجا ہے،



فروری کے شذرات مین مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کی ایک عبارت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، جس مین آنحضرت صلعم کی شان مین گستاخانہ کلمات تھے، اکولہ (برار) کے ایک مسلمان مطلع کرتے ہین کہ انسائیکلوپیڈیا مذکور کے چند مرہٹی ارکان سے گفتگو آئی تو انھون نے انسائیکلوپیڈیا مین اس عبارت کے وجود سے انکار کیا اور تلاش کے باوجود انکو یہ عبارت نہین ملی اسلیے عرض ہے کہ یہ عبارت اس عظیم الشان کتاب کی چوتھی جلد کے صفحہ ۳۰۳ (تین سو تین) مین درج ہے، امید ہے کہ اب تلاش وجستجو مین ناکامی نہ ہوگی،



اگر مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ارکان برار کو اس قسم کی غلطیون کا احساس ہے اور وہ ان کی اصلاح کرنا چاہتے ہین، تو ہم اونھین بتانا چاہتے ہین کہ اسی جلد چہارم کے صفحہ ۳۰۲ (تین سو دو) پر یہ جاہلانہ عبارت بھی ان کو ملیگی،

"طلاق کا اصولی بیان قرآن مین کہین نہین ... متعدد بیویان کرنے کے لیے اور اسی طرح خاطرخواہ رنڈی بازی کرنے کی محمدؐ نے اجازت دی ہے"

اس قبیل کی بیسیون باتین اس مین جا بجا ملتی ہین، اگر یہ چیزین کسی مناظرانہ کتاب مین لکھی جاتین تو رنج و افسوس کی بات نہ تھی، لیکن ایک علمی کتاب مین یہ غلط گوئی، یہ تحریف، اور یہ جہالت نہایت افسوس کے قابل ہے، ہم کو اُمید ہے کہ مرہٹی جاننے والے مسلمان، یا اس انسائیکلوپیڈیا کے اگر کچھ مسلمان ارکان بھی ہون تو وہ اس کے کارکن اصحاب کو ادھر متوجہ کرین گے، یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمان اہل قلم اور مصنفین نے ہندو اوتارون اور بزرگون کی نسبت کبھی ایسے ناشایستہ الفاظ نہین لکھے، حالانکہ اس کے لیے کافی مواد ان کے سامنے ہے،

احمد عثمان صاحب، مہار بلڈنگس بمبئی سے مطلع کرتے ہین، کہ انکی برادری مین ایک عجیب قسم کا رواج ہے، جسکو اسلام کی روح سے کسی قسم کا تعلق نہین، وہ لکھتے ہین کہ:-

"ہماری برادری مین متولیان وقف اور بیٹل متمول ہین، وہ اپنی لڑکیان برادری کے غریب اور کم حیثیت لڑکون کو نہین دیتے، بلکہ متمول اور مالدار کی جستجو مین لڑکیون کو بٹھائے رکھتے ہین، چنانچہ تیس تیس برس بلکہ اس سے زاید کی عمر کی لڑکیان کنواری، انکے یہان موجود ہین، اور اکثر اسی حالت مین مرگئی ہین، جب اس جماعت کا غریب لڑکا جو اپنی برادری کی لڑکی کے لیے چار پانچ ہزار کا زیور نہین دیسکتا، اور اسکو اپنی قوم کی لڑکی نہین ملتی تو وہ مجبور ہوکر کسی دوسری مسلمان جماعت مین عقد شرعی کرتا ہے، اور اس سے اولاد ہوتی ہے تو یہ لوگ اوس اولاد کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین، اور اسکو برادری کے حقوق سے بھی محروم کر دیتے ہین، حتی کہ اوسکی حیات و ممات مین قوم

کا بانگی (مؤذن) بھی نہین جاسکتا ہے،،۔۔۔"



اطراف بمبئی کی مسلمان جماعتون کو اس قسم کے برے رسم ورواج کے انسداد واصلاح کی طرف فوراً توجہ کرنا چاہیئے، یہ لڑکیون کی جسمانی راحت کی تلاش مین ان کا روحانی مصیبت مین ڈالنا ہے۔ امارت وغربت آنی جانی چیزین ہین، اسلام کی نگاہ مین تمام کلمہ گو برابر ہین برادریون کی تفریق ذلت، اور عزت کا معیار نہین ہو، اسلام مین چھوٹائی اور بڑائی کا معیار صرف ایک ہی، اور وہ تقوی اور پرہیزگاری ہے، مسلمانون کو اپنے پیغمبر علیہ السلام کا وہ پیغام نہ بھولنا چاہیئے جو کعبہ کی دیوار کے نیچے فتح مکہ کے دن آپ نے سنایا کہ" لوگو! جاہلیت کا نسبی غرور اب ہمیشہ کے لیے توڑ دیا گیا، تم سب ایک آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے تم مین کسی کو کسی پر فضیلت نہین لیکن تقویٰ سے"



دہلی اور لکھنؤ کا باہمی مقابلہ زبان سے بڑھکر ہر چیز مین پیدا ہوگیا، اور ایک مدت سے جاری ہے، اور ان مین سے ایک کو دوسرے پر متعدد حیثیتون سے ترجیح کا دعوی ہی مگر ایک بات ایسی ہے کہ اُس کے لحاظ سے دہلی کو لکھنؤ کے مقابلہ مین ہار ماننی پڑے گی دہلی علم کا پرانا مرکز ہے، بیسیون عربی مدرسے وہان ہین، مگر کس قدر افسوس کی بات ہو کہ وہان کوئی شخصی یا عمومی بڑا کتبخانہ نہین، جامعۂ ملیہ کے جانے سے اب ایک کتبخانہ کی صورت وہان نظر آئی ہے، حالانکہ وہ اپنی آبادی، روایات اور حالات کے لحاظ سے ایک اسلامی شہر ہے اور وہان ایک عمومی اسلامی کتبخانہ کی سخت ضرورت ہے، اسی خیال سے حضرت مولانا نذیر حسین میان صاحب کے نواسہ مولوی سید عبدالرؤف صاحب نے دہلی پھاٹک حبش خان مین

مولانا مرحوم اور دیگر محدثین و علمائے کرام دہلی کی یادگار مین ایک اسلامی کتبخانہ کی بنیاد ڈالی ہے، اور وہ متوقع ہین، کہ ملک کے اہل علم اور خصوصًا دلی کے اہل فضل اور ارباب کرم ادھر توجہ کرینگے

دسمبر ۲۵ء کے شذرات مین ملیبار (ٹراونکور) کے ایک واحد اسلامی مدرسۂ محمدیہ کا ہم نے ذکر کیا تھا، اور لکھا تھا کہ ان اطراف کے باخبر احباب اسکے مزید حالات سے مطلع کرین گے، ہمارے دوست مولانا فضل اللہ صاحب مدراسی اس کے متعلق ارقام فرماتے ہین:-

علاقۂ ٹراونکور مین الفی نام ایک قدیم شہر ہے جو ملیبار کا انتہائی حصہ ہے، اس علاقہ کے مسلمان بڑے راسخ العقیدہ اور مضبوط مسلمان تھے، مگر یہین عیسائی مشنریون نے اپنی کامل توجہ مبذول کی ہے، اور زبردست کالج کھولدیا ہے، اور اس اثر سے ایک شریف خاندان کے نوجوان مسلمان نے عیسائی ہوکر انھین مین شادی کر لی، اس پر وہان کے بعض غیور مسلمانون اور خصوصًا ڈاکٹر محمد علی صاحب کو غیرت آئی، اور اس مدرسۂ محمدیہ کی بنا ڈالی، اب تک چار سال کے عرصہ مین علاوہ اپنی زمین دینے کے چالیس پچاس ہزار روپیہ اس پر خرچ کر چکے ہین، مدرسہ مین ۲۷۲ طلبہ ہین، ابتدا سے آخر تک تعلیم دیجاتی ہے، عربی علوم دینیہ کے علاوہ ملیباری، اردو اور انگریزی پڑھائی جاتی ہے، نصاب بھی اچھا ہے، ملیبار مین اب تک پرانی قسم کے مدرسے تھے، جنمین زیادہ زور فقہ شافعی پر تھا، جو ذرا ذرا سے جزئی فقہی مسئلون پر ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل مین مصروف ہین، اس مدرسہ کے قیام سے روشن خیال علمار کی جماعت عنقریب اس علاقہ مین نظر آئیگی، اس لیے سارے ہندوستان کے مسلمانون کو اس مدرسہ کی اعانت کی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔

مولانا فضل اللہ صاحب مدراس کے اچھے اور معتبر علمار مین ہین، امید ہے کہ ان کا بیان لوگون کی تسلی کا باعث ہوگا کیا مناسب نہ ہوگا کہ جمعیۃ خلافت و جمعیۃ العلمار ہند اسکی امداد کرین،

مقالات

احکام القرآن،

مسلمانون نے اپنے صحیفۂ آسمانی کی جن جن حیثیتون سے خدمت کی، لفظی، معنوی، نحوی، ادبی، لغوی، فقہی، کلامی، اخلاقی، روحانی غرض مختلف پہلوؤن اور مختلف نقطہائے نظر سے جو تصنیفات، کتابین اور رسالے انھون نے لکھے، اونکی کثرت، ضخامت، اور تعداد اس قابل ہے کہ ان کو خود ایک مستقل کتب خانہ کا خطاب دیا جائے، الہلال اور البلاغ مرحوم کلکتہ کے متعدد نمبرون مین (۱۹۱۲ء و ۱۹۱۳ء) میرے مضامین شائع ہو چکے ہین، اور انکا عنوان علوم القرآن ہے ہے، افسوس ہے کہ یہ سلسلہ نا تمام رہا، اور آج گویا اوسی سلسلہ کا ایک اور نمبر ہدیۂ ناظرین ہے،

اسلام کی شریعت کی اصل اور اساس اوسکا صحیفۂ الٰہی ہے، یہی ان کے دین اور دنیا کی ہر ضرورت کا مرجع اور مآب ہے، اور وہی ان کے ہر عقیدہ ہر حکم مفروض، اور ہر نکتۂ اخلاقی و تمدنی کی بنیاد ہے، احادیث اور فقہ مین جو کچھ ہے وہ اسی کی آیتون کی تشریح و توضیح، بیان، تفصیل اور استنباط و اجتہاد ہے، کچھ اور نہین، ظاہر بین سمجھتے ہین کہ بعض احادیث صحیحہ مین قرآن کے مخالف یا قرآن کے ماوراء احکام ہین، یہ فکر کا قصور، غور کی کمی اور بصیرت کا نقص ہے، اسی لئے ائمۂ اسلام اور علمائے اعلام نے ابتدا سے قرآن مجید کے ساتھ اس حیثیت سے اعتنا کی ہے، صحابۂ کرام مین حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت عائشہؓ اس باب مین خاص امتیاز رکھتے ہین، احادیث مین بکثرت ایسے واقعات مذکور ہین کہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ نے قرآن پاک کی آیتون سے

ایسے باریک اور دقیق قانونی اور فقہی نکتے پیدا کئے، جہان تک عام اہل فہم کی رسائی ناممکن ہے،

شام و عراق کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ اور فوج کے سپاہیون مین جو زیادہ تر صحابہ کرامؓ تھے، یہ بحث پیش آتی ہے کہ ممالک مفتوحہ کی یہ زمینین عہد نبویؐ کے مفتوحات کی طرح مجاہدین مین تقسیم کر دیجائین یا وہ سلطنت و خلافت کی ملک قرار پائین، اور ان کا حاصل بطور وظائف کے تمام مسلمانون کو ملے، عام مجاہدین کا مطالبہ تھا کہ عہد نبویؐ کی پیروی کیجائے، اور یہ زمینین صرف ان سپاہیون مین تقسیم کر دیجائین جو ان لڑائیون مین شریک تھے، حضرت عمرؓ کا دعویٰ تھا کہ ان زمینون پر صرف انھین سپاہیون کا حق نہین، جنھون نے ان ممالک کے فتح کرنے مین لڑائیان لڑین، بلکہ یہ خلافت و سلطنت کی ملکیت بنکر تمام موجودہ اور آیندہ نسلون کی ملکیت ہین، سپاہیون کے سامنے مدینہ اور خیبر وغیرہ کی نظیرین تھین، مگر یہ نکتہ اُن سے پوشیدہ رہا کہ چونکہ اس عہد مین مہاجرینؓ عموماً اور بعض انصارؓ بالکل تہیدست اور مفلس ہو گئے تھے، اس لیے اسلام کی پہلی دولت ان کی شخصی ملکیتون مین دیدی گئی، اوراب چونکہ خدا کے فضل سے مسلمان بے نیاز ہو چکے تھے، اسلئے اب اسکی حاجت نہ تھی نیز حضرت عمرؓ یہ مصلحت پیش نظر رکھتے تھے کہ عراق و شام کے متمدن ممالک جنکے پیچھے مجوس و ترک اور رومیون کی سلطنتین ہین، جنکے مقابلہ اور مدافعت کے لیے ہمیشہ ایک مستقل فوج کی ضرورت پڑے گی، اور یہان اندرون سلطنت مین تیمون، بیوائون، اور مسکینون کی امداد کی حاجت ہوگی اگر یہ صرف ان مجاہدین کی شخصی ملکیتین قرار دیدی جائین تو اب اتنی بڑی سلطنت کی بیرونی و اندرونی ضرورتین کیونکر پوری ہونگی، یہ مقدمہ اہل شوریٰ صحابہؓ کی عدالت مین پیش ہوتا ہے اور وہان بھی کوئی متفقہ فیصلہ نہین ہوتا، آخر حضرت عمرؓ کا فہم قرآن کام کرتا ہے، اور وہ سب کے سامنے فرماتے ہین، صاحبو! اللہ تعالیٰ نے ان فتوحات کا مصرف خود بتادیا ہے،

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى   خدا نے اپنے رسول کو ان گاؤن والون پر

فللہ وللرسول ولذی القربی — جو فتح دی تو وہ خدا، رسول، قرابت داروں یتیمون،

والیتامی والمساکین وابن السبیل — مسکینون، اور مسافر کا حصہ ہے تاکہ یہ جائدا

کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم — تم مین سے صرف دولتمندون کے ہاتھون

اس کے بعد اللہ تعالی نے مہاجرین کا حق بتایا، پھر انصار کا حق بتایا اور پھر آخر مین فرماتا ہے

والذین جاؤا من بعدھم — اور ان مسلمانون کا حصہ ہے جو ان لوگون کے بعد آئے

آپنے فرمایا اگر یہ زمینین آج صرف ان لڑنے والے سپاہیون کو دیدی جائین تو بتاؤ آیندہ آنے والے مسلمانون کا حصہ کہان رہے گا؟ تمام صحابہ نے اس استدلال کو سنکر سر اطاعت خم کر دیا، قاضی ابو یوسف کتاب الخراج مین اس واقعہ کو نقل کرتے ہین لکھتے ہین کہ حضرت عمر کا یہ استدلال خدا کی توفیق سے تھا،

حضرت عائشہ رض کے سامنے یہ سوال آتا ہی کہ اسلام مین متعہ جائز ہے یا نہین، روایتین مختلف تھین، صحابہ مین حضرت ابن عباس رض کو اس کے جواز پر اصرار تھا، قرآن پاک کی کوئی صریح آیت موجود نہ تھی، حضرت ام المومنین رض نے لوگون سے کہا تھارے درمیان قرآن کا فیصلہ ہی، خدا فرماتا ہے،

الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم — مسلمانون کی صرف دو قسم کی عورتین حلال ہین، ایک بیبیان اور دوسری باندیان

بتاؤ یہ ممتوعہ عورتین ان دو صنفون مین سے کس مین داخل ہین؟ بیویان نہین ہین کہ ان کیلئے ترکہ اور وراثت نہین، اور باندیان تو ظاہر ہی کہ وہ نہین ہین، اور ان دو کے بعد کوئی تیسری قسم حلال نہین[1]، کتنا اچھا استدلال ہی،

فاطمہ بنت قیس رض ایک صحابیہ ہین، جو یہ روایت کرتی ہین، کہ جن عورتون کو ان کے شوہرین طلاقین دیدین، ان کے شوہرون پر پھر انکو نان نفقہ اور رہنے کا مکان دینا واجب نہین، انکی یہ روایت آنحضرت صلعم کے دوسرے فیصلون اور قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے،

یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن — اے نبی! جب تم لوگ (یعنی مسلمان) عورتون کو طلاق دو تو

واحصوا العدۃ واتقوا اللہ ربکم لاتخرجوھن — ان کو عدت کے وقت طلاق دو، اور عدت کے دن گنو، اور ان نے

[1] مستدرک حاکم

من بیوتهن الا ان یاتین بفاحشة مبینة وتلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ، (طلاق ع ۱) پروردگار اللہ سے ڈرو، ان عورتوں کو ان کے گھروں سے (جسمیں وہ رہتی تھیں) نہ نکالو، لیکن جب وہ کھلی بدکاری کریں، یہ خدا کی حدیں ہیں، اورجس نے خدا کی حدوں سے تجاوز کیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا،

لوگوں نے جب فاطمہؓ کی اس روایت کے ماننے میں پس و پیش کیا تو انھوں نے کہا اے لوگو! میرے تمہارے درمیان قرآن کا فیصلہ ہے، اس گھروں سے نہ نکالنے کی حکم والی آیت کے بعد ہی یہ حکم ہے جسمیں گھروں سے علیحدہ نہ کرنے کی مصلحت یہ بتائی گئی ہے،

لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا، تجھے معلوم نہیں شاید خدا کوئی نئی بات پیدا کرے،

یہ کنایہ ہے، میاں بیوی کے دوبارہ میل ملاپ سے، تین طلاقوں کے بعد میل ملاپ کی کوئی صورت نہیں؟ اسلئے لامحالہ یہ حکم ان عورتوں سے متعلق ہے جنکو ایک یا دو یعنی رجعی طلاقیں دی گئی ہوں، کہ ان کے لئے ایک جگہ رہنے سہنے میں دوبارہ میل کا امکان ہے، بتاؤ تین طلاقوں کے بعد نئی بات کیا پیدا ہوگی، غور کیجئے کتنا لطیف استدلال ہے،[1]

یہ صحابہ کرامؓ کے عہد کی چند مثالیں ہیں، اس سے اندازہ کیجئے کہ اگر نکتہ رس اور دقیقہ شناس طبیعتیں اس طرز پر غور و فکر کریں تو اسلامی قانون کا کتنا حصّہ کتاب پاک کی روشنی میں منور نظر آئے، چونکہ قرآن پاک میں فقہ کے ابواب و فصول نہیں ہیں، اور حدیث کی کتابیں احکام کے ابواب پر مرتب ہیں، اور ان سے زیادہ بہتر اور آسان ترتیب اور جزئیات کی توضیح کے ساتھ فقہ کی کتابوں کی ہے، اس لئے آسان پسند اور سہولت طلب طبیعتیں ہر معاملہ کے پیش آنے کے وقت سب سے اول فقہ و فتاویٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کرتی ہیں اور ان کے بعد کتب حدیث کی طرف، اور سب سے آخر میں قرآن پاک کی طرف، حالانکہ حضرت معاذ بن جبل والی حدیث کے مطابق اسکی ترتیب الٹی ہونی چاہئے، پہلے قرآن، پھر حدیث، پھر فقہ و فتاویٰ، اس کم ہمتی کسلمندی اور سہولت پسندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف قرآن پاک کے مطالب میں غور و خوض کا مادہ روز بروز کم ہوتا جارہا ہے، اور دوسری طرف زمانہ کے جدید ضروریات اور نئے سوالات کی جواب دہی سے ہم عاجز ہوتے جارہے ہیں،

اسلام کے عہد کمال میں ائمہ مجتہدینؒ اور علمائے اسلام نے قرآن مجید کے فقہی اور قانونی پہلو پر غور و فکر

[1] ابوداؤد کتاب الطلاق،

سے پہلو تہی نہین کی، بلکہ پوری نکتہ سنجی کے ساتھ اس فرض کو ادا کیا ہے، تحریر دفن کی حیثیت سے سب سے پہلے امام شافعیؒ نے اس موضوع پر کتاب لکھی، اور اس کے بعد فقہ اسلامی کے چارون ارکان مالکی، شافعی، حنفی اور حنبلی نے اس مبحث پر کتابین لکھین چنانچہ کشف الظنون کے حوالہ سے حسب ذیل تصانیف کا پتہ چلتا ہے،

عدد	کتاب کا نام	مصنف کا نام	مصنف کا سال وفات
۱	احکام القرآن	امام شافعیؒ	سنہ ۲۰۴ھ
۲	"	ابو الحسن علی بن حجر سعدی،	سنہ ۲۴۴ھ
۳	"	قاضی ابو اسحاق اسمٰعیل بن اسحاق ازدی بصری،	سنہ ۲۸۲ھ
۴	"	ابو الحسن علی بن موسی بن یزداد قمی حنفی،	سنہ ۳۰۵ھ
۵	"	امام ابو جعفر احمد طحاوی حنفی،	سنہ ۳۲۱ھ
۶	"	ابو محمد قاسم بن اصبغ قرطبی مالکی،	سنہ ۳۴۰ھ
۷	"	ابو بکر جصاص رازی حنفی	سنہ ۳۷۰ھ
۸	"	ابو بکر احمد بن حسین بیہقی ،	سنہ ۴۵۸ھ
۹	مختصر احکام القرآن	ابو محمد مکی بن ابی طالب قیسی،	سنہ ۴۳۷ھ
۱۰	احکام القرآن،	امام ابو الحسن کیا الہراسی شافعی بغدادی،	سنہ ۵۰۴ھ
۱۱	"	قاضی ابو بکر ابن العربی اندلسی مالکی،	سنہ ۵۴۳ھ
۱۲	"	عبد المنعم بن محمد بن فرس الغرناطی،	سنہ ۵۹۷ھ
۱۳	تلخیص احکام القرآن	جمال الدین احمد ابن السراج القونوی حنفی	سنہ ۷۷۰ھ

ہندوستان مین بھی اس فہرست مین ایک نیا اضافہ کیا گیا ہے، اور وہ مولانا احمد امیٹھوی کی جو ملا جیون کے نام سے مشہور ہین، اور جو اصول فقہ مین نور الانوار کے مصنف ہین تصنیف تفسیرات احمدیہ ہے جس مین ملا صاحب نے بحضور ایات احکامی آیتون کی تفسیر کی ہے،

احکام القرآن کی کتابون کی اس طویل فہرست مین سے افسوس ہے کہ اب بہت سے نوادر ناپید ہو چکے ہین، یا گمنامی کے گوشون مین پڑی ہین، تاہم اس وقت اس سلسلہ کی تین کتابین چھپ چکی ہین تفسیرات احمدیہ ہندوستان کے مطبعون مین چھپی ہے، اور ملتی ہے، اسکے علاوہ قاضی ابو بکر ابن العربی اشبیلی مالکی کی احکام القرآن مولای عبد الحفیظ سابق سلطان مراکش کے خرچ سے سنہ ۱۳۳۱ھ مین مصر سے دو جلدون مین چھپکر شائع ہوئی ہے، اور اس کے بعد سلطان رشاد سابق سلطان ٹرکی کے عہد حکومت مین سنہ ۱۳۳۵ھ مین ابو بکر جصاص رازی حنفی کی احکام القرآن تین جلدون مین قسطنطنیہ سے شائع ہوئی ہے،

ان دونون کتابون کے مطالعہ سے یہ امر بخوبی روشن ہوجاتا ہی کہ کتب فقہ مین جو احکام مذکور ہین، ان کا ماخذ قرآن مجید کی کون کون آیتین ہین، اور ائمۂ مجتہدین نے اُن سے کس کس طرح استخراج کیا ہی خصوصاً ابوبکر جصاص رازی حنفی المتوفی ۳۷۰ھ کی تصنیف صرف قدامت کے لحاظ سے بلکہ دوسری حیثیتون سے بھی نہایت عجیب چیز ہی، اور فقہ حنفی کیلئے طحاوی کے بعد یہ دوسری نعمت ہی جو عالم وجود مین آئی ہی، یہ وہی ابوبکر رازی ہین، اور یہی انکی تصنیف ہے، جسکا ذکر امام رازی اپنی تفسیر مین باربار کرتے ہین، اور شافعی المذہب ہونے کے باعث ان کے حنفی استدلالات پر وہ ہر جگہ حملے کرتے ہین، ابوبکر رازی، امام ابوداؤد یعنی سنن ابی داؤد کے مصنف کے بیک واسطہ شاگرد ہین، اور ایک ہی واسطہ سے ابوداؤد سے احادیث کی روایت کرتے ہین،

امام موصوف قرآن مجید کی اس آیت :-

ونزلنا علیك الكتاب تبیاناً لكل شئ	اور ہم نے تجھپر کتاب اتاری جسمین ہرشی کا بیان ہے،

کی تفسیر مین لکھتے ہین :-

یعنی به والله اعلم تبیان کل شئ من امور الدین، بالنص والدلالة فما من حادثة جلیلة ولا دقیقة الا ولله فیها حکم قد بینه فی الکتاب نصاً او دلیلاً فما بینه النبی صلعم فانما صدر عن الکتاب بقوله تعالیٰ (جلد ۳ صفحہ ۱۹۰)	اس سے مراد اور خدا بہتر جانتا ہی امور دین مین سے ہرشی کا بیان ہی یا وہ صریح الفاظ مین مذکور ہین یا اشارۃً ان سے سمجھا جاے تو کوئی چھوٹا یا بڑا ایسا مسئلہ نہین ہی جسمین خدا کا فیصلہ ہو جسکو اس نے اپنی کتاب مین صریح الفاظ یا اشارات مین ظاہر کردیا ہے اور جو آنحضرت صلعم نے بیان کیا ہو وہ بھی کتاب ہی سے ماخوذ ہی جیسا کہ خدا فرماتا ہے

اس کے بعد وہ آیتین درج کی ہین، جن سے سنت کی شرعیت اور رسول کی اطاعت ثابت ہوتی ہے، اور اسی طرح اجماع و قیاس کے جواز پر قرآن کی آیتون سے استدلال کیا ہے،

حال مین ایک عالم محمد عبدالعزیز الحکیم نے ۱۳۲۵ھ مین اس موضوع پر الفتوحات الربانیہ فی الاوامر والنواہی نام ایک کتاب دو جلدون مین عربی مین لکھی ہے، پہلی جلد مین قرآن کے اوامر ہین، اور دوسری جلد مین اس کے نواہی ہین،

حقیقت یہ ہے کہ قدما کی تصنیفات کی بربادی و تباہی، اور نئی ضرورتون کے وجود سے اس سلسلہ مین ابھی کام کی سخت ضرورت ہی علمائے تجربین کی توجہ کی حاجت ہی یہی صورت ہی جس سے ہم نئے فتنون کا دروازہ بند کرسکتے ہین،

سراج اورنگ آبادی

از

مولوی بشیر احمد صاحب برہان پوری ٹیچر ہائی اسکول دھولیا

(۲)

سراج کا کلام بلحاظ قواعد زبان | نہایت تعجب کی بات ہے کہ یہ پرانا شاعر قواعد اردو کے موجودہ کئی اصول سے واقف ہے، امر و نہی کے چار پہلوؤں کا بخوبی علم ہے، مثلاً،

(۱) امر کا تہذیب یا نرمی کے ساتھ استعمال ؎

تجھے سوگند اپنے چاہنے کی | کہ اپنے چاہتے پر پیار کرنا | (پیار کرنا، پیار کر)

(۲) امر کا استعمال سختی کے ساتھ۔ ؎ وصل کے دن شب ہجران کی حقیقت مت پوچھ، (مت پوچھ، نہ پوچھ)

(۳) امر کا پرانا استعمال جو اب بھی اکبرآباد میں جاری ہے، ؎ خود بخود سیماب کو مت پوچھیو یہ اضطراب،

(۴) امر دعا یا نہی دعا کا استعمال ؎

بیدرد مت ملیجو کسی دردمند کو، | جیسا مجھے ملا ہے وہ دلدار بے دریغ

اس شعر میں "مت ملیجو" کے معنی ہیں خدا کرے کہ نہ ملے، یہ بہت پرانا استعمال ہے اور اب بالکل متروک ہے، مولوی عبدالحق صاحب بی اے نے فاربس اور پلیاٹ کے تتبع میں اپنی قواعد اردو میں اسے صحیح بتایا ہے، مگر آجکل کی جدید کتابوں میں اسے متروک ٹھرایا ہے،

آج کل کے قواعد نگاروں نے آئیے جائیے، کھائیے، وغیرہ کے دو محل استعمال بتائے ہیں، ایک جمع مخاطب کیساتھ، اور دوسرا جمع متکلم کے ساتھ، مندرجہ ذیل اشعار میں سراج نے اسی طرح استعمال کیا ہے۔

(بمعنی جمع متکلم) دل میں ہے یہ کہ یاد میں اس خوش نگاہ کے ۔۔۔ ہرنوں کے اتفاق سے جنگل بسائیے،

(بمعنی جمع مخاطب) شبخون کا عزم ہے صف عشاق پر اگر ۔۔۔ مسی لگا کے پان کے بیڑے چبائیے

ڈائرکٹ ان ڈائرکٹ کا استعمال | آج تک اہل زبان چیختے چلے آرہے ہیں کہ مشرقی زبانیں انڈائرکٹ گفتگو یا تحریر کی مطلق متحمل نہیں ہیں، لیکن انگریزی دان طبقے کے کانوں پر جوں تک نہیں چلتی، دھڑلے سے اس کا استعمال ترجموں میں کئے جاتے ہیں، اور تو اور خود مغربی قواعد نگاروں نے بھی اسکی ممانعت کی ہے، سراج دو سو برس قبل اس اصول پر کاربند تھے اور اس طرح باندھ گئے ہیں

دامن کو تیرے ہاتھ لگاؤں تو کیا عجب ۔۔۔ تجھ پر بھی ہے عیاں کہ مرا خاکسار ہے

پانا کا استعمال | سراج کے زمانہ تک روزمرہ و محاورہ کا صحیح استعمال عام ہو چکا تھا، الفاظ کے مختلف المعنی استعمال سے بھی آگاہ تھے، چنانچہ لفظ پانا کے تین استعمال ذیل کے شعروں میں بتائے ہیں،

(۱) پانا بمعنی حاصل کرنا، ؎

شربت زندگی اُسے ہے تلخ، ۔۔۔ جس نے پایا مزہ دوائی کا

(۲) پانا بمعنی ملنا ؎

پاتا نہیں گلشن میں سراغ دل وحشی ۔۔۔ ٹک کام کر و دامن صحرا کی خبر لو

گو یہ استعمال اہل لکھنؤ کے ہاں غلط ہے، لیکن دہلی اور دکن میں صحیح مانا جاتا ہے، غالب کا شعر ہے،

؎ کہتے ہو کہ نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا ۔۔۔ دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

مولوی عبدالباری صاحب آسی شرح غالب میں پڑا پایا کے معنی "پڑا ملا" بتاتے ہیں اور اپنی رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ دہلی کا استعمال ہے، لکھنؤ میں اس طرح صحیح نہیں[1]

[1] شرح دیوان غالب مولفہ جناب مولوی عبدالباری صاحب آسی صفحہ ۶،

مولانا حالی کے ہان بھی یہ استعمال جائز ہے، دیوان مین فرماتے ہین، ع ہم جسکو ڈھونڈھتے ہین وہ پایا نہین ہنوز
مسدس مین ایک جگہ اس طرح فرماتے ہین ع کہین روشنی ان کو پائی نہ اسکی، مولانا حسرت موہانی نے
کلام حالی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حالی نے پانے کا جو استعمال کیا ہے وہ بلحاظ زبان لکھنو غلط
ہے، مگر ساتھ ہی فرمایا ہے کہ یہ لفظ اکبرآباد مین ملنا کے معنون مین مستعمل ہے ممکن ہے کہ دہلی مین بھی
بولا جاتا ہو، مولانا حسرت موہانی چونکہ لکھنو کے پیرو ہین اسلیے اس کے غلط ہونے پر فتوی صادر فرمایا ہے
مگر یہ لفظ فی الحقیقت دہلی اور دکن مین اسی طرح بولا جاتا ہے،

(۳) کو پانا بمعنی کسی چیز کے معنی یا مفہوم سمجھنا اس کا بھی استعمال سراج نے اپنے کلام مین کیا ہے

جیسے ؎ زلف کھولا جب کہا مین شب بخیر ۔۔۔ شکر للہ بات کو پانے لگا،

بھولنا کے دو استعمال :- بھولنا کے دو استعمال ہین، (۱) مین بھولا۔ وہ بھولا (۲) مجھکو یا مجھے دنیا کے مزے
بھول گئے، دوسرے استعمال کی صحت کے بارے مین جناب مولانا حسرت موہانی نے اپنے نکات الشعرا
مین رائے صائب دی ہے، ناسخ کا مندرجۂ ذیل شعر بھی اسکی تصدیق کرتا ہے ؎

مجھکو بھولین گے نہ دنیا کے تماشے بعد مرگ ۔۔۔ یاد بیداری مین آئینگی یہ باتین خواب کی
(ناسخ)

اب سراج کا شعر ملاحظ فرمایئے کہ غلط ہے یا صحیح ؎

وصل کے دن شب ہجران کی حقیقت مت پوچھ ۔۔۔ بھول جاتی ہی مجھے دیکھو صبح کو پھر شام کی بات

نے کا استعمال دکن مین حیدرآباد گولکنڈہ اور بیجاپور کے بالکل قدیم شعرا مین "نے" کا مطلق استعمال نہ تھا،
سراج کے زمانہ مین کچھ کچھ استعمال ہو چلا تھا مگر صحیح استعمال نہ جانتے تھے، بعض جگہ مطلق استعمال نہین کیا،
بعض جگہ نے کا استعمال کیا بھی ہے تو غلط ہے، باین ہمہ بعض مقامات پر "نے" کا حذف جو کیا ہو
صحیح ہے، مثلاً:-

(ہارنا) بساط عشق بازی مین مرا دل ۔ متاع صبر و نقد ہوش ھارا

(لانا) ع یہی تھی آرزوئے دل خداوہ بر لایا

(بھولنا) ؍؍ گذر تیری گلی مین جو گیا باغ ارم بھولا (ع) بوالہوس کیون تو راہ بھولا ہے،

نے" کے استعمال مین دہلی و ہندوستان کے دور اول و دوم وسوم تک کے شعرانے ٹھوکرین کھائی ہین، ان کے مقابل مین کلام سراج کو دیکھا جائے تو پھر بھی غنیمت ہے،

ترجمہ | سراج کے کلام مین بعض ایسے الفاظ اور ترکیبین ہین جو فارسی کا ترجمہ معلوم ہوتی ہین، یہ سراج ہی پر موقوف نہین، بلکہ شاہ نصیر، ذوق، ناسخ اور آتش بھی اسی طرح لکھ گئے ہین، سراج کی مثالین ملاحظہ ہون:-

خیال باندھنا (ترجمۂ خیال بستن) ؎ کہ تا دل مین خیال یار باندھے،

التماس رکھنا (؍؍ التماس داشتن) ؎ تجھ سے اک التماس رکھتا ہون،

گذارش کرنا (؍؍ گذارش کردن یا نمودن) ؎ درد دل یار کون گذارش کر،

گوش کرنا (؍؍ گوش کردن) ؎ ہماری بات محبت سے تم جو گوش کرو،

کسی پر رحم لانا (بر کسی رحم آوردن) ؎ کیون میرے پر تو رحم لائی ہے،

لب باندھنا (لب بستن) ؎ بجا ہے گر لب اظہار باندھے،

نماز کرنا (نماز کردن) ؎ نماز بے ریا مثل سراج اب دل سے کرتا ہون،

زباندانی | زباندانی کا دارومدار عموماً الفاظ کی کثرت، ضرب الامثال کی خوبی، محاورات کی برجستگی، اور روزمرہ کی صفائی پر ہوا کرتا ہے، انھین اصول کو مدنظر رکھ کر، اہل یورپ نے ہر زبان کی گرامر لکھی ہے، سراج کو زباندانی کی ہر ایک شق مین ید طولیٰ حاصل ہے، اور ان کے کلام مین مندرجہ بالا صنفون کی مثالین موجود ہین:-

ضرب الامثال | (۱) طوق گلو ہے دل ہے زلف صنم کا ہر خم ؍؍ مشہور یہ مثال ہے یک سر ہزار سودا

(۲) کیا ہوا اگرچہ یار ہے نزدیک ، آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے ،

(۳) چراغ حسن دکھلا گم ہوا دل زلف مین تیری مثل مشہور ہے جانان تبانا راہ بھولے کو

روزمرہ چلنا تڑپ تڑپ کر مرنا سسک سسک کر فریاد! ایک جی ہے کیا کیا خرابیان ہین

نہین ہے تاب مجھے سامنے ترے جانان کہان سراج! کہان آفتاب عالمتاب

ظالم نے جب کہا کہ اے میان سراج ہوت! مین نے دیا جواب کہ حاضر ہون جی کہو!

گر تمھاری دل خوشی ہے ذبح کرنے مین مرے خوب! جی جاوے تو جاوے اور کیا ہو جاویگا!

مین کہا کیا عرق ہے تجھ رخ پر؟ مسکرا کر کہا کہ فتنہ ہے !

کیا تبسم کیا ادا کیا ناز کیا انداز ہے! یاد ہین اُس شوخ کو سو طرح کی استادیان

اک روز کہا مین کہ ستم نین ہے مناسب عشاق کے اوپر، سُن بات ہماری

بیتاب ہین اس غم سے موے بعد کفن مین اے کافر بدخو بدلا الکہ نہ ..... [illegible]

محاورات | سراج نے اپنے دیوان مین جابجا محاورات کا استعمال کیا ہے، بمصداق مشتے نمونہ از خروارے ہم ذیل مین صرف چند مثالین بطور نمونہ درج کئے دیتے ہین:-

(۱) کمر باندھنا ؎ مت باندھ خون ناحق عشاق پر کمر

(۲) میرالہو پیو، (زنانہ محاورہ ہے، کسی کام کے باز رہنے کی حالت مین بولا جاتا ہے، ؎

میرالہو پیو جو حنا پر قدم رکھو،

(۳) دیس نکالا کرنا ؎ ہے غضب حکم دیا دیس نکالا کرنے ،

(۴) جی پر بننا ؎ نین تھا اب دوسرا کوئی گر جی پر بنے ،

(۵) منھ دیکھ (ایک کلمہ ہے جو بحالت غضب کہا جاتا ہی) ؎

کہا مین یار کو دیکھون گا چہرہ مجھے غصہ سے بولا بیٹھ منھ دیکھ

(۶) کاٹنا (بار معلوم ہونا، بھلا نہ معلوم ہونا)

قینچی پلک کی کھول کے کاٹا ہو غم کی رات[1] پھر کاٹنے لگے گا مجھے دن تو کیا کرون

(۷) تارے گننا، ؎ مجھکو تارے گنتے ساری رات گئی[2]،

(۸) جان سے ہاتھ دھونا ؎ دھو ہاتھ جو کوئی جان سے نومید ہوا ہے،

(۹) منہ مین لعاب (پانی) آنا (جی للچانا) ؎

عجب نہین نعمت دیدار ساقی دیکھ آنسو سے ہمارے دیدۂ نادیدہ کے منہ مین لعاب آئے

(۱۰) چکنا چور ہونا، ؎ شیشۂ دل ہوا ہے چکنا چور،

(۱۱) دکھ بھرنا ؎ کب لگ مین زندگی مین جدائی کا دکھ بھرون،

(۱۲) کسنا (سونا یا چاندی محک پر آزمانا) ؎

نقدِ دلِ خالص کو مرے قلب تو مت جان ہے تجھ کو اگر شبہہ تو کس دیکھ بتا دیکھ

(۱۳) کسنا (کسی آدمی کو آزمانا) ؎

مین وفادار ہون خدا کی قسم کیون تغافل سین مجکو کستا ہے

(۱۴) میٹھا وار (کمزور وار) ؎

صنم کے ابروے کج کا ہے نا دنیچۂ خوش خم عجب میٹھا ہے وار اسکا مگر مصری کا ٹکڑا ہے

(۱۵) نشہ کا تار[3] (نشہ کی ترنگ) ؎ پوچھتا نہین حال مرا تو نشہ کے تار مین،

(۱۶) درد سر جھاڑنا (منتر سے جھاڑ پھونک کرنا، درد سر اڑا دینا) ؎

زندگانی درد سر ہے یا رب کوئی دکئی ہمارے درد سر کون جھاڑ دے

---

[1] کاٹا ہون = مین نے کاٹی ہے، [2] یہان گئی بروزن مے ہے، ([3] نین (؟) سے مراد نہین ہے،
[4] نشہ کے تار کو نظیر نے بھی باندھا ہے ملاحظہ ہو مثال نظر در لغات فیلن،

(۱۷) رفو چکر مین آنا (متعجب ہونا) ؎ اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر[1] مین آجائے،

(۱۸) اجارہ کرنا (ٹھیکہ لینا) ؎

سراج اس شمع رو نے اندنون مین کیا ہے سب پتنگون کا اجارہ

(۱۹) پوست مین نہ سمانا (مارے خوشی کے پھولے نہ سمانا) ؎

اگر وہ لالہ رو گلشن مین آوے ہزارا پوست مین کیونکر سماوے

(۲۰) بدن جامے مین نہ سمانا (بیحد خوش ہونا) ؎

بدن خوشی سے سماتا نہین ہی جامے مین کہ راحتِ دل وآرام بخش جان آیا

(۲۱) باندھنون باندھنا[2] (خیال آرائی کرنا، یا کوئی چیز باندھنا)

ع باندھنون باندھا ہے کیوں چہرے پہ اپنے رنگ کا،

(۲۲) منھ دیکھی بات (رعایت کی بات) ؎ نہ سن اے سادہ رو تو آرسی کی بات منھ دیکھی

(۲۳) کیلنا، (جن یا بھوت وغیرہ کو قید کرنا) ؎

جنھون کو ہاتھ لگا اسم اعظم اصلی خیال غیر کے سائے کو کیل ڈالے ہین

(۲۴) شبخون مارنا ؎ لشکر پہ دین و دل کے مارے ہین ملکے شبخون،

(۲۵) نوکِ زبان (ازبر) ؎

جو حرف محبت کو کیا نوکِ زبان یاد عالم کے خیالات بھلاوے تو بجا ہے،

(۲۶) شرم سے پانی مین ڈوبنا ؎ ڈوب اس شرم سے پانی مین اگر غیرت ہے،

(۲۷) اُتو ہونا (زردلیدہ یا لکیردار ہونا) ورق مسطر سے اُتو ہو گیا ہے،

(۲۸-۲۹) زندگی سے سیر ہونا، تیر کا ترازو ہونا) ؎

---

[1] رفو چکر مین آنا بمعنی متعجب ہونا اب مستعمل نہین، [2] باندھنون باندھنا بمعنی تہمت لگانا (معارف)

ہوا ہون زندگی سے سیر ظالم! کہ تیرِ غم ترازو ہو گیا ہے،

(۳۰) جی ڈوبنا ؎

طوفانِ غم اُٹھا ہے اے آشنا کرم کر جی ڈوبتا ہے میرا کشتی دکھائیں کی،

(۳۱) کان دھر کر سننا (غور سے سننا) ؎ سنو تو خوب ٹک کان دھر میرا سخن پیارے!

(۳۲) زخم کا حمائل ہونا (تلوار کے آڑے ترچھے چر کے لگنا) ؎

شمشیرِ غم کے زخم حمائل ہوئے جسے اس کے گلے مین پھولون کے ہار ڈالے گئی

(۳۳) جم جم ہونا (ہمیشہ رہنا، مبارک ہونا) ؎

یہ آج کا ساون مجھے جم جم ہوا کرے، (یہ زنانہ محاورہ ہے)

(۳۴) پتنگ اکھڑنا (پتنگ کی ڈور کا ٹوٹ کر اڑ جانا) ؎

پتنگ اکھڑا اڑا کر ڈور کو مارے بگولون کے،

(۳۵) آنکھ سے معذور (اندھا) ؎

عالمِ باطن کا اس کو سیر نیئن (نہین) سچ ہے زاہد آنکھ سے معذور ہے،

(۳۶) تیوری چڑھانا ؎

کبھی تم صاف کرتے ہو مرے دل کی کدورت کو کبھی تم بے سبب تیوری چڑھا کر دو اگر تے ہو

(۳۷) بستار کرنا (بات بڑھانا) ؎

نہ کہنا خوب ہے تجھ زلف کی بات عبث ہر تار کا بستار کرنا،

(۳۸) کسی پر دانت رکھنا ؎ یہ سینہ چاک شانہ رکھتا ہے دانت مجھ پر،

(۳۹) کسی کے ہو رہنا ؎

زندگانی سے ہاتھ دھو رہنا، یا کسی گلبدن کے ہو رہنا،

(۴۰) جان سے ہاتھ دھونا، ؎ دھو ہاتھ جو کوئی جان سے نومید ہوا ہے،

(۴۱) بار دینا (اجازت دینا) ؎ غیر کو بار نہ دو اپنی گلی مین ہرگز،

(۴۲) جان بحق تسلیم کرنا (مرجانا) ؎ رضا کا زخم کھا کر جان بحق تسلیم کرتے ہین،

(۴۳) انگارون پہ لوٹنا (مضطرب ہونا) ؎

شعلہ رو جب سے نظر آیا ہمین ۔۔۔ لوٹتا ہے تب سے انگارون پہ دل

(۴۴) ایک ہے (بڑا چلتا پرزہ ہے، آزاد ہے) ؎

اسکے کوچہ مین یہجا کر جی دیا ۔۔۔ ایک ہے عالم کے عیارون مین دل

(۴۵) جھُم جھُم برسنا (پانی کے برسنے کی آواز) ؎

برستی ہے بہو ار آنسو کی جھُم جھُم[1] (ہمقافیہ، دُم، خُم، ترنُّم)

(۴۶) مٹی کے مول بیچنا (کم قیمت مین) ؎ بیچ ہم سودائیون کی جان اب مٹی کے مول

(۴۷) نیل پڑنا (جسم پر ضرب کے نشان پڑنا) ؎

مار کھایا ہے زلف سین تیری ۔۔۔ تن پہ سنبل کے ہے علامتِ نیل

(۴۸) تنگ وقت (نماز کے کوتاہ وقت کے لیے مخصوص ہے،) ؎

ترے دہن کی مسی سے مجھے ہوا معلوم ۔۔۔ نماز شام کا ہے وقت اب نہایت تنگ

(۴۹) جاگیر بحال ہونا (ضبط یا قرق شدہ جاگیر کا کھل جانا) ؎

دیا ختن کو تری زلف نے اضافۂ مشک ۔۔۔ بحال تجھ سے ہے جاگیر بوئے نافۂ مشک

(۵۰) نظر بھر دیکھنا، ؎

کسے مجال کہ دیکھے اُسے نظر بھر کر ۔۔۔ کہ شاہ حسن ہے وہ آفتاب عالمگیر،

---

[1] دہلی مین جھم جھم یا چھم چھم بولتے ہین نہ کہ جھُم جھُم

(۵۱) فولاد کا جگر رکھنا، سہ

رکھتا ہے گرچہ آئینہ فولاد کا جگر　　تیری نگہ کے سامنے لاچار ہو ویگا

(۵۲) صاد کرنا، سہ

جس بیت مین تعریف لکھون اسکی بھوؤنکی　　البتہ ہلالی بھی اسے صاد کرے گا

(۵۳) سر آنکھون سے قبول کرنا، سہ

البتہ سر آنکھون سے قبول اسکو کرونگا　　جو عشق کا ہادی مجھے ارشاد کرے گا

(۵۴) کس منھ سے سہ دل حشر مین کس منھ ستی فریاد کرے گا،

(۵۵) خون[1] جگر کھانا، سہ

ساقی بغیر جرعۂ مے تلخ ہے سراج　　کھاتا ہے شیشہ خون جگر بے جمال دوست

(۵۶) جلتی آگ پر تیل ڈالنا، سہ

نامۂ لطف بھیجکر یکسر　　تیل ڈالے ہے آگ جلتی پر،

(۵۷) آب (پانی) دم کرنا (دعا وغیرہ کا پانی پھونک کر دینا) سہ

کون سے بیمار پہ یہ آب دم ہونے لگا،

(۵۸) حالی ہونا (واقف ہونا) سہ

جو کوئی دگی شغل کثرت سے خالی ہو　　وہ اسرار وحدت سے حالی ہوا،

(۵۹) مطلب فوت ہونا سہ

نہ ملے جب تلک وصال صنم　　تب تلک فوت ہے مرا مطلب

(۶۰) مجلس گرم ہونا سہ مجلس عیش گرم ہے یارب،

---

[1] دکن اور دہلی مین خون جگر کھانا ہی محاورہ ہے، اہل لکھنؤ اب خون جگر پینا باندھنے لگے ہین۔

(۶۱) سولی کا پھول (سخت جان، ایذا رسان) ؎

دل نہین ہے بلکہ ہے سولی کا پھول دوسرا منصور کہلانے لگا،

(۶۲) سخن سبز ہونا ؎

اب ہوا ہے سخن ہمارا سبز طوطیون کی عبث ہے گویائی

(۶۳) لہو خشک ہونا ؎

دیکھ کر دریا مین اس مہندی بھرے ہاتھون کا عکس خشک ہوجاتا ہے لوہو پنجۂ مرجان کا،

(۶۴) دست و گریبان ہونا ؎ مجھسے غم دست و گریبان نہ ہوا تھا سو ہوا،

(۶۵) دل اٹکنا ؎ زلف کافر سے کیون نہ دل اٹکے جسکی ہر لٹ مین ہین کئی لٹکے،

(۶۶) لگن لگنا ؎ لگی اس شمع رو سے کیا لگن پروانۂ دل کو،

(۶۷) شفق پھولنا ؎ زمین سے گل ہو نکلا آسمان سے ہو شفق پھولا،

(۶۸) پھول ہونا (سیم ہونا) ہین ہمارے آج پھول اور بلبلون کے حق مین عید،

(۶۹) گلے کا ہار ہونا، ؎

زخم تیرے تیغ کا اے گلبدن سینہ چاکون کے گلے کا ہار ہے

(۷۰) دستک دینا (پروانہ یا سرٹیفکٹ دینا، سمن یا وارنٹ دینا) ؎

صفحۂ دل کو داغ کی کر مہر عشق کے شاہ نے دیا دستک

(۷۱) بن جانا (اچھا موقع ہونا) ؎

آئی ہے نو بہار دوانون کی بن گئی، بن بن صدائے خندۂ گل ہر چمن گئی

(۷۲) کتابی سخن ؎ دل کہ عرش خدا ہے اسکو نہ توڑ عاشقون کا سخن کتابی ہے،

ﻪ یہ دکن کا محاورہ ہے کیونکہ فیلن اور فرہنگ آصفیہ مین اسکا کہین ذکر نہین ہے،

(۷۳) سنبل پلانا: — تیری ابرو کی تیغ پیاسی ہے / آ پلا خون عاشقان سے سبیل

(۷۴) طالع سکندر: —

مثال عکس سبکی آنکھ کے درپن کے اندر ہو / ہو معلوم یون ہم کو کہ طالع کے سکندر ہو

(۷۵) ہاتھ اٹھانا (دست بردار ہونا) —

کئے رخصت جہان کی دوستی ہم / سلامین[1] کر سبھی سے ہاتھ اُٹھائے

(۷۶) ڈھیل ڈالنا (معاملۂ محبت وصل یا کسی بات مین ڈالنا) —

جفا کے ملک کے راجون نے ڈھیل ڈالے ہین[2] / وگرنہ دم مین ہزار دن قتیل ڈالے ہین

(۷۷) شرم سے پانی ہونا (بحد شرمندہ ہونا) —

دیکھ مجھ اشک کی درخشانی / ہر گہر شرم سے ہوا پانی

مندرجۂ ذیل غزل کے تمام قافیے محاورون مین ڈوبے ہوئے ہین :-

دیوانہ قید ہوش سین آزاد ہو گیا / شکر خدا کہ پانون کی زنجیر کٹ گئی

حیران ہون اسکی ابرو پہ چین کو دیکھ کر / تقصیر کچھ نہ تھی کہ یہ سیفی الٹ گئی

مین بیخبر تھا اسکے تبسم نے کی خبر / بلبل کی نیند خندۂ گل سے اُچٹ گئی[3]

آنے مین اس کے اشک روان بند ہو گئے / اس تند خو کی دھاک سے یہ فوج ہٹ گئی

اب عرض حال یار سین لازم ہوا سراج / تنہا ہے شمع بھیڑ پتنگون کی چھٹ گئی

مندرجۂ ذیل اشعار مین لفظ "کے ہاتھون" بالکل محاورۂ حال کے مطابق باندھا ہے :-

ہزار حیف کہ ہم پیاس پیاس کر کے موئے / تمہارے لعل لب آبدار کے ہاتھون

قرار و صبر و دل و دین و ہوش و خواب گیا / جو کچھ ہوا سو ترے انتظار کے ہاتھون

---

[1] سلام کو یا تو مونث سمجھا ہے یا پرانے زمانے مین جمع کا یہی دستور تھا۔ [2] ڈھیل ڈالے ہین، ڈھیل ڈالی ہو، کئی فاعل کے مطابق فعل کا استعمال کرتے ہین۔ [3] آج کل نیند اچاٹ ہو گئی کہتے ہین، اچٹ گئی پرانا محاورہ ہے۔

مجھے بھی خوار کیا، آپ بھی خراب ہوا   مین جان بلب ہون دل بیقرار کے ہاتھون

سراج نے لفظ سرکاری بمعنی معشوق کا استعمال اردو اور فارسی دونون زبانون مین کیا ہے، یہ استعمال صحیح ہے، حضرت داغ مرحوم نے کئی جگہ اسے باندھا ہے، اور فرہنگ آصفیہ مین بھی اس لفظ کے تحت مین متعدد شعرا کی مثالین درج ہین، سراج کے اردو اور فارسی اشعار ملاحظ فرمایئے

(اردو) نقد دیدار بوالہوس کو نہ دو   اس مین سرکار کی کفایت ہے،

(فارسی) ترا کہ آئینہ از بہر جلوہ درکار است   دلم ہر آئینہ مشکن زیان سرکار است

سراج کا کمال شاعری | سراج نے قصائد چھوڑ کر جملہ اصناف سخن مین فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے ہین، سلاست و روانی کو کہین ہاتھ سے جانے نہین دیا، نشست الفاظ مین انھین ید طولیٰ حاصل ہے سنگلاخ زمینون مین طویل غزلین کہی ہین، اور شگفتہ شعر نکالے ہین، ان کے قافیون مین ایک قسم کی موسیقیت ہوتی ہے، جسکی وجہ سے غزل پڑھتے وقت زیر و بم کا دلآویز سمان بندھ جاتا ہے، مندرجہ ذیل دو غزلین اس ثبوت کے لیے کافی ہین، غزل ثانی کے قوافی سے سراج کی صرفی و نحوی لیاقت ظاہر ہوتی ہین، اور یہ پتہ چلتا ہے کہ اسم ذات کے بنانے کا قاعدہ ان کے زمانے مین مکمل ہو چکا تھا:—

(۱) مرا دل آگیا جھٹ پٹ جھپٹ مین   ہوا لٹ پٹ لپٹ زلفون کی لٹ مین

ہر اک ناقوس مین آتی ہے آواز   کہ ہے پرگھٹ وہ ہر ہر سر کے گھٹ مین

نمایان ہے وہ نور چشم مردم   پلک کے پٹ مین پتلی کی الٹ مین

لگی ہے چٹ پٹی مت کر نپٹ ہٹ   چھپے[1] مت لٹ پٹی گھونگھٹ کے پٹ مین

سراج اس شمع رو بن جل گیا ہے   نپٹ حسرت کے شعلون کی لپٹ مین

---

[1] چھپے مت = مت چھپ،

(۲) کبھی تم مول لینے ہمکو ہنس ہنس بھاؤ کرتے ہو کبھی تیر نگاہ تند کا برساؤ کرتے ہو،

کبھی تو صاف کرتے ہو مرے دل کی کدورت کون کبھی تم بے سبب تیوری چڑھا کر تاؤ کرتے ہو

کبھی تم موم ہو جاتے ہو جب مین گرم ہوتا ہون کبھی مین سرد ہوتا ہون تو تم بھڑکاؤ کرتے ہو

کبھی لالا مجھے دیتے ہو اپنے ہاتھ سے پیالا کبھی تم شیشہ دل پر مرے پتھراؤ کرتے ہو

کبھی تم دھول اڑاتے ہو مرے غصے سے رو رو کے کبھی منہ پر حیا کا لا عرق چھڑکاؤ کرتے ہو

کبھی خوش ہو کے کرتے ہو سراج اپنی کو جان بخشی کبھی اسکے بچھاڈینے کو کیا کیا داؤ کرتے ہو

صنعت بے نقط غزل: سراج نے اپنی غزلون مین مختلف صنائع و بدائع کا استعمال کرنے کے علاوہ ایک بے نقط غزل بھی لکھی ہے جو درج ذیل ہے:-

محرم دل ہوا وہ سحر ادا کرکے معلوم دال و در سوا

سوس کر آہ و درد کھو آرام دل ہمارا ہوا درس کا گدا

مہر کر مہر موم دل ہو کر کر عطا دل کا مدعا سارا

درد کا گھر ہوا ہمارا دل ہار گل کا ہوا گل سودا

دل کہا لا الہ الا اللہ، درد اسم رسول کرکے صدا

تصوف: چونکہ سراج صوفی باصفا تھے، ان کی ہر اک غزل کے کسی نہ کسی شعر مین تصوف کی جھلک نمایان ہوتی ہے، مثلاً اہل تصوف اپنا کلام عموماً شراب ناب یا مخمور و مدہوش کے پردے مین بیان کرتے ہین، اور مے گساری و بادہ پیمائی کو عشق حقیقی کے رنگ مین ڈھال کر ظلمتکدۂ دل کو منور و ضیاپاش بتاتے ہین، سراج نے بھی صوفیانہ شاعری کا یہی معیار قائم رکھا ہے، مندرجہ ذیل غزلیات و اشعار سراج کا پایۂ تصوف ظاہر کرنے کے لیے کافی ہین:-

---

[1] اس مصرع مین بچھا دینا بمعنی قتل کرنے کے ہین، اور داؤ سے مراد داؤ ہے،

(۱) گدائے کوچۂ میخانہ پیرِ مے پرستان ہے
بہارگل مین ہر بلبل بشیرِ مے پرستان ہے

شب تاریک مین حاصل ہے انکو سیرِ مہتابی
کہ دورِ جام مل بدرِ منیرِ مے پرستان ہے

بتاتا ہے کرشمے بیٹھکر مسجد مین ابرو کے
مگر وہ نرگسِ مخمور پیرِ مے پرستان ہے

ہوا عہدِ الست انکو شکستِ توبۂ دیرین
گلوئے شیشۂ مے دستگیرِ مے پرستان ہے

عیان ہوتا ہے رنگ بادۂ مینائے سربستہ
سراج آئینۂ روشن ضمیرِ مے پرستان ہے

---

(۲) ہوا ہے خطِ جبین جسکو خطِ جامِ شراب
نگینِ دل پہ کیا نقش اس سین نامِ شراب

نہین ہے حرمتِ مے کی خبر تجھے زاہد
کہ میکشون کو ہے معلوم احترامِ شراب

نیازِ عالمِ مستی مین نین غرورِ ناز
شکستِ موج ہے طرزِ خم سلامِ شراب

ہر ایک سرو ہے شیشہ ہر ایک گل ساغر
دیا بہار نے فتوے آذنِ عامِ شراب

خیالِ نرگسِ ساقی سین دل ہے لرزش مین
ہوئی ہے رعشہ فزا کثرتِ مدامِ شراب

ترے سخن مین لے ناصح نہین ہے کیفیت
زبانِ قلقلِ مینا سے سن کلامِ شراب

ہے عکس چہرۂ خورشید رو پیالے مین
سراج جلوہ نما ہے مہِ تمامِ شراب

مندرجہ ذیل اشعار بھی تصوف کا رنگ لیے ہوئے ہین:-

جھڑ پڑین برگ نخلِ طوبے کے
گر کرون دل سے نعرۂ یا ہو،

بزمِ وحدت مین نہین ہے احتیاجِ جامِ مے
مست وحدت کو ن شراب ارغوانی ہیچ ہے

ہے تجلی بخش جب سے پرتو انوارِ حق ..
تب سے میرا دل ہوا ہے مطلعِ انوارِ حق

بے خبر ہے محفلِ کونین سے مثلِ سراج
جو ہوا ہے بےخودی کے جام سی سرشارِ عشق

دور ہو جائے شبِ غفلت کی تاریکی سراج
عشق بزم افروز کی گر شمعِ نورانی ملے

راہِ خدا پرستی اول ہے مے پرستی،
ہستی مین نیستی ہے اور نیستی مین ہستی،

پند و نصیحت | کہین کہین ادب وتہذیب اور پند و نصائح کا بھی اشارہ کیا ہے، فرماتے ہین،

سراج اب مجھکو یہ روشن ہوا ہے، کہ شمعِ محفلِ دانش ادب ہے

کام جاہل کا ہے سخن چینی اے سراج اسکو تو جواب نہ دے

ایک جگہ قافیہ صبح کے باندھتے وقت سحرخیزی کے فوائد گنا گئے ہین، سہ

دو شلِ آفتابِ جہانگیر ہے مدام جس پر ہوا ہے سایۂ بالِ ہمای صبح[1]

کھلتا ہے فیضِ آہ ستی غنچۂ مراد ہے باعثِ شگفتگی گل ہوائے صبح

سراج کا پایۂ شاعری | ہندوستان مین کالیداس کا نام صرف موزون تشبیہات کی وجہ سے زندۂ جاوید ہوگیا ہے، سچ پوچھیے تو بغیر تشبیہ و استعارات کے شاعری طعام بے نمک کے مانند ہے، جو بات کسی شاہد رعنا مین زیور و خوش لباسی پیدا کرتی ہے، وہی بات شعر مین تشبیہ سے پیدا ہوتی ہے، سراج کی نیچرل تشبیہون کا ذکر ہم آغاز مضمون مین کر آئے ہین، اب انکی ان تشبیہون کو ہم منظرِ عام پر لانا چاہتے ہین جو غزل کی جان ہونے کے علاوہ شاعر کے لیے مایۂ ناز سمجھی جاتی ہین، ذیل مین چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:-

تمھارے عارضِ گل سے نہین ہے راہِ گریز ہوئی ہے شفق اب فوجِ زنگ و لشکرِ شام

دہن ترا ہے مگر خاتمِ سلیمانی، ہوئے ہین دیو و پری جس سبب سے تیرے محکوم

آفتاب آئینۂ نقشِ کفِ پا ہے ترا کیا مگر باقی ہے اعجازِ یدِ بیضا ہنوز؟

غم نے پیلا کیا ہمارا رنگ کیمیاگر نے زر کیا مس کا

رخ ہے مصحف بھوین ہین بسم اللہ زلف تیری ہے سورۂ اخلاص،

شامِ غم کو ہی اُمیدِ صبحِ عشرت دمبدم سورۂ والّیل کو ہے والضحیٰ کا اشتیاق

[1] تشبیہ کی ندرت ملاحظہ فرمائیے،

اصناف سخن | سراج کے دیوان مین غزلیات، رباعیات، مخمس، مستزاد، ترجیع بند اور مثنویان ہین، بڑی خوبی تو یہ ہے کہ ہر قسم کے کلام مین سلاست و روانی پائی جاتی ہے، جی تو یہ چاہتا ہے کہ تمام قسم کے کلام کے نمونے درج کر کے اہل فن کے سامنے پرانی شاعری کا بہترین نقشہ پیش کر دون، لیکن خوف طوالت مضمون نے باز رکھا، ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار ۔۔۔ گلچینِ جمالِ تو ز داماں گلہ دارد

سراج نے اپنے دیوان مین چھوٹی چھوٹی سات مثنویان درج کی ہین جنمین سے بعض تو گویا واسوخت معلوم ہوتی ہین، اور بعض پر اختصار کی وجہ سے عاشقانہ خطوط کا گمان ہوتا ہے، پہلی مثنوی بطور مناجات ہے، اس مین حمد و نعت کے بعد اپنے کلام کی مقبولیت کے لئے درگاہ ایزدی مین اس طرح دعا مانگی ہے:-

الٰہی مجھ سخن مین دے لطافت ۔۔۔ گلِ معنی مین دے رنگِ نزاکت

الٰہی کر مرے دیوان کو مشہور ۔۔۔ ہر اک صاحب نظر کا ہوئے منظور

مثنوی دوم بلحاظ تخیل قابل تعریف ہے، عاشق صبا کے آگے اپنے معشوق جفا جو کا دکھڑا صبح سویرے اس طرح رو رہا ہے:-

اے صبا ہے وطن ترا گلزار ۔۔۔ نام تیرا ہے پیکِ خوش رفتار

تجھ سے اک التماس رکھتا ہون ۔۔۔ مین نراسی ہون آس رکھتا ہون

دردِ دل یار کو گذارش کر ۔۔۔ غم سے مظلوم کی سفارش کر

نشۂ غم مجھے دوبالا ہے ۔۔۔ نور کا وقت ہوا اجالا ہے،

اس کے بعد کہتا ہے ارے نیکبخت! تجھے خبر بھی ہے کہ صبح نے مجھے غمگین پاکر اپنا گریبان چاک کر دیا ہے، مگر اف رے کٹر! تو ٹس سے مس نہین ہوتی، میرے درد کا تجھ پر مطلق اثر نہین

خدارا میرا حال معشوق کو جا سنا، کسی قدر ٹھہر کر پھر کہتا ہے، نعوذ باللہ! مین اتنا بھی نہ سمجھ سکا کہ تو بہرے گوں یا مطلب کی نہین، تو دل کی لگی کو کیا خاک جانے، تیری ساری عمر صحن گلزار مین بلبلون کی نغمہ خوانی سنتے، اور گل وریحان کی خوشبو سونگھتے گذری، کاش تیرے دل مین بھی کسی کے عشق و محبت کا تیر ترازو ہوتا، کہ تو ہمارے جیسے ہجران نصیب عاشقون کی قدر کرتی، اے صبا:-

حق تجھے عشق سے قریب کرے ۔ تجھکو درد والم نصیب کرے

غم سے خالی نہین ہو اک ذرہ ۔ سب پر آیا ہے عشق کا غرّہ

تجھ پہ آیا نہین تو آوے گا ۔ غم خزان ہو کے رخ دکھاویگا

مہربان ہو کے یار کو جا بول ۔ دلبر غمگسار کو جا بول

کہ تیرے ہجر مین عاشق کے جینے کے لالے ہین، حرمان و یاس کا عالم ہے، صبر و قرار سے کوسون دور ہے، جینا دوبھر ہو گیا ہے، آنکھون سے ساون بھادون کی جھڑی جاری ہے، خدارا بیتاب نہ کر جلد آ۔ اور اپنا دیدار دکھا جا، اس کے بعد کہتا ہے یہ کلام ہرزہ سرائی اور صدا بہ صحرا ثابت ہوئی، صبا نے کچھ ایسی گھنی سادھی کہ ایک لفظ تک نہ کہا، آخر ناامید ہو کر عاشق نے جناب باری مین دست بستہ التجا کی:- کہ

نِت بیقرار ہون یا رب ۔ روز و شب اشکبار ہون یا رب

کب تلک قید غم سے چھوٹونگا ۔ اپنے مطلب کا گنج لوٹون گا

کب تلک یار رخ دکھاویگا ۔ مجھ طرف مہربان ہو آویگا

کب کھلیگی مرادِ دل کی کلی ۔ کب نظر آویگی صنم کی گلی،

جب اس طرح باالحاح وزاری دعا مانگ کر اپنی دھن مین چپ چاپ رنج و افسوس کرتا ہوا بیٹھا تھا کہ اتنے مین

ہاتف غیب سے ندا آئی، کہ نہ ہو اس قدر تو سودائی

حق کی درگاہ لاأبالی ہے بندگی کب کسی کی خالی ہے

حق ترے یار کو ملادے گا اس کے دیدار کو دکھاویگا

اس غیبی آواز کے آنے کے بعد بھی عاشق وصال جانان سے محروم ہی رہا، مگر اس اثنا مین اس کے دل نے گواہی دی کہ آج ضرور سجن ملا ہوا ہوگا، دل بانسون اچھل رہا تھا، اور مارے خوشی کے باچھین کھلی جاتی تھین، اور بار بار یہ شعر زبان پر دہرا رہا تھا ؎

شام کے وقت ہے امیدِ چراغ نہ ملے جب چراغ تو ہے داغ

آنکھین انتظار مین فرشِ راہ تھین، ہوا سے اگر کوئی پتا کھڑک جاتا تو میان عاشق سمجھتے کہ میرا "من ہرن" آگیا، مگر افسوس شام شفق کا ارغوانی ڈوپٹہ اوڑھے ہوئے حجرۂ مغربی مین داخل ہوگئی، اور کالی کالی رات آبنوسی تخت پر بیٹھے ہوئے اپنی بھیانک شکل دکھانے لگی، دامنِ صبر و شکیب عاشق کے ہاتھ سے جاتا رہا، دیوانہ وار درستون کے قدمون پر آگرا اور بھرائی آواز مین کہنے لگا :-

کیا کرون فکر اس کے ملنے کی اپنے مقصد کے پھول کھلنے کی

مین تمھارا غلام ہون یارو مجھکو موہن کے پاؤن پر وارو

(باقی)



نٹشے اور تمدنیات

(فوق البشر)

از

مولوی سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے لکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی

نٹشے دیگر ارتقائیین کی طرح صرف علوم مادی کو بنی نوع انسان کے لیے مرجع کمال سمجھتا تھا وہ دینیات، نفسیات، عقلیات، منطق و فلسفہ کو بیکار اور غیر مفید خیال کرتا تھا، اسکی تمام توقعات علم حیات اور علم الاجسام سے وابستہ تھین، وہ مسئلہ "وجود باری" سے کہین زیادہ مسئلہ "بالیدگی جسم" کے حل کا مشتاق تھا، وہ کہتا تھا کہ مین ہمہ تن "جسم" ہون اور "روح" بھی "جسم" کا ایک جزو ہے، حسیات وجذبات کی تہ مین جو قوت مضمر ہے اور جسے عام زبان مین "نفس" (یا ضمیر ی) کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ بھی جسم ہی مین سکونت گزین ہی بلکہ جسم ہی کا ایک حصہ ہے،

نٹشے کا دعویٰ تھا کہ ایک زمانہ تھا جبکہ مذہب کی عالمگیر حکمرانی کے سامنے فطرت انسانی کی تمام پرزور قوتین دب گئی تھین اور مذہب نے اپنی ہمہ گیری سے ان کو اپنا تابعدار بنا لیا تھا، لیکن جب دنیا نے ترقی کی اور مذہب کا شیرازہ بکھر گیا تو پھر یہ دبی ہوئی قوتین ابھرین اور نتیجۃً کار مذہب کی مسند پر "ارتقار" متمکن ہوا،

ارتقائیین کے مسلک کی رو سے دنیا اور دنیا کی اشیا روز بروز ترقی کر رہی ہین، لیکن نٹشے سے پہلے کسی نے اس مسئلہ پر روشنی نہین ڈالی، کہ دنیا کے اس روز افزون سلسلۂ ترقی کی آخری کڑی کیا ہے اور دنیا کی تمدنیاتی جد و جہد کا منتہائے مقصود کیا ہے؟ نٹشے پہلا شخص ہے جسنے اس مسئلہ پر

۔ دشنی ڈالنے کی کوشش کی اور تمدنیاتی مساعی کا نصب العین قائم کیا، چنانچہ وہ لکھتا ہے :۔

"اب تک بنی انسان کا کوئی نصب العین نہ تھا، ایک خود ساختہ نصب العین تمدن و تہذیب کی ترقی کے لئے اشد ضروری ہے، ہماری تمام تمدنیاتی مساعی کا منتہائے مقصود "فوق البشر" کا وجود ہے،" اسلئے ہر اس مذہب اور ہر اس مجموعۂ قوانین اخلاق و سیاست کو نیست و نابود کر دینا چاہیئے جو "فوق البشر" کے ظہور میں توقف کا باعث ہو، صرف زبردست اور قوی الارادہ اشخاص کا تیار کردہ مجموعۂ قوانین انسانی زندگی کے اغراض و مقاصد کے شایانِ شان ہو سکتا ہے۔

فوق البشر کا مفہوم نٹشے نے اول اول "فوق البشر" (Superman) کا لفظ گیٹے[1] سے اخذ کیا اور پھر ای، جی، ڈہرنگ (E. G. Duhring)[2] کی کتاب (Der Werth des Lebens) سے بہت کچھ استفادہ کیا، بعد ازاں اسکی توضیح و تشریح کرکے اُسے اپنی تمام کدو کاوش کا نصب العین قرار دیا، "فوق البشر" سے نٹشے کی کیا مراد تھی ذیل کی عبارت سے ظاہر ہوگی :۔

"موجودہ نسل انسانی سے ایک زبردست دل و دماغ والی امارت پسند قوم پیدا ہونیوالی ہے جو یورپ کے عوام پر حکومت کرے گی، اس قوم سے ایک خالص یورپین جماعت عالم وجود میں آئے گی جو "Higher man" (سربرآوردہ جماعت) کہلائیگی، اس جماعت کی نسل سے ایک اور اعلیٰ جماعت پیدا ہوگی جو "Superman" (فوق البشر) کے نام سے موسوم ہوگی، ہمارا اخلاقی اور معاشرتی فرض ہے کہ ہم ایک صنف سے دوسری اعلیٰ صنف کی طرف

---

[1] Goethe (۱۷۴۹ء–۱۸۳۲ء) جرمنی کا مشہور شاعر، ڈراما نویس اور فلسفی تھا، وہ بہت بڑا مصلح اخلاق تھا، اس نے اپنی خداداد اور پرزور قابلیت سے جرمنوں کو سیاسی، علمی اور اخلاقی تنزل سے نجات دی،

[2] Duhring (۱۸۳۳ء–۱۹۱۰ء) جرمنی کا ایک مشہور فلسفی تھا اس کا فلسفہ "فلسفۂ حقیقت" تھا، وہ تقدیر اور ہر اس مسلک کا مخالف تھا جو حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے،

برابر بڑھتے رہیں اور ہم اپنا ذاتی مفاد اس جماعت کے لیے قربان کر دین جو تمام جماعتہائے انسانی سے افضل ہے، پس موجودہ نسل انسانی کو بے غرض اور بے لوث زندگی گذارنی چاہیئے تاکہ آیندہ نسلین ہر طرح سے خوشحال اور فارغ البال ہون؛

متذکرہ بالا تشریح کے باوجود "فوق البشر" کا صحیح مفہوم بتانا نہایت مشکل ہے، کیونکہ بعض اوقات اس لفظ سے نٹشے کی مراد "اعلیٰ صنف" اور بعض اوقات "اعلیٰ شخصیت" تھی، جب اس پر شخصیت پرستی کا مادہ غالب ہوتا تھا تو "فوق البشر" سے وہ افراد انسانی کے بہترین نمونے مراد لیا کرتا تھا، اور جب نوع انسان کے اجتماعی مفاد کا خیال ہوتا تھا تو وہ افراد واشخاص سے گذر کر صنف اعلیٰ کی جستجو کرتا تھا، اس اختلاف بیان کی ایک اور توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب تک نٹشے پر تصوریت اور رسائیات کا رنگ چڑھا رہا اُسے "اعلیٰ شخصیت" پر ایمان رہا، اور جب وہ عملیات کے میدان مین گامزن ہوا اور صرف علم حیات کو اپنی کوششون کا جولانگاہ قرار دیا تو "اعلیٰ صنف" کا خیال ہوا،

فوق البشر کا مذہبی پہلو

سر فرینسس گیلٹن[1] جدید تمدنیات کا بانی سمجھا جاتا ہے، اسکی مشہور کتاب "ساخت انسانی کی تحقیق" (Enquiries into human faculty and its development) ۱۸۸۳ء مین شائع ہوئی، اس کتاب نے نٹشے کے تمدنیاتی خیالات پر گہرا اثر ڈالا، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ نٹشے نے اپنے تمدنیاتی مقاصد کی جو شرح و بسط کی ہے وہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے، سر فرینسس گیلٹن تمدن کے مستقبل پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے:-

> تمدن کو دنیا کے سامنے ایک جدید مذہب کی حیثیت سے پیش کرنا چاہیئے کیونکہ اس مین اس بات کی پوری صلاحیت پائی جاتی ہے کہ مذہب کی طرح عالمگیر اور مقبول خلائق ہو، اور

[1] Sir Francis Galton انگلستان کا ایک مشہور معاشری مصلح سمجھا جاتا ہے، ۱۸۲۲ء مین پیدا ہوا، اس نے تمدن پر متعدد کتابین اور رسالے لکھے، اسنے اپنی ساری کوشش ناکارون کے توالد و تناسل کی روک تھام مین صرف کر دی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا،

"یہ بعید نہین کہ مستقبل مین تمدن مذہب کا قالب اختیار کرلے یا مذہب کا رکن رکین بنجائے"

نٹشے کو خوب معلوم تھا کہ مذہب کی خواہ دھجیان کیون نہ اڑائی جائین، دنیا یا کم ازکم موجودہ دنیا فلسفی اور مقنن سے کہین زیادہ پیغمبر کا احترام کرتی ہے، اور لوگ مذہب کے اوامر و نواہی کو حسن عقیدت کے ساتھ تسلیم کرلیتے ہین اور مذہب کی خاطر عظیم الشان قربانیان کرتے ہین، اس لیے اس نے اپنے نصب العین (فوق البشر) کی کامیابی کے لیے منجملہ اور شرائط کے ایک مذہبی شرط بھی لازمی قرار دی تاکہ یہ مذہبی رنگ اختیار کرکے مقبول خاص و عام ہو، نٹشے "فوق البشر" کے مذہبی پہلو پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے

"انسان متعصب اور خودغرض واقع ہوا ہے، وہ دنیا و مافیہا پر فلسفیانہ نظر نہین ڈالتا، وہ اپنی مختصر زندگی تک اپنی ساری کارگذاری کو محدود کرنا چاہتا ہے، وہ اُن درختون کو لگانا نہین چاہتا جن کے لیے صدیون کی محنت و مشقت درکار ہو اور جن سے آنیوالی نسلین زمانہ دراز تک متمتع ہون، وہ درخت لگاکر خود ہی اس کا پھل کھانا چاہتا ہے، یہ تنگ خیالی صرف خودغرضی اور نفسانیت کا نتیجہ ہے، ہمین ایک صنف انسانی سے دوسری صنف تک بڑھنا چاہیئے ہمین انفرادی نفع چھوڑکر اجتماعی آسائش کا خیال کرنا چاہیئے، ہمین اپنے نصب العین کی خاطر ہر طرح کا ایثار کرنا چاہیئے، صرف اپنی فکر کرنا اور دوسرون کی طرف توجہ نہ کرنا ایک زبردست قومی حادثہ ہے، آنے والی نسلون کی عزت و محبت کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم اپنے ہمسایون اور پڑوسیون تک کا خیال نہ کرین"،

فقرات بالا سے صاف ظاہر ہے کہ نٹشے "فوق البشر" کے ظہور کے لیے "ترک خودی" اور ایثار و قربانی ضروری قرار دیتا ہے اور یہ مسیحیت کے عالمگیر اثر کا نتیجہ تھا، اگرچہ وہ مسیحیت کا جانی دشمن تھا تاہم وہ گرد و پیش کے مذہبی اثرات سے محفوظ نہین رہ سکتا تھا،

فوق البشر کے ذرائع اگرچہ "فوق البشر" کا خیال بظاہر نہایت خوش آئند اور دلکش ہے، لیکن افسوس یہ ہے

کہ نٹشے نے اسکی کما حقہ توضیح وتشریح نہین کی، اس لیے اس کا صحیح مفہوم بتانا مشکل ہی نہین ہے بلکہ محال ہے، اور اس نقص کا اعتراف خود نٹشے کو تھا، وہ کہتا تھا کہ اگر" فوق البشر" کی جامع و مانع تعریف اور پوری توضیح وتشریح کیجائے تو اسکی دلفریبی اور اثر آفرینی کم ہوجائیگی، بالاجمال یہ سمجھنا چاہیئے کہ فوق البشر مذہبیات اور اخلاقیات کی آخری سرحد ہے یا ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ سے حیات انسانی اپنے تمام مراحل طے کرکے آخری منزل تک پہنچ سکتی ہے،

نٹشے کا خیال تھا کہ" فوق البشر" کے ظہور مین ابھی ایک عرصہ درکار ہے، سردست ہمین وہ راہ عمل اختیار کرنی چاہیئے جس سے منزل مقصود تک پہنچنے مین آسانی ہو اور وہ تدابیر وتراکیب اختیار کرنی چاہئین جنسے" فوق البشر" کے ظہور کے لیے راستہ صاف ہوجائے،

نٹشے کی فوری تدابیر یہ ہین:-

(۱) جوانون کو صحیح وموزون تعلیم دنیا،

(۲) موجودہ قوانین مناکحت پر تمدنی ضروریات کے مطابق نظر ثانی کرنا،

(۳) متحدہ یورپ کے قیام کی کوشش کرنا،

(۴) مسیحیت کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرنا،

ان تدابیر کو نٹشے کے خیال کے مطابق ہم ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہین:-

تعلیم | نٹشے کا بیان ہے کہ موجودہ طرز تعلیم متعدد نقائص کا مجموعہ ہے، اس سے طلبہ کے دل و دماغ مین جمود اور کورانہ تقلید کا مادہ پیدا ہوتا ہے، اس سے انسانی حسیات وجذبات مین کسی قسم کی تازگی وطراوت نہین پہنچتی، نٹشے نے ۲۸ سال کی عمر مین (جبکہ وہ بون یونیورسٹی مین پروفیسر تھا) "ہماری تعلیم گاہون کا مستقبل" کے عنوان سے پانچ زبردست لکچر دیئے تھے، ان لکچرون مین وہ ایک جگہ کہتا ہے" ہمارا مقصد عوام کی تعلیم نہین ہے بلکہ صرف چند منتخب اور چیدہ اشخاص کی تعلیم وتربیت ہے جو بعد کو قومی

خدمات انجام دیسکین؟ وہ لسانیات، نفسیات، علمیات اور دینیات کی تعلیم کو انسانی زندگی کے لیے صرف بیکار ہی نہین بلکہ سخت مضر سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ ان مضامین کے اساتذہ حقیقی استادون کے مقابلہ مین وہی نسبت رکھتے ہین، جو جنگلی ہندوستانی طبیب، حاذق اور کامل اطبار کے مقابلہ مین رکھتے ہین، ان مضامین کے پڑھنے سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ معلومات کا ذخیرہ دل و دماغ مین بھرجاتا ہے اور بس، کام کرنے کا شوق نہین ہوتا، نوجوانون اور نونہالون کو مادی علوم اور کارآمد فنون کی تعلیم دینی چاہیئے تاکہ فراغت کے بعد وہ دنیا مین کوئی کام کرسکین، علمی تعلیم کے بجائے عملی تعلیم لازمی اور لابدی ہے،

مناکحت نٹشے کا دعوی ہے کہ آجکل شادی کے معنی یہ ہین کہ سوسائٹی کی طرف سے دو افراد انسانی کو عیش کرنے اور خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دیدیجاتی ہے اور بس، اگرچہ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ شادی سے معاشری نظم و نسق اور بقائے نسل مقصود ہے لیکن اس کا جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ اس کے بالکل منافی ہے، آجکل مناکحت کی بنیاد "اتفاق" پر قائم ہے اور اس لیے طرفین کے دل محبت اور الفت سے زیادہ تر خالی رہتے ہین، نٹشے کا خیال ہے کہ انسان کو جب تک اپنی تندرستی اور شرافت نسبی کا یقین نہ ہو شادی نہین کرنی چاہیئے کیونکہ وہ اس کے ذریعہ سے ایک نئی ہستی کی بنیاد ڈالنا چاہتا ہے اور اسکی خصوصیات متعدد نسلون تک منتقل ہوتی رہینگی، ہر امیدوار نکاح کو اپنے نفس سے یہ سوال کرنا چاہیئے "کیا فلان عورت کے ساتھ تم اپنا وقت مرتے دم تک خوشی سے گذار سکتے ہو یا نہین" نکاح کی بنیاد رفاقت و الفت پر قائم ہونی چاہیئے، نٹشے اس سلسلہ مین لکھتا ہے :-

"آیندہ مناکحت صرف روحانی رفاقت کی خاطر ہونی چاہیئے جسکی غرض و غایت یہ ہو کہ ایک ایسی نسل کی بنیاد پڑے جو موجودہ نسل سے بہتر ہو، جو لوگ ہوس پرستی کو کسی اعلیٰ

مقصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہین ان کو "داشتہ" پر اکتفا کرنا چاہیئے، اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کی جسمانی صحت و تندرستی کی بنا پر اپنے تئین اسکی خواہشات پر قربان کر دیا تو پھر شادی کا اصل مقصود فوت ہوگیا، بے شبہہ انسانی آبادی مین اضافہ ہوگا مگر وہ اتفاقیہ، نسل سے سدھارنے اور سنوارنے کا خیال بھی ذہن مین نہ آئے گا؛

نٹشے رشتہ مناکحت کے متعلق حسب ذیل تجاویز پیش کرتا ہے:-

(۱) موروثی جائداد پر زیادہ محصول لگانا چاہیئے اور شادی کے پہلے لوگون کو عرصہ تک فوجی خدمت انجام دینی چاہیئے،

(۲) شادی کے قبل مرد عورت دونون کی جسمانی صحت کا ڈاکٹری معائنہ ہونا چاہیئے، اور پھر اسکی تصدیق کلیسا والون سے ہونی چاہیئے،

(۳) جن لوگون کی اولاد ذکور زیادہ ہون ان کو اور دن کی بہ نسبت حقوق و اختیارات زیادہ ملنے چاہئین،

(۴) وقتی اور آزمائشی نکاح کا رواج دینا چاہیئے تاکہ زناکاری کا انسداد ہو سکے یا اسکی خرابیون کی اصلاح ہو سکے، ایسی حالت مین اولاد کے حقوق کا پہلے سے خیال رکھنا چاہیئے،

(۵) شادی کے قبل برسرِ اقتدار اشخاص اور پیشوایانِ دین کی منظوری لے لینی چاہیئے،

(۶) کمزور اور اپاہجون کو اولاد پیدا کرنے کا موقع نہین دینا چاہیئے،

نٹشے کا خیال ہے کہ دائم المرض اور نحیف و زار اشخاص کیلئے بچہ پیدا کرنا جرم ہے، ڈاکٹرون کو ذمہ متعدد فرائض ہین جنمین سب سے زیادہ اہم فرض یہ ہے کہ وہ ایسے ناکارون کو اولاد پیدا کرنے کا موقع نہ دین، چونکہ سوسائٹی افراد کی زندگی کی ذمہ دار ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ ناقص زندگی کے لئے (ہمیشہ کے لیے) راستہ مسدود کر دے، مریضون کو تندرستون کے برابر حقوق عطا کرنا اور

اور ناکارون پر ترس کھانا درحقیقت اخلاقیت کے چہرہ کا ایک نہایت بدنما داغ ہے،

متحدہ یورپ

نٹشے کہتا ہے کہ آجکل یورپ کی سلطنتین صرف اپنے ذاتی مفاد کے لیے سرگرم کار ہین، لیکن یہ خود غرضی عرصہ تک نہین رہ سکتی، ایک نہ ایک روز انفرادی مفاد کی بجاے اجتماعی مفاد کا لحاظ کیا جائے گا اور موجودہ تنگ نظری اور پست خیالی دور ہوجائیگی اور تمام اقوام یورپ مین بلند خیالی اور وسعت نظری پیدا ہوجائے گی، اور پھر ایک عرصہ کے بعد تمام دول یورپ ایک ہوجائینگے

نٹشے صراحت کے ساتھ یہ نہین کہتا کہ آخر "متحدہ یورپ" کے قیام کی صورت کیا ہے ایک جگہ وہ اپنا خیال یون ظاہر کرتا ہے:-

"روس کی زبردست اور تہدید آمیز قوت ایک روز یورپ کی مختلف سلطنتون کو مجبور کریگی کہ اپنے خانگی اور قومی جھگڑون کو پس پشت ڈالکر متحدہ طور پر اس نیم وحشی ملک کا مقابلہ کرین، مین اس معنی مین "جرمن" نہین ہون کہ طوائف الملوکی اور قومی منافرت کی تحریک ہو جو آج یورپ کے ممالک کو ایک دوسرے سے اجنبی اور بیزار بنائے ہوئے ہے، مین اور میرے ہمخیال صحیح معنون مین "یورپین" ہین، اور اچھا "یورپین" ہونا اور یورپ کا خوشحال وارث ہونا فخر و ناز کی بات ہے"

نٹشے کی بلند پروازی اور خیال آرائی کی آخری حد یہ ہے کہ (اس کے خیال کے مطابق) ایک وقت دنیاے خاکی کی حکومت اتنی زبردست اور ہمہ گیر ہوگی کہ یہان کے باکمال اور ذی عقل اشخاص اجرام فلکی پر بھی حکمرانی کرین گے، اور یہ دور اس وقت آئیگا جب کہ اخلاقیت "عقل" کے تابع ہوگی، حکومت کی باگ بااخلاق اشخاص کی بجائے عقلا کے ہاتھ مین ہوگی، مرد و عورت دونون اقتصادی روسے آزاد و خود مختار ہون گے، قومی تعصب اور تنگ نظری کا نام و نشان بھی نہ رہے گا، اور وہ رقم کثیر جو آج فوجی ضروریات مین صرف کی جارہی ہے تعلیم (تمدنیاتی تعلیم) اور ایک سائنٹی

کی ترقی مین صرف کیجائے گی،

مسیحیت کی بیخکنی | مسیحیت کے متعلق نٹشے کے خیالات قدرے تفصیل کے ساتھ "معارف" کے گذشتہ پرچے مین شائع ہو چکے ہین، اسلیے یہان ان کا اعادہ مناسب نہین معلوم ہوتا، بالاختصار یہ کہنا بس کرتا ہے کہ نٹشے مسیحیت کو اپنے نصب العین" فوق البشر" کے لیے سم قاتل سمجھتا ہے، کیونکہ مسیحیت امیر و غریب، شریف و رذیل، شاہ و گدا، نیک و بد، مریض و تندرست، ضعیف و توانا، سب کو ایک صف مین کھڑا کر دیتی ہے، لیکن فوق البشر" کی اصل بنیاد امتیازی خصوصیات پر قائم ہے، علاوہ ازین مسیحیت انسان کو ساکن اور منجمد بنا دیتی ہے اور دل و دماغ مین کسی قسم کی جلا نہین بخشتی لیکن "فوق البشر" کے لیے روز افزون ترقی کا سلسلۂ دراز درکار ہے،

سربرآوردہ اشخاص کے اوصاف | جیسا کہ اوپر بیان ہوا،" فوق البشر" کی راہ کی پہلی منزل سربرآوردہ جماعت (Herrenmoral) ہے، نٹشے کا دعویٰ ہے کہ یہ زبردست جماعت انسانی ایک بوزنی نوع آدم کو "با اخلاق" کی بجائے" ذی عقل" بنا دیگی اور" فوق البشر" کے ظہور کے لیے راستہ صاف کریگی، اس جماعت مین حسب ذیل اوصاف ہونے چاہئین:-

(۱) شریف النفس اور جفاکار ہو،

(۲) خاموش، سنجیدہ اور مستقل مزاج ہو، اور صبر و عزم کے ساتھ اپنے کامون مین مصروف ہو

(۳) اپنے خیالات و جذبات پر پورا قابو رکھے اور مغلوب الاثر نہ ہو،

(۴) خوش مزاج اور سادہ لوح ہو، اور غرور و تکبر سے مبرا ہو،

(۵) ہر قسم کے خطرہ کے لیے سینہ سپر ہو، اور ہر مصیبت کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کرے

(۶) حکمرانی کی صلاحیت رکھے اور بوقت ضرورت اطاعت کے لیے بھی تیار ہو، کیونکہ جو فرمانبرداری نہین کرسکتا وہ فرمانروائی بھی نہین کرسکتا، حاکمی و محکومی لازم و ملزوم ہین،

نٹشے اس "جماعت انسانی" کی خصوصیات پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے:-

"سربرآوردہ جماعت کو شریف النفس ہونا چاہئیے، ظاہرداری، تہذیب، خاموشی اور توقف پسندی اس کے لیے لازمی اوصاف ہین، یہ جماعت غربت، افلاس اور ہر طرح کے دکھ اور آزار کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہیگی، یہ بہت زیادہ خلیق، ملنسار اور سلیم الطبع ہوگی، لیکن ان تمام اوصاف سے بڑھکر اس مین خداداد یا فطری قابلیت ہوگی، اور یہ اپنے مسلک پر رکاوٹون اور مخالفتون کے باوجود قائم ودائم رہیگی، اس جماعت کی مخالفت وہ لوگ ضرور کرین گے جو عموماً زبردست ہستیون کی راہ مین روڑا اٹکایا کرتے ہین، ایسے لوگ درحقیقت گنوار اور رذیل سے بدتر ہین اور انسانی ترقی وتمدن کے لیے سوہان روح ہین"

نٹشے کو اس جماعت کی آمد آمد کا پورا یقین تھا اور کہتا تھا کہ مین مستقبل قریب مین ایک جدید دور کی علامات کا مشاہدہ کر رہا ہون، یہ دور "ہیروئزم" (شجاعت و دلیری) کو علم وفضل کا جزو لاینفک قرار دیگا، اور لوگ بھی ان علامات کو دیکھتے ہین، مگر یا ان کی عقل نارسا ہے یا وہ کچھ اور معنی پیدا کر لیتے ہین،

جدید انکشاف نٹشے کو اپنے انکشاف پر (سربرآوردہ جماعت کے متعلق) بیحد ناز تھا، اور جس طرح ایک مکتشف فخر وتعلی کے ساتھ کسی جدید دریافت شدہ جزیرہ یا آبادی کا تذکرہ کرتا ہے، اسی طرح تمدنیات کا علمبردار نٹشے بھی اپنے انکشاف کا اس بلند آہنگی کے ساتھ ذکر کرتا ہے:-

"بھائیو! تم ہی لوگون کی کوششون پر مستقبل کی بنیاد قائم ہے، تم ہی لوگ "سربرآوردہ جماعت" کے لیے تخم ریزی اور آبیاری کروگے، یہ جماعت ایسی نہ ہوگی جسے تم تاجرون کی طرح زر ومال سے خرید سکو، کیونکہ جس شے کی قیمت ہو سکتی ہے وہ بے قیمت ہے خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیون نہ ہو، تمھین اپنے آغاز پر فخر نہین کرنا چاہئیے، اور یہ نہین دیکھنا چاہئیے

کہ کہان سے آئے ہو بلکہ اپنے انجام پر ناز کرنا چاہیئے اور یہ غور کرنا چاہیئے کہ کہان جا رہے ہو، اے جائیو! یہ جماعت منہ نہ موڑیگی، پیچھے نہ دیکھیگی ہمیشہ آگے کی طرف نظر رکھیگی، اس جماعت کا پورا پورا حال اب تک دور دراز سمندر کے پار والون کو بھی نہین معلوم ہوا، اس لیے مین تم کو دائمی جستجو اور ابدی تلاش کا حکم دیتا ہون"

خاتمہ | نٹشے نے تمدنیاتی مساعی کا جو نصب العین قائم کیا ہے اور پھر اسکی جو توضیح و تشریح کی ہے وہ درحقیقت جدت آرائی اور خیال آفرینی کی آخری حد ہے، طائر خیال اس سے زیادہ پرواز نہین کر سکتا تھا، لیکن افسوس یہ ہے کہ نٹشے نے انسانی جدوجہد اور کدوکاوش کا جو مقصد اعلیٰ قرار دیا ہے وہ ایک دور از کار اور بعید الفہم خیال سے زیادہ وقیع نہین معلوم ہوتا، یہ ایک خوش آئند اور دلکش خیال ہے جو تصوریون کے تفنن طبع کا ذریعہ ہو سکتا ہے، مگر عملی زندگی کے لیے کسی طرح کار آمد نہین ہو سکتا، تعجب ہے کہ نٹشے نے یہ نصب العین اس وقت قائم کیا جبکہ وہ خود تصور و تخیل کے لق و دق میدان کو چھوڑ کر دنیائے عمل مین قدم رکھ چکا تھا،

بہرحال "فوق البشر" کی توضیح و تشریح کے سلسلہ مین نٹشے نے بعض باتین کام کی بھی بتائی ہین، خصوصاً سربرآوردہ اشخاص کے لیے جو اوصاف اس نے ضروری قرار دیئے ہین وہ ایسے ہین جنکی اہمیت اور شان مین کسی ذی عقل کو کلام کرنے کی گنجائش نہین ہو سکتی،

معارف:۔ نٹشے کا نظریہ "فوق البشر" درحقیقت مولانا روم کے جسمانی ارتقار کے بعد روحانی ارتقار کے بلند تخیل سے بہایت فروتر ہے، مولانا روم نے ٹھیک اسی طرح درجہ بدرجہ جسمانی ارتقار کی انسانیت پر تکمیل کے بعد روحانی ارتقار کی منزلین مقرر کی ہین، نٹشے کا تخیل مادی ہے، اسلیے وہ جنت اسی سرزمین پر دیکھنا چاہتا ہے، اور مولانا کا تخیل روحانی ہے، اس لیے انکی یہ جنت آسمان پر ہے، نٹشے اوسکو عقلی کمال کہتا ہے، وہ اوسکو روحانی کمال کہتے ہین

دروزیون کا مذہب،

از مولوی ابو الجلال صاحب ندوی،

دمشق کے واقعات نے دروزیون کو دنیائے اسلام مین اچھی طرح روشناس کر دیا ہے، معارف کے ایک گذشتہ نمبر مین انکی جغرافی اور تاریخی حالت پر روشنی ڈالی جاچکی ہے، آج ہم کچھ ان کے مذہب کے متعلق بھی عرض کرنا چاہتے ہین،

سنہ ۱۹۱۲ء مین المقتبس (دمشق) نے ان کے مذہبی صحائف دید، تجلی معلق، البلاغ والنہایت، اور النصیحہ کے اقتباسات شائع کئے تھے، اوران اقتباسات کے ساتھ ساتھ استاذ سلیم آفندی کی غیر مطبوع کتاب (حل الرموز فی عقائد الدروز) کا ملخص بھی شائع ہوا تھا، انھین کی مدد سے ذیل کا مضمون تیار کیا گیا ہے،

دروزی اپنے مذہبی صحیفون کو عیب کی طرح چھپاتے ہین، اسلیے یہ صحیفے غیر دروزیون کے لیے تمامتر نادر ہین،

بانی فرقہ دروزی فرقہ باطنیون کی ایک شاخ ہے، اس فرقہ کا بانی مصر کے فاطمی یا عبیدی خلفار کا چھٹا تاجدار الحاکم بامر اللہ ہے، جسنے فرعون کے اتباع مین اپنے آپ کو حاکم بامرہ کہنا شروع کر دیا تھا، اس کو غیب دانی کا بھی دعوٰی تھا،

اس سے پہلے کہ آپ آگے بڑھین، ان فرقون کے باہمی تعلق کو سمجھ لین، یہ تمام فرقے شیعیت کی متفرق شاخین ہین، اہل تشیع کے نزدیک ایک امام کے بعد دوسرا امام بطور نص و وصیت کے قائم ہوا، چھ امامون تک یہ امامت یکے بعد دیگرے سب مین متفق رہی، چھٹے امام جعفر صادق کی دو اولادین ہوئین، موسی رضا اور اسماعیل، تعداد کثیر نے پہلے امام کو مانا، اور ۱۲ کی تعداد پر جاکر امامت کو ختم کر دیا، یہ اثنا عشریہ کہلاتے ہین،

دوسرا فرقہ جسنے اسماعیل کو امام مانا اسماعیلیہ کہلاتا ہے، اسی فرقہ نے بعد کو باطنیہ اور ملاحدہ کا لقب بھی پایا ہے، عبید اللہ نے جنکو مہدی ہونے کا دعوی تھا، مغرب مین کامیابی حاصل کی، اور پھر اس فرقہ نے مصر پر قبضہ کیا، اور فاطمی

سادات ہونے کا دعویٰ کیا، اسلیے اس خاندان کو عبیدیہ اور فاطمیہ بھی کہتے ہین،

سلاطین فاطمیہ نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے تمام دنیاے اسلام مین داعی مقرر کئے تھے، جو چھپ چھپ کر عجیب عجیب طریقون سے لوگون کو اپنے مذہب مین لاتے تھے، اس خاندان کی چوتھی پشت مین نزار کے بعد اسکی دو اولادون مین سے پہلے بڑا لڑکا ولیعہد ہوا، پھر دوسرا ہوا، پہلا مر گیا تھا یا غائب ہوگیا تھا، دوسرا مصر کی فاطمی سلطنت کا فرمانروا ہوا، اور پہلے کی نسبت یہ دعوی ہے کہ حسن بن صباح اس کو اپنے ساتھ جبال مین لے آیا، اور یہان سے حسن بن صباح اور اس کے جانشینون کی زیر نگرانی اسماعیلیہ مذہب، یا باطنیہ مذہب کی دوسری شاخ قائم ہوئی،

مصر مین نزار کے بعد منصور تخت نشین ہوا، جسکا شاہی لقب الحاکم بامر اللہ ہے، یہ ہندوستان کے محمد تغلق کی طرح عجیب وغریب شخصیت اور متضاد اخلاق وعادات کا آدمی تھا، اس کے احکام گھڑی مین کچھ اور گھڑی مین کچھ ہوا کرتے تھے، رعایا اس سے عاجز تھی، آخر خود اسی کی بہن ست الملک نے جب وہ تنہا پہاڑون پر مین پھر رہا تھا چپکے سے اس کو قتل کرا دیا،

الحاکم نے جہان اور بدعتین اختراع کی تھین، وہان ایک نئے مذہب کا بھی وہ بانی تھا، اس کا وزیر اس کے اس نئے مذہب کا جبریل بنا اور چند کتابین اس مذہب پر لکھکر ان کو مصحف دین کا درجہ دیا، اس نئی شریعت کے داعیون مین سے محمد بن اسمٰعیل نشتکین ایک درزی (خیاط) تھا، جسکی نسبت یہ فرقہ درزی اور جمع کی حالت دروز کہلاتا ہے، اور اس جمع سے واحد کبھی درزی بناکر بولتے ہین،

۴۰۸ھ مین نشتکین نے حاکم کی الوہیت پر ایک کتاب لکھی جو جامع ازہر مین سنائی گئی، عوام مین سخت ہیجان پیدا ہوا، لوگون نے اس کے گھر کو لوٹ لیا، اسلیے خفیہ طور پر حاکم نے اسے شام مین بھیجدیا جہان یہ حاکم کی الوہیت کا مسئلہ پھیلانے لگا،

شام مین عراق سے آئے ہوئے تنوخی امرا نے جو باطنی فرقہ کے پیرو تھے اس کی دعوت قبول کرلی،

اور اسی کے انتساب سے یہ دروزی کہے جانے لگے،

۱۱ ۴ھ مین تاتاریون کے حملہ مین محمد بن اسمٰعیل مارا گیا اس کے بعد حاکم نے اسکی جگہ پر دوسرے داعی حمزہ بن علی کو مقرر کر کے بھیجا اور وہ وہی اعتقاد پھیلانے لگا جو محمد بن اسمٰعیل پھیلاتا تھا، لیکن اس کو محمد بن اسمٰعیل سے عداوت تھی اسلیے اس نے محمد ابن اسمٰعیل کے متعلق ایسے خیالات پیدا کر دیئے کہ دروزی اس سے نفرت کرتے ہین، اسکو گالیان دیتے ہین، اپنے وقت کا شیطان قرار دیتے ہین کیونکہ اوس نے حمزۂ وقت کی مخالفت کی، اور اس کے حق کو غصب کر لیجانا چاہا تھا، حمزہ بن علی کا لقب دروزیون کی اصطلاح (حجۃ القائم) اور ہادی المستجیبین ہے، اور لفظ حمزہ خود ایک ربانی درجہ ان کے ہان قرار پایا،

دروزی اپنے مذہب کو بہت چھپاتے ہین، اپنے فرقہ کے لوگون کو وہ دو طبقون مین تقسیم کرتے ہین عقال (علما،) اور جہال (عوام) جہال کو صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ دروزی ہین، ان کو اپنے مذہب سے واقفیت حاصل کرنیکا حق نہین، بڑی مشکلون سے جہال کو عقال کے طبقہ مین داخل ہونے کی اجازت ملتی ہے،

معاشرت! دروزی عام طور پر رہتے سہتے عام مسلمانون کی طرح مین وہ اپنے عقیدہ کو چونکہ بجز خاص خاص لوگون کے ظاہر کرنا پسند نہین کرتے لہذا بظاہر وہ عام مسلمانون سے بہت کم ممتاز نظر آتے ہین،

فقہی معاملات مین زیادہ تر وہ شریعت اسلامیہ کے پابند ہین، مگر ایک سے زیادہ نکاح کرنا ان کے یہان قطعی حرام ہے، اسی طرح اپنی مطلقہ بی بی سے دوبارہ نکاح کرنا بھی حرام ہے، انکی اس رسم نے ان کے پڑوس مین رہنے والے دیگر فرقون پر بھی اپنا کافی اثر ڈالا ہے،

میراث کے قواعد بھی مسلمانون ہی کے سے ہین، البتہ باپ کے گھر سے لڑکی قطعاً محروم ہے، جائداد اگر اپنی کمائی ہوئی ہے تو صاحب جائداد کو حق ہے کہ کل جائداد کو کسی ایک وارث کے حق مین وصیت کر جائے اگر خاندانی جائداد ہے تو اس کو یہ حق حاصل نہین ورثہ مین حسب تخریج جائداد تقسیم ہوگی،

یہی چند باتین ہین جو ان کے طبقۂ جہال (عوام) کے لوگون کو دیگر مسلمانون سے ممتاز کرتی ہین ورنہ اپنے عقائد کو وہ اپنے جہال سے بھی اس طرح راز رکھتے ہین جس طرح دیگر فرقون کے لوگون سے مخفی رکھتے ہین

خدا کے متعلق خیال خدا کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ واحد ہے، قابل تشبیہ اور معطل نہین، اسکی "ہویت" برابر ایک جسم کے دوسرے جسم مین منتقل ہوتی رہتی ہے، خدا کے ۱۲ مقامات ہین، العلی، البار، ابوزکریا، اعلیٰ، المعلی، القائم، المنصور، المعز، العزیز، الحاکم، یہ سب ملکر خدائے واحد ہین، خدا کا ظہور، اسم، نطق، فعل ہیاۃ چار مظاہر سے ہوتا ہے، یعنی صاحب امر کا نام، اسکی شکل وصورت اس کے فرامین اور اس کے معجزہ کے ذریعہ سے خدا ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ اس "دور علی" کے آخری ناطق یعنی حاکم بامراللہ کے نام منصور، اسکی صورت، اسکے "سجلات" و"مجالس"، اور اس کے معجزانہ افعال کے ذریعہ خدا کا ظہور ہوا،

انبیا اور ادیان دروزیون کا عقیدہ ہے کہ دنیا متعدد ادوار سے بنی ہے موجودہ دور کا نام "دور علی" یا "دور حاکم" ہے کیونکہ اس دور کا پہلا وصی "علی" اور آخری مقام ربانی "حاکم" تھا اس قسم کے ۰، دور حاکم سے پہلے تک گذر چکے ہین، ہر دور ۰۴ لاکھ برس کا ہوتا ہے اور ہر دور مین، ناطق ۰، وصی اور ۰، امام گذر چکے ہین اس بنا پر حاکم کے وقت تک ۰۹۴ ناطق، وصی، اور امام گذر چکے ہین، اس دور کے ناطق سادس محمد بن عبداللہ (صلعم) تھے اور ناطق سابع حاکم لامراللہ،

ہر دور مین ۵ اولوالعزم گذرتے ہین، اس دور کے اولوالعزم یہ ہین،

(۱) مقامات ربانیہ مین حاکم (۲) نطقا مین محمدؐ (۳) اوصیا مین علیؓ

(۴) ائمہ مین محمد بن عبداللہ القداح، (۵) ذومعہ لوگون مین حمزہ بن علی،

قرآن مجید قرآن مجید کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ یہ براہ راست حضرت رسول خدا پر نازل نہین ہوا، بلکہ ہر دور کے ناطق کے ساتھ ایک "ذومعہ" ہوتا ہے اور یہی ذومعہ اس عہد کا صاحب الہام ہوتا ہے، اور وہی ناطق کو سکھاتا ہے، حاکم کے وقت کا ذومعہ حمزہ بن علی تھا، اسکی روح مختلف اوقات مین

حکیم فیثاغورث، حضرت شعیبؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت سلمان فارسیؓ کے قالب مین رہ چکی ہے، ناطق سادس کے عہد کے ذومعہ یہی سلمان فارسیؓ تھے، سلمان فارسیؓ کو یہ لوگ حمزۂ وقت بھی کہتے ہین، قرآن مجید مین جہان نصائح لقمان کا ذکر ہے وہان لقمان سے مراد یہی ذومعہ یعنی سلمان فارسیؓ ہین، اور انھون نے جسکو (یابنیّ) کہکر مخاطب کیا تھا وہ جناب محمدؐ تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) جناب محمد صلعم (ناطق) تھے، مقامات ربانیہ مین سے نہ تھے، صرف رسول تھے، رسول کا درجہ اپنے وقت کے امام اعظم یا ذومعہ سے کم ہوتا ہے، مگر حاکم اپنے عہد کے ذومعہ سے برتر تھا کیونکہ وہ ایک مقام ربانی تھا،

شریعت اسلامیہ دروزیون کے مقتدائے اعظم یعنی آخری ذومعہ حمزہ نے اپنے رسالہ ویدمین لکھا ہے کہ ہر ناطق جب آتا ہے تو ایک جدید شریعت لاتا ہے چنانچہ محمد بن عبداللہ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) پرانی شریعتون کو منسوخ کردیا، اسی طرح "مولانا الحاکم ابار العلام" نے بھی شریعت محمدیہ کو منسوخ کردیا چنانچہ مستجیبین سے صدقات عشور، اخماس، اور ہر طرح کے صدقات ساقط کر دیئے گئے، مگر باہم ایک دوسرے کی محافظت ساقط نہین کیگئی،

سجل معلق مین ہے کہ، آنحضرت صلعم کے وقت سے لیکر تمام خلفانے برابر یہود و نصاری کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی، مگر حاکم بامراللہ کو ہر طرح کے تشدد کا حق حاصل تھا اسکی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ یہود و نصاری حاکم بامراللہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ کے صاحب شریعت سے آج تک ہم آزاد تھے، اب کیا وجہ ہے کہ ہماری عبادتگاہین مسمار کردی گئین، ہماری کتابین چاک کردی گئین اور اب توریت اور انجیل کے اوراق مین صابون بکتا ہے، حاکم نے کہا" کیا تم کو معلوم نہین ایک مرتبہ کچھ یہود اور کچھ نصاری آنحضرتؐ کے پاس اسی غرض سے آئے تھے اور انھون نے بھی آپ سے وہی درخواست کی جو تم نے کی، آنحضرتؐ نے دریافت کیا کہ کیا تم میرا انتظار نہ کرتے تھے، انھون نے کہا جس کا انتظار ہم کرتے تھے وہ آپ نہین کیونکہ (۱) اس کا نام احمد ہے آپ محمد ہین، (۲) آپ سے

ابھی چار سو برس باقی ہین (۳) اور وہ ہمپر سے بند صنون کو دور کریگا، آپ کا نام، مدت اور عمل سب ان علامتون کے خلاف ہے، اس پر آنحضرتؐ نے یہود و نصاری سے ۴۰۰ برس تک کیلئے معاہدہ کرلیا کہ اچھا ۴۰۰ برس تک انتظار کرو، اگر وہ موعود ۴۰۰ برس کے بعد بھی ظاہر نہ ہو تو اس وقت کے قائم کو حق ہے کہ تمام یہود و نصاری پر جبر کرکے اپنی ملت مین داخل کرے، اسلیے اب یہود و نصاری کے ساتھ نرمی اور سہولت برتنے کا حکم باقی نہ رہا،"

فرشتے اور شیطان دروزیون کے عقال فرشتون، ابلیسون اور جنات کا وجود تسلیم نہین کرتے، حمزہ بن علی نے رسالہ ویدمین (ملائکہ مقربین) کو مستجیبین کا نام بتایاہے، ابلیس کوئی چیز نہین ہے ہر وہ شخص جو مولی کا نظیر بننا چاہے ابلیس ہے، چنانچہ حاکم بامر اللہ کا ہر مخالف ابلیس تھا، امام اعظم یا ذومعہ کا مخالف عظریس ہے، عہد حاکم کا عظریس محمد بن اسماعیل درزی تھا جبکا لقب نشتکین بھی تھا، (جن) عام داعیون کا نام ہے، ان سے بڑا درجہ ماذونون کا ہے، جنکو (جن) کہا جاتا ہے (انس) خاصکر مستجیبین کا نام ہے حمزہ بن علی کا مد مقابل ایک اور شخص تھا جبکا نام برذعی ہے، برذعی اپنے وقت کا فرعون تھا، دروزیون کے نزدیک فرعون کوئی بہت برا آدمی نہین تھا، بلکہ وہ اپنے عہد کا "داعی وقت" تھا جسے قدرت نے اصلاح کیلئے مبعوث کیا تھا، لیکن بدقسمتی سے ناطق وقت کے آنے مین دیر لگ گئی اور اس نے غلط فہمی کی بنا پر دعوی کردیا کہ "انا ربکم الاعلیٰ" مین تمھارا بڑا رب ہون، "یعنی امام اعظم ہون"، برذعی کا دست و بازو کوئی شخص علی بن الجبال تھا، اس کے متعلق دروزیون کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنے وقت کا ہامان تھا،

عقاید معاد جنت و دوزخ کے تصور کے ساتھ ساتھ دروزی تناسخ کے قائل ہین، تناسخ کا نام انکی زبان مین تقمص ہے، ان کا خیال ہے کہ انسان کی روح جب چولا بدلیگی تو انسانی ہی ہوگی کچھ اور نہین ہوسکتی عقال (طبقہ علما) مین سے جب کوئی مرتا ہے تو ان کا گمان ہے کہ اسکی روح چین مین چلی جاتی ہے

دیوارِ چین کے اُس پار دنیا کی رو میں رہا کرتی ہیں

علامات قیامت | حاکم جب قتل کر دیا گیا تو حمزہ بن علی نے ایک رسالہ تصنیف کیا اور اسکو جامع ازہر کے دروازون پر لٹکوا دیا تھا، اس رسالہ مین اسنے بتایا تھا، اور یہی اعتقاد دروزیون کا اب تک ہے کہ

"حاکم مرا نہین، ایک رات برکۃ زرقا مین گیا اور وہان سے زندہ آسمان پر چڑھ گیا اور اب تک زندہ ہے"

دروزیون کو انتظار ہے کہ عنقریب جب قیامت شروع ہونے والی ہوگی یاجوج وماجوج جو بہت اچھے، شریف اور نیک لوگ ہین ۲۵ لاکھ کی تعداد مین مکۂ معظمہ مین آئین گے، اور حاکم بامر اللہ رکن یمانی کے پاس ان کے اوپر اپنی تجلی کو ظاہر کرے گا، اور حاکم کے ظہور ثانی کے ساتھ ساتھ حمزہ بن علی کا بھی ظہور ہوگا حاکم کی تلوار حمزہ کے ہاتھ مین ہوگی، اور وہ تمام بے دینون کو ہلاک کر کے سب سے جزیہ لے گا، یہود امت محمد سے بھی جزیہ لے گا،

فرائض مواجبا | دروزیون کے مذہبی فرائض ۴۵ ہین ۴ فرائض ذات باری کی معرفت سے تعلق رکھتے ہین ۱۰ فرائض توحید ہین، ۱ فرائض دین اور ۷ فرائض امام ہین ۴ فرائض ہین ۱۰ اتقاء ہیں، اور ۹ مظاہر باری کو سمجھنا اور جاننا ہے فرائض توحید یہ ہین، معرفتِ باری، توحیدِ مولی معرفتِ امام، معرفت روحانیین، زبان روکنا، ایک دوسرے کی محافظت کرنا، معدوم کی عبادت نہ کرنا، رضا، تسلیم، شیاطین وقت سے تبراء، فرائض دین ۱۰ ہین جو اہل ملت کے حقوق اور مواجب دینیہ کئے جاتے ہین، مراسم نفاس، مراسم شادی، اور مراسم دفن وکفن مین شرکت، قبول دعوت، عیادت مریض، قبول معذرت، لوگون کی حاجت روائی کمزورون کے ساتھ بھلائی، اہل ملت کی اعانت اور ان کے دشمنون سے عداوت رکھنا،

فرائض امامیہ کی ۴ قسمین ہین (۱) اسامی (۲) طبائع (۳) خصائص (۴) منازل کو جاننا اور سمجھنا

اسامی	علت اول، سابق حقیقی، امر ذومعہ، ارادہ
طبائع	حرارت عقل، قوت نور، سکونِ تواضع، برودت حکم، لیونۃ ہیولی،

منازل جسمانی، جرمانی، روحانی، نفسانی نورانی،

خصائص (۱) احمد لمن ابدعنی من نوره، (۲) وایدنی بروح قدسه (۳) وخصنی

بعلمه (۴) وفوض الی امره (۵) واطلعنی سره،

جو شخص ان تمام اسامی، طبائع، خصائص اور منازل کو سمجھ لے اور مان لے بقیہ ۴۳ فرائض

علمی و عملی پر کاربند ہو جائے، وہی اصلی "عاقل" اور "مستجیب" اور "موحد" ہے،

قبول مذہب کا طریقہ قبول مذہب کا یہ طریقہ ہے جب جہال (عوام) مین سے کوئی موحدین اور مستجیبین

کے گروہ مین داخل ہونا چاہتا ہے، تو پہلے ایک مدت تک اسے موحدین کو راضی کرنے کی کوششین

کرنی ہوتی ہین، اس مدت کی مقدار ۲ برس سے کم نہین ہو سکتی، یہ مدت پوری کرنے کے بعد اسکو "امام"

سے ملایا جاتا ہے اس کے بعد امام اسے راز داری اور کتمان سر کی وصیت کرتا ہے پھر اس سے ایک تحریری

معاہدہ لیکر اس کو جماعت مستجیبین مین داخل کر لیا جاتا ہے، اس معاہدہ کا نام میثاق الی النساء ہی

ترجمہ میثاق

مین نے اپنے مولیٰ حاکم پر بھروسہ کیا جو احد ہے، فرد ہے، صمد ہے، جوڑ اور عدد سے منزہ

ہے، فلان ابن فلان نے ایسا اقرار کیا ہے جسے اس نے اپنے اوپر واجب قرار دے لیا ہے اور عقل

و بدن کی صحت کے ساتھ، اور اپنی مرضی سے، بغیر کسی جبر و اکراہ کے، اس نے اپنی روح سے اعتراف کر لیا

ہے کہ وہ تمام مذاہب، تمام مقولون، تمام ادیان اور تمام اعتقادات سے بیزار ہے، مولانا الحاکم

جل ذکرہ کی طاعت کے علاوہ وہ کسی بات کا قائل نہین، طاعت ہی کا نام عبادت ہے، وہ اسکی

عبادت مین گذشتہ، موجودہ، اور متوقع لوگون مین سے کسی کو شریک نہین کرتا، اس نے اپنی روح

اپنا جسم، اپنا مال، اپنی اولاد سکو مولانا الحاکم جل ذکرہ کی سپردگی مین دیدیا، اور اس کے تمام احکام

سے راضی ہے، خواہ وہ احکام مضر ہون یا مفید کسی قسم کا اعتراض نہین، اسکے افعال برے معلوم

ہون یا بھلے کسی کو ناپسند نہین کرتا، اگر کبھی وہ **مولانا الحاکم جل ذکرہ** کے دین سے منحرف ہو، جسے اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور اپنی روح سے جسکا اقرار کرا لیا، یا اگر وہ غیرون پر اسکو ظاہر کرے یا اس کے احکام کی مخالفت کرے تو وہ باری **معبود**، سے بری ہوگا اور تمام حقوق سے محروم اور آلبار العلیٰ کی جانب سے ہر عقوبت کا مستحق ہوگا۔ اور جسکو اس بات کا اقرار ہے کہ **مولانا الحاکم جل ذکرہ** کے سوا آسمان مین کوئی معبود نہین اور دنیا مین کوئی امام موجود نہین، وہی موحدین فائزین سے ہے، یہ میثاق **مولانا الحاکم جل ذکرہ** اور اس کے بندہ حمزہ بن علی بن احمد ہادی المستجیبین، المنتقم من المشرکین والمرشدین بسیف مولانا جل ذکرہ کے سنین مین سے فلان سنہ کے فلان ماہ کی فلان تاریخ مین لکھا گیا،

گلِ رعنا

از جناب مولانا حکیم سید عبد الحئی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جس مین اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے باکمال اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اور ان کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہین اور اب دار المصنفین اعظم گڈہ نے شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت صر

"منیجر"

مرج البحرین شرح فارسی دیوان حافظ کا پورا توارد

از

جناب حافظ احمد علیخان صاحب ناظم کتب خانۂ ریاست رامپور

کتابخانہ مین ایک شرح دیوان حافظ کی فارسی زبان مین ہے، تقطیع کتابت ۱/۲-۸×۱/۲-۴ انچ سطرین ۱۹، صفحات ۷۷۴ ہین، نہایت بدخط اور غلط نسخہ ہے،

آغاز کتاب :-

زبطن نون خرامد خامۂ ما، | چو ذو النون سجدہا آورد بر جا
مع التسبیح و التہلیل اللہ | کند بر ساحت کاغذ تماشا

. . . .

پس آنگہ سر دکن بر نفس ختمی | ز لطف خویش رغبت ہای دنیا،

حمدے کہ از سر چشمۂ اخلاص خیزد و شکرے کہ ذوی الاختصاص ریزد مر حضرت واہب العطایا را زیبد

حمد و نعت کے بعد اپنے پیر شاہ عبد اللہ کی مدح نظم مین لکھی ہے، ان بزرگ کو گجرات کا بتاتا ہے

قطب عالم ز ملک تا ملکوت | واقف کار خانۂ جبروت
زین سہ منزل چو کرد بیش خرام | مرغ لاہوت را گرفتہ بدام
شاہ عبد اللہ آن ستودہ خصال | از مکارم خصال مالا مال
پاک گیتے علی طریق ابیہ | بر سر دین و شرع گشتہ وجیہ
خادمان حریم آن درگاہ | وحدہٗ لا الہ الا اللہ
ہر ہمہ چون ستارۂ فلک اند | بلکہ در بندگی ہمہ ملک اند

ملک گجرات زان نکو کیشان	سید ہر خلق راز کم نشان
ختمی از کمترین ایشان است	خاک اقدام پاک کیشان است

پھر حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری اور حضرت سید عبد القادر جیلانی کی منظوم مدح علیحدہ علیحدہ لکھی ہے، دیباچہ میں کہتا ہے:-

بر نقادان سیر فصاحت و جوہریان بازار فضل و براعت پوشیدہ نیست کہ گوہر سخن فی حد ذاتہ گران بہا است، و کلام منظوم فی نفس الامر گوہر با صفا است، در دکان مطاعے از و بلند پایہ ترنتوان خرید، و بضاعتے از و گران مایہ ترنتوان دید، صراف خرد را نقدے از و عزیز تر بدست نیاید، و نقاش فطرت را صورتے از و زیبا تر در پردۂ خیال روئے نہ نماید، قدر این در شاہوار ندانند الا جوہری کامل، و رتبہ این نقد تمام نشناسد الا صیرفی عامل،

گر بدے گوہرے ورائے سخن	او فرود آمدے بجائے سخن

اما تفاوت اسالیب و تباین تراکیب بحسب رعایت محسنات است از فصل و وصل و تعریف و تنکیر، و تقدیم و تاخیر، و ابہام و توضیح و کنایت و تصریح، و ایجاز و اطناب و سائر وجوہ بلاغت و اسباب، و از شعرائے عجم آنکہ سمند خوشخرام فکرت در میدان فصاحت دوانیدہ و گوئے سخنوری بچوگان بلاغت بجائگاہ مقصود رسانیدہ ذات ملکی صفات ..... حافظ شیرازی بودہ،

شعر حافظ از ہمہ اشعار بر من مشکل است	ہجو حافظ دیگرے را نام بردن مشکل است
آصفی ہر چند مضمونہائے دارد چیدہ	لیک چون اشعار حافظ شعر گفتن مشکل است
محتشم کاشی و سقا خود چہ گویم پیش او	کردن از خار مغیلان کار سوزن مشکل است
ہاتفی شاہی چہ باشد پیش آن سلطان قوم	در صحرا را نہادن نام سوسن مشکل است
گرچہ حلوائی بنامش می پزد حلوائے خویش	حنظلے را لذت خربوزہ دادن مشکل است

شاعران را پیش آن سیف خدا ختمی مقام　　زانکه کار جیدۂ فولاد زاہن مشکل است

اس کے بعد لکھتا ہے کہ پیر کی خدمت مین مین کسطرح پہنچا، دو بار خواب دیکھا ان تمام واقعات کو مثنوی مین منظوم کیا ہے، کہتا ہے:-

چو این احقر اصناف انسان وتراب اقدام دوستان سیف الدین ابو الحسن عبد الرحمن بن سلیمان

از عنایت ازلی و ہدایت لم یزلی صحبت پیرے روشن ضمیرے کہ مرشد غیبی و ہادی لاریبی باشد رسید،

اس کے بعد منظوم مثنوی نصیحت اور مناجات مین ہے، پھر کہتا ہے کہ اس سانحہ (خواب) کے بعد میرے ضمیر کو ضیا حاصل ہوئی تو خدمت مخدومی و جدی استاد اعلام العلوم و مرشد طریق المعلوم سیاح البحور میان سعد اللہ المشہور بفضائل کسبی و آداب حسبی بہرہ ور ہوا،

آگے بیان کرتا ہے کہ ۹۹۹ھ مین میان سعد اللہ کا انتقال ہوگیا تو مخدومی و مولائی بحر المحقق وحبر المدقق اپنے چچا زاد بھائی شیخ منور سے تحصیل علم کی، شیخ منور گوالیار مین قید تھے اور مین نے وہان ان کے پاس رہکر علم حاصل کیا، ان شیخ منور کی تصنیف سے تنظیم الدرر نامی تفسیر بھی بتاتا ہے، اور اس واقعہ کو بھی منظوم کیا ہے

حبذا اے دل کہ اینک عید رمضان آمدہ　　بندیان را گاہ آزادی ز زندان آمدہ

از پئے تکمیل نعمت حبس مخدوم الانام　　گوئیا از حکم شاہنشاہ دوران آمدہ

حضرت شیخ المشائخ آنکہ او چون نام خویش　　شد منور در جہان چو مہر تابان آمدہ

مرکز علم اصول و مرجع علم فروع　　فی علوم کلہا چون بحر عمان آمدہ

صاحب تفسیر تنظیم الدرر در قید و حبس　　بے مراد ش این چنین تفسیر قرآن آمدہ

ہر کہ روزے چند در درسش پئے تعلیم شد　　دیگر او قبلہ گاہ خان و سلطان آمدہ

من کہ سالے چند در حبسش بخدمت بودہ ام　　عالم شد رتبہ کان فخر سلیمان آمدہ

الوداع اے شہر گوبا جل او کہ از قول رسول　　خواہش خاک لہاورم ز ایمان آمدہ

الوداع اے روضۂ غوث الانامی الوداع	شکل پاکت در تنم نقش دل وجان آمده
وصف آنانیکه گرد گوشہاش آسوده اند	برتر از تحسین و مدح شعرگویان آمده
بندگی میان مبارک آنکه در ہر دو فریق	وارث پیغمبران و خاص ایشان آمده
کمترین خفتگان باشد چو میان تان سین	کز بزرگی خویش وصف بزرگان آمده

پھر کہتا ہے کہ میرے والد محمد سلیمان کو باوجود فضائل معقول و منقول فن شعر مین بھی دستگاہ تھی، مگر بوجہ کسر نفس شعرا کے زمرہ مین داخل ہونا پسند نہ تھا، باغ و صحرا مین جاتے تھے اگر کوئی شعر موزون کیا تو تیون پر درخت کے لکھ لیا، ان تیون کو جمع کر کے مین نے دیوان مرتب کیا، تخلص بھی ان کا سلیمان تھا، ایک انکی غزل بھی لکھی ہے جسکا مطلع ہے،

دو رخسارت ازان لالال اند چو لعل بدخشانی	کہ خونِ عاشقان بس ریختی اے دلبر جانی

محمد سلیمان کی وفات ۱۰۲۱ سنہ مین ہوئی ہے تاریخِ وفات منظوم لکھی ہے، لاہور اپنے وطن کی تعریف مین بھی ایک قطعہ لکھا ہے،

پھر کہتا ہے کہ یہ شرح دیوان حافظ بطور مسودہ کے ایک مدت سے پڑی تھی، عہد جہانگیر مین اسکو لکھا تھا، جہانگیر کی تعریف مین ایک قطعہ بھی ہے، ۱۰۳۹ سنہ مین شاہجہان تخت نشین ہوا تو اس شرح کو صاف کر کے کتاب کی صورت مین مرتب کیا، شاہجہان کی مدح مین ایک طویل قصیدہ ہے، اور اس کے بعد شرح دیوان حافظ شروع کی ہے، شرح کو اس طرح شروع کیا ہے،

"آغاز کتاب بنام رب الارباب - ابتدا میکنم سلوک عرفان"، و گفتگوے عارفان را باسم خداے با مسمی تا تحلیل یابد این معما، کہ ظرفا گفتہ اند و لالی آبدار بالماس نطق بر نیو چہ سفتہ اند،

الله اکبر چہ معما است این	اسم مگو عین مسمی است این ،

چنین خداے کہ روزی دہندہ مومنان راست و کافران را در دار دنیا، یعنی باطنیان را و ظاہریان

را روزی میرساند بے چون و چرا، روزی باطنیان معارف حقائق و شہود تجلیات است و روزی ظاہریان بہ نان و آب و سائر نباتات است، و بخشندہ مومنان است نہ کافران در دار عقبیٰ کہ دار یست برائے ظہور جزاء و سزا یعنی اہل عرفان را در آن جہان بلقائے ذات معبود و ستر وجود مشرف گردانند واہل ظاہر را بہ گرد آن نگردانند کہ لقائے ذاتی خاصہ اہل عرفان است، ومن کان فی ھذہٖ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا دربیان شان است،

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا وناولہا کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

دانا و آگاہ باش اے رعنا کہ الاحرف تنبیہ است و یا حرف ندا ایہا کلمہ ایست کہ معرف بہ لام را بوساطت آن کلمہ ندا کنند و اقبالش بسوئے خود طلبند (الی آخرہ)

ورق ۵۹، دو چشم من ہمہ شب جوئے بار باغ بہشت خیال نرگس چشم تو بیند اندر خواب

انچہ قلیل البضاعت از مخدومی و والدی شنیدہ و انچہ از اساتذہ کبار بسمعش رسیدہ آن است کہ دو چشم مبتدا موصوف است جوئے بار باغ بہشت صفت او بہ تقدیر حرف رابط و مصراع ثانی خبر ش الخ

ورق ۶۰ اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیز است بہ بانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است

شراب اینجا کنایت از عشق و صحبت است کہ مال اہل مودت است باد معروف در اینجا کنایہ از سالک است، الخ

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند گل آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند

دوش شب گذشتہ و اینجا کنایت از عالم غیب است کہ مقام شاہد لاریب است و سالک از آنجا بدین نشاۂ کہ عالم شہادت است نزول کردہ - الخ

اگر شراب خوری جرعہ فشان بر خاک ازان گناہ کہ نفعے رسد بغیر چہ باک

جرعہ آن قدر آبے کہ فرو بردہ شود، خاک زمین اگوش ہوش نیوش اے صاحب تمکین کہ مراد

از خاک درین مقام ابنائے آدم الخ،

بردار دل از مادر دہر اے فرزند | بالضعف اخیر شوہرش در پیوند،
بے قلب ندانی کہ چنین نقادی | چون جادہ اگر شوی ز روش خرسند

یعنی درو ہر در معنی بیتے عبارت است از دنیا و در معنی معما سے عبارتست از نفس آن کلمہ لے بر نام الخ

اسی قطعہ پر شرح ختم ہے، خاتمہ میں مصنف قلم کی تعریف منظوم لکھکر کہتا ہے،

و چون در سال بست و ششم از الف ثانی تسوید این کارگاہ معانی بہ پایان رسید سروش غیبی ملہم

لاریب در سال تاریخش این قطعہ بگوش ہوشم فرو خواند و چون نقش نگین ماند،

سودت بلطف چو مرج البحرین | گفتا فلکم بدین لطف کس نیست؟
تاریخ سواد او چہ پرسی از دل | تکرار کنی چو نام او در این نیست
تاریخ سواد او بوجہ دیگر | بنگر کہ بود ز نقش مانی خوشتر
چون از سواد نوک قلم گشت سخت سست | تاریخ آن سواد دل از خاطرم بجست
.... بگوش من آمد ندا ز غیب | چون در جمل حساب نمودم شد آن درست
یعنی طلب نماز عزیزان روزگار | تحسین آن سواد کہ از خاطرت برست
گر در آنکہ غلط بنماید ز آن میان | صابون اجتہاد زدہ بایدت نشست
شکر خدا کہ از مدد بخت کارساز | این نامہ بقامت من ہمچو جامہ ست
ہر شعر بر تنت شود از صد زبان شوق | نامی برون ز منت یک شعر کان تست
ختمی بیا و بگذر از این ماجرائے ذوق | تم الکلام شد قلم رفتہ رفتہ سست

گو کاتب نے مرج البحرین لکھا ہے، مگر مرج بحرین کے عدد ۱۰۱۳ ہین ان کو دو بار رکھا تو سنہ ۱۰۲۶ھ نکل آئے

خلاصہ یہ ہے کہ مرج البحرین شرح دیوان حافظ کے مصنف کا نام سیف الدین ابو الحسن عبد الرحمن

بن سلیمان بن سعد اللہ ہے تخلص ختمی ہے، جہانگیر کے عہد مین شرح لکھی اور شاہجہان کے عہد مین ۱۰۲۶ھ مین اوسکو صاف کیا،

اب شرح دیوان حافظ مصنفہ مولانا سید محمد صادق علی صاحب رضوی لکھنوی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ (ستمبر ۱۸۷۶ء) ملاحظہ ہو، شرح کے صفحات ۸۴۴ مین، آغاز کتاب یون ہے:-

اے بنام تو ابتدائے سخن، اولین وصف انتہائے سخن،

امابعد میگوید سید محمد صادق علی رضوی نسب حنفی مذہب کہ حضرت خواجہ حافظ شیراز در غزل گوئی سبقت از اقران و امثال ربودہ ... حسب الحکم منشی نولکشور ... بشرح این نذرۂ فاخرہ پرداختم و باعانۂ اللہ درعرصہ چند ماہ بطرز معہود در حیز تحریر آوردم امید از ناظرین با انصاف چنان است کہ اگر بجائے خطائے یابند- الخ

اس کے بعد شرح شروع کی ہے،

پہلا شعر مطبوعہ شرح مین صفحہ ۴ پر ہے، اسکی شرح کا مقابلہ مرج البحرین کے اول شعر سے کیجئے، مین نے جسقدر شعر مرج البحرین سے بطور نمونہ لکھے ہین اور انکی شرح کے چند الفاظ بھی لکھدیئے ہین انسے مقابلہ کرنا چاہیئے،

دوسرا شعر مرج البحرین کا شرح صادق علی مین صفحہ ۹۵ پر ہے، دالدی کی جگہ از معظمی و استادی لکھا ہے،

تیسرا شعر ،، ،، ،، صفحہ ۰ پر ہے، چوتھا شعر شرح صادق علی مین ۱۰۹ پر ہے،

پانچوان شعر ،، ،، صفحہ ۱۷۲ پر ہے،

چھٹا شعر ،، ،، ،، صفحہ ۲۴۴ پر ہے،

اب شرح کے الفاظ کا مقابلہ کریجئے، ایک حرف کا فرق نظر نہین آئے گا، مرج البحرین مین مصنف نے جابجا اپنا کلام منظوم لکھا ہے، شرح صادق علی مین بجائے ختمی تخلص کے ہر جگہ غالب

تخلص ہے، اول سے آخر تک مرج البحرین اور شرح سید صادق علیصاحب مین ایک لفظ کا فرق نظر نہین آتا، صرف مرج البحرین کا دیباچہ اور خاتمہ نہین ہے، جا بجا مرج البحرین کے مصنف نے اپنا نام لکھا ہے، مگر اسکی جگہ شرح صادق علی مین صادق علی صاحب کا نام موجود ہے،

شعرا کے کلام مین مصرعون کا اکثر اور شعرون کا کمتر توارد ہوتا ہے، مگر یہ نثر و نظم دونونکا توارد عجیب وغریب ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار،

تلخیص و تبصرے

چین کی موجودہ بیداری

اور

اسکے اسباب،

ہمارے پاس چین کی مصدقہ خبرین حاصل کرنے کے ذرائع موجود نہین، اور وہان کے جوکچھ حالات یورپ کے ذرائع سے معلوم ہوتے ہین، وہ اسلیے قابلِ اطمینان نہین کہ وہ خبرین اپنے خاص مصالح پیش نظر رکھکر پہنچائی جاتی ہین، لیکن اگر کبھی اتفاقاً کوئی چینی اپنے ملک کی داستان خود سنائے تو وہ یقیناً لائق التفات ہے، چنانچہ ابھی حال مین انقلاب چین پر ایک چینی اہل قلم پروفیسر کاؤنہ کا ایک مختصر مقالہ شائع ہوا ہے، پروفیسر کاؤنہ اس وقت نانکنگ یونیورسٹی کے ناظم اعلی یعنی چانسلر ہین، ان کا یہ مقالہ غالباً یورپ کے کسی رسالہ مین شائع ہوا تھا، "الہلال" مصر نے اپنے مارچ کے نمبر مین اس کا خلاصہ درج کیا ہے، ہم اسی خلاصہ کی تلخیص ذیل مین پیش کرتے ہین:-

چین مین غیر ملکیون کے قدم جمانے پر کے واقعات کی وضاحت کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتا ہے

"چینیون کی ہلاکت کا باعث ۱۸۴۲ء کا وہ معاہدہ ہے، جسکے رو سے غیر ملکیون کو چین مین مخصوص امتیازات حاصل ہوئے اور ان امتیازات کی بنا پر چین مین غیر ملکیون نے وہان کے باشندون پر نمایان تفوق حاصل کر لیا، اس معاہدہ کی ایک اہم دفعہ یہ تھی کہ غیر ملکیون کو حق حاصل ہے، کہ وہ چین کے حدود مملکت مین سواحل سمندر پر آباد ہون اور اس مقبوضہ رقبہ پر چینیون کی حکومت کا کوئی

اثر تسلیم نہ کیا جائے گا، بلکہ اس رقبہ مین غیر ملکیون کی اپنی حکومت قائم ہوگی جسمین حکومت کے تمام شعبے مثلاً پولیس، عدالت وغیرہ موجود ہونگے، چنانچہ اسی معاہدہ کے مطابق ساحل پر غیر ملکیون کی حکومت قائم ہوئی جس مین چین کی مرکزی حکومت پیکن کو اس حکومت کے کسی معاملہ مین مداخلت کرنیکا کوئی حق حاصل نہین

علاوہ ازین غیر ملکیون سے اور دوسرے معاہدے بھی ہوئے ہین مثلاً ایک معاہدہ یہ ہے کہ مقبوضات برطانیہ سے جو چائے مملکت چین مین آئیگی، اس پر چائے کی قیمت کے تناسب سے ۵ فیصدی سے زیادہ ٹیکس نہین لگایا جاسکتا، اور دوسری طرف انگریزون کو یہ حق حاصل ہے کہ چین سے جو چائے انگریزی حدود مین بھیجی جائے اس پر جو ٹیکس لگایا جائے وہ چائے کی اصل قیمت سے ۵۰ گنا زیادہ ہوسکتا ہے"

ایک دوسری جگہ مقالہ نگار نے چین کی بیداری کے اسباب بیان کئے ہین جسکا ماحصل یہ ہے کہ چینی طلبہ بہ تعداد کثیر یورپ اور امریکہ کی مختلف یونیورسٹیون مین تحصیل علم کے لیے گئے، انھون نے ملک سے باہر قدم نکال کر ایک نیا عالم دیکھا، اور جدید تہذیب و تمدن اور زمانہ کی موجودہ رفتار دیکھکر ان کے دلون مین اپنے ملک کو ترقی دینے کا ولولہ پیدا ہوا، اور اس طرح غریب الوطنی سے حب الوطنی کے مقدس جذبات لیکر اپنے ملک مین واپس آئے اور پھر اسے ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کے ذرائع پر غور کرنے لگے، جب انھون نے ملک پر گہری نظر ڈالی تو انھین اس کے تنزل کے دو اسباب نظر آئے، ایک ملک مین نظام شاہی کا وجود، دوسرے ملکی زبان کی کم بضاعتی، چنانچہ انھین سب سے پہلے اپنی سرگرم کوششون کے بعد ۱۹۱۲ء مین ملک مین نظام جمہوریت قائم کرنے مین کامیابی ہوئی، اس کے بعد زبان کے مسئلہ پر توجہ کی، قدیم چینی زبان کی کم بضاعتی یہ تھی کہ جو زبان ملک مین رائج تھی اس مین یہ صلاحیت موجود نہ تھی کہ اسے تحریری پیراہن سے آراستہ کیا جاسکے کہ اس زبان کے لیے کوئی طریقۂ کتابت کبھی معرض وجود مین آیا ہی نہین تھا، اور دوسری طرف وہان جو زبان لکھی جاتی تھی جس مین وہان کتابین اور اخبار و رسائل شائع ہوتے تھے وہ عامۃ الناس کی زبان سے بالکل مختلف تھی، دونون زبانون کے تفاوت کو ظاہر کرنے کے لیے

کہا جا سکتا ہے کہ مثلاً آج یورپ کی موجودہ زبانون اور لاطینی مین جو تفاوت ہے وہی تفاوت چین کی ان دونون زبانون مین تھا، اسلیے گویا وہان گفتگو وتکلم کے لیے دوسری زبان تھی اور کتابت کے لیے دوسری، اسلیے جب تک کوئی شخص دونون زبانون سے واقف نہ ہوتا، وہ صرف ایک زبان حاصل کرکے دوسری زبان سے فائدہ نہین اٹھا سکتا تھا، اور علاوہ ازین اس تحریری زبان کی تحصیل اس قدر دشوار تھی کہ کہا جاتا ہے اگر اسکی تحصیل کیجاتی تو کم ازکم پندرہ برس مین انسان پوری طرح سے ماہر ہو سکتا تھا، اسلئے نوجوان چینی اس دشواری کے حل کرنے مین مصروف ہوئے، اور بہت جلد اس مین بھی کامیاب ہوگئے، اس دشوار گذار مرحلہ کو یون طے کیا گیا کہ پکنگ کالج کے پروفیسر ڈاکٹر سوہوہ نے وہان کی عام فہم زبان کو جسمین ملک کے عام باشندے گفتگو کرتے ہین، ضبطِ تحریر مین لانے کے لیے جدید طریقے وضع کیے اور اس طرح وہ زبان، تحریری زبان بنگئی،

جب زبان کا مسئلہ یون حل ہوا تو پھر نوجوانانِ چین نے ملک کو شاہراہِ ترقی پر لانے کی کوشش شروع کی، پہلے انھون نے نشرِ تعلیم کے لیے متعدد انجمنین قائم کین، جنکے زیرِ اہتمام مزدورون اور عام باشندون کو شب کے وقت تعلیم دیجاتی، اس طرح رفتہ رفتہ مزدورون کی بڑی تعداد تعلیم یافتہ ہوگئی، جب ملک مین تعلیم کی عام اشاعت ہوگئی تو نوجوانون نے ملک کو بیدار کرنے کے لیے اخبارات جاری کئے، چنانچہ اسی جدید تحریر مین بیک وقت ۴۰۰ اخبارات جاری ہوگئے، اور یہ تعداد ان اخبارات کے علاوہ ہے جو بیشتر قدیم زبان مین نکلتے تھے، پھر ان اخبارات نے بھی زبان کی جدید اصلاح قبول کرلی، اور وہ سب بھی اسی زبان مین نکلنے لگے، اور اس تغیر سے انکی اشاعت مین بھی کافی اضافہ ہوگیا، چونکہ ملک مین تعلیم کی عام نشر و اشاعت ہوچکی تھی، اسلئے وہان کے مزدور، کاشتکار اور عام باشندون کو اخبارات سے گہری دلچسپی پیدا ہوگئی، بلکہ وہان کے عام طبقہ مین یہ خیال پیدا ہوگیا کہ ملک مین اخبارات کے پڑھنے والون کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیئے، اور اس مقصد کے حصول کے لیے شرکون

پر صندوق لگائے گئے جنمین اخبارات پڑھنے کے بعد ڈالدیئے جاتے ہین، تاکہ غریب اور نادار جنمین اخبارات خریدنے کی استطاعت نہین، ان سے مستفید ہوسکین،

ملک مین اخبارات سے اس گہری دلچسپی سے ارباب حکومت بھی متاثر ہوے، اور ارباب سیاست کی نظرون مین ملک کی رائے عامہ کی وقعت پیدا ہوگئی، اور وہان کی داخلی سیاسیات مین ان اخبارات کی آواز پر توجہ ہونے لگی، اور رائے عامہ اس قدر با وقعت ہوگئی کہ جب ورسائی کانفرنس مین چین کے نمایندے شریک ہوئے تو بعض مسائل کے متعلق وہان کی مختلف انجمنون نے ان نمایندون کو تقریباً سو تار روانہ کئے جس سے متاثر ہوکر وہ نمایندے حکومت پیکن کی ہدایات کے بجائے جمہور کی آواز پر عمل کرنے پر مجبور ہوئے، اسی طرح متعدد مقامات پر فاضل مضمون نگار نے چین کے موجودہ انقلابی حالات، طلبہ کی جانفروشی، غیر ملکیون کے مظالم و استبداد اور ان کے موجودہ رویہ کا سبب چین کے بعض مقتدر جنرلون کی آپس کی نااتفاقی وغیرہ بیان کرکے نوجوانان چین کی ان مساعی کا تذکرہ کیا ہے، جو غیر ملکیون کے امتیازات مٹانے کے سلسلہ مین کر رہے ہین، چنانچہ ایک جگہ فاضل مضمون نگار لکھتا ہے:- اور جب غیر ملکیون سے انسانیت کے نام پر ان امتیازات سے جو انھین حاصل نہین دستبردار ہوجانے کی استدعا کیجاتی ہے تو وہ کہتے ہین چینیون مین قوت فیصلہ کا جوہر موجود نہین، اسلیے جب ان امتیازات سے وست بردار ہونے کے بعد ہمارے مقدمات چین کی عدالتون مین جائینگے تو عدالتون مین قوت فیصلہ کے فقدان سے ہمین نقصانات برداشت کرنا پڑین گے، اسلیے ان امتیازات سے دستکش ہونا کسی طرح ممکن نہین" نوجوانان چین نے اس انوکھے استدلال کے جواب مین ابتداء سے ۱۹۲۳ء تک کے اس قسم کے مقدمات کے اعداد وشمار جمع کئے جن مین متخاصمین چینی اور غیر ملکی تھے، اور جو چین کی عدالت مین پیش ہوئے، اور ان کے فیصلون پر غیر ملکی حکومتون نے بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، چنانچہ ایسے مقدمات کی تعداد ۸۰ء ۵ نکلی،

جن کو غیر ملکیون کے استدلال کے جواب مین پیش کیا گیا،،

سب سے آخر مین چین کے موجودہ دور ترقی کو دکھاتے ہوئے لکھتا ہے "اب چین یورپ کے نقش قدم پر چلکر بسرعت ترقی کرنا چاہتا ہے، اسلیے لوگ یورپین تہذیب و معاشرت کو قبول کر رہے ہین اور نیز اپنی تمام صنعت و حرفت، تجارت اور تعلیم کو یورپ کے نمونہ پر چلانا چاہتے ہین، چنانچہ اس وقت وہان روئی کے ۳۷ کارخانے خاص چینیون کے ہین، ۱۹ جاپانیون کے، اور ۵ انگریزون کے ہین، اسی طرح وہان کے تقریباً سو سے زیادہ شہرون مین بجلی کی روشنی ہوتی ہے، اور ایسی بارہ کمپنیان قائم ہین، جو ۷۵ فیصدی کے تناسب سے چین کے کانون سے کوئلہ نکالتی ہین" "م"

طرابلس الشام کے کتبخانہ کی بربادی

اور

عیسائیون کی مذہبی "رواداری" کا ایک مزید ثبوت

کتبخانہ اسکندریہ کی نظیر!

آٹھوین صدی مین مصر مین ایک مورخ ابن الفرات گذرا ہے اسکی ایک کتاب نو ضخیم جلدون مین "تاریخ الدول والملوک" ہے، اس وقت اس تاریخ کا ایک مکمل نسخہ وائنا کے کتبخانہ مین موجود ہے، وہان سے ابھی حال مین اسکی ایک نقل فوٹو کے ذریعہ مصر مین کتبخانہ تیموریہ قاہرہ کے لیے آئی ہے، تاریخ کی عام متداول کتابون مین مذکور ہے کہ ۵۰۳ھ مین جب افریقیہ مین بنو اغمار حکمران تھے، طرابلس پر عیسائیون نے حملہ کرکے قبضہ کر لیا، اور وہان کے مسلمانون پر ناقابل بیان مظالم ڈھائے، طرابلس الشام مین بنو اغمار کے علم دوست حکمرانون کے زیر نگرانی ایک عظیم الشان کتبخانہ قائم تھا، جسکا تذکرہ ۵۰۳ھ سے پیشتر تک کے زمانہ کے حوادث و واقعات تاریخ کی عام کتابون مین موجود ہین، ابن الفرات (۷۳۵ھ، ۸۰۷ھ) نے طرابلس الشام پر عیسائیون کے اسی حملہ کے ذیل مین اس کتب خانہ کا تذکرہ کیا ہے کیونکہ تاریخ کی متعدد معتبر کتابون

کے حوالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی حملہ مین مہذب عیسائیون کے "مقدس" راہبون کے ہاتھون، وحشی مسلمانون کا یہ نایاب کتبخانہ جلکر صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہوگیا، مصر کے مجلہ "الزہراء" نے اپنے صفر کے پرچہ مین تاریخ ابن فرات سے اس ٹکڑے کو نقل کیا ہے، جسکا خلاصہ ذیل مین پیش کیا جاتا ہے،

ابن الفرات، یحیی بن ابی طی الغسانی الحلبی کی تاریخ "معادن الذہب فی تاریخ الملوک والخلفاء و ذوی الرتب" کے حوالہ سے نقل کرتا ہے، کہ یحیی غسانی لکھتا ہے کہ "طرابلس کے عظیم الشان کتبخانہ کے متعلق مجھ سے میرے والد فرماتے تھے کہ مجھ سے طرابلس کے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ "مین فخر الملک ابن عمار والی طرابلس کے ساتھ شیزر مین مقیم تھا کہ وہان عیسائیون کے ہاتھ مین طرابلس کے چلے جانیکی اطلاع ملی اس واقعہ نے والی طرابلس کے ہوش وحواس کھو دیئے جب وہ ہوش مین آیا تو وہ رورو کر مجھ سے کہنے لگا، واللہ! اس سانحہ سے جس قدر کتبخانہ کی بربادی کا افسوس ہے، اس سے زیادہ کسی اور چیز کا نہین اس کتبخانہ مین ایک لاکھ تین ہزار کتابین تھین، یہ تمام ذخیرہ کتب علم دین، قرآن وحدیث اور ادب پر مشتمل تھا جس مین سے پچاس ہزار قرآن کے نسخے اور بیس ہزار تفسیرین تھین، اس کے بعد والد فرماتے ہین، یہ کتب خانہ عجائب عالم مین تھا، بنی عمار اس سے خاص دلچسپی رکھتے تھے، اس مین ایک سو اسی ۱۸۰ ملازمین صرف کتابت کے لیے مقرر تھے، جنمین سے تیس ملازمین شب و روز کے کسی حصہ مین بھی کتبخانہ سے علیحدہ نہین ہوتے تھے، مختلف اطراف ملک مین اس کتب خانہ کی طرف سے ایسے اشخاص متعین تھے جو نایاب کتابین خرید کر بھیجتے رہتے تھے، اسلیے بنی عمار کے زمانہ مین طرابلس دار العلم کی حیثیت رکھتا تھا، جہان اطراف عالم سے علم دوست اصحاب آتے رہتے تھے، جب طرابلس پر فرنگیون کا قبضہ ہوا تو انھون نے اس نایاب کتبخانہ کو جلا کر خاکستر کر دیا، جلانے کا یہ واقعہ یون پیش آیا کہ چند راہب کتبخانہ مین داخل ہوئے یہ عجب اتفاق کہ وہ اسی کمرے مین پہلے گئے، جسمین صرف قرآن پاک کے نسخے تھے، انھون نے ہات بڑھاکر ایک جلد اٹھائی، وہ قرآن پاک تھا، دوسری اٹھائی، وہ بھی اسی طرح، پھر تیسرا نسخہ اٹھایا یہانتک کہ اسی طرح

بیس جلدین یکے بعد دیگرے دیکھی گئین اور انھین قرآن پاک ملتا گیا، اس پر وہ بول اٹھے "اس گھر مین مسلمانون کا صرف قرآن ہی قرآن ہے، سب کو جلا ڈالو" (تاریخ ابن الفرات ج ۱ ص ۳۸، ۳۹ فی حوادث ۵۵۵ھ)

یہ ہے مسلمانون کے اس عظیم الشان نایاب کتب خانہ کی بربادی کی داستان! کیا یورپ کے انصاف پسند اہل قلم اسکندریہ کے کتب خانہ کے نام نہاد واقعہ کو اب بھی فراموش نہ کرینگے؟

"ل"

جہاد شام کا قائد اعظم،

فواد بک سلیم،

گذشتہ مہینہ مین جہاد شام کے سپہ سالار فواد بک سلیم کی شہادت کی اطلاع آ چکی ہے، پھر شہادت کے تفصیلات بھی اخبارات مین آئے، لیکن ہندوستان مین ابتک اسکے سوانح حیات پر پردہ پڑا ہوا ہے، اسلیے الزہرا اور المنار مصر سے اخذ کر کے اسکی زندگی کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے؛-

فواد ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) مین لبنان کے ایک گاؤن "جباع" مین پیدا ہوئے، نشو ونما دروزیون مین ہوئی تعلیم یکن کالج بیروت مین پائی، اور امتحان مین شاندار کامیابی حاصل کی، عربی، انگریزی اور ریاضیات مین خاص مہارت پیدا کی، فراغت کے بعد "عباسیہ کالج" مین علوم ریاضیہ کے پروفیسر مقرر ہوئے،

۱۹۱۶ء مین فواد کی زندگی مین دوسرا باب کا آغاز ہوتا ہے، اسی سال شریف حسین نے استقلال عرب کا اعلان کیا، شام کے وہ نوجوان عرب جو قومیت کے نشہ مین سرشار تھے اور قدیم عربی جاہ وجلال کا ہمیشہ خواب دیکھا کرتے تھے، انھون نے فوراً اس اعلان پر لبیک کہا، ان مین یہ فواد سلیم بھی تھا، لیکن موجودہ تہذیب وتمدن کے فیوض وبرکات کے ذریعہ عربی جاہ وجلال کی تجدید کرنے کے بجائے اسکی تمام امیدین بادیہ نشینون کی بدویت سے وابستہ تھین، اسلیے وہ انھین بادیہ نشین قبائل کو بیدار کرنا چاہتا تھا، چنانچہ حصول مقصد کے لیے بادیہ مین نکل گیا، اور تمام صعوبتین برداشت کر کے بدوؤن مین پہنچا اور مجد عربی کی تجدید کا دعظ سنایا، اس نے اپنے کو بدویون سے زیادہ مانوس کرنے کے لیے اپنی وضع قطع لباس اور تمام عادات واطوار مین بدوی بنالیا، اور نیز بدوی بننے کے لیے بدویت کی ضروری معلومات یعنی قبائل عرب کے

حالات سے عام واقفیت، علم الانساب اور قیافہ شناسی وغیرہ کی تحصیل کی،

فواد کا یہ سفر چھ مہینوں تک مختلف قبائل عرب مین جاری رہا، پھر اپنے خاص مقاصد پیش نظر رکھ کر امیر فیصل کے پاس پہنچا اور ملک وملت اور مجد عربی کی حفاظت کے لیے یہ علوم ریاضیہ کا پروفیسر معمولی سپاہیون کا لباس پہنکر عام سپاہیون کی صف مین داخل ہوگیا، پھر متعدد جنگون مین اس کے کارہائے نمایان انجام پائے جنھون نے اسے سپاہیون کے ایک دستہ کی افسری کا عہدہ دلادیا، اس کے بعد یومًا فیومًا دستون مین ترقی ہوتی گئی، یہانتک کہ ایک دن امیر فیصل کی اس بڑی فوج کا سپہ سالار تھا جو دمشق مین فاتحانہ داخل ہوئی تھی،

سنہ ۱۹۲۰ء سے اس کی زندگی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے، اور اسی پر اس کی زندگی کا خاتمہ ہوا، یعنی جب دول حلفائے عرب کی سیاست مین نیا پہلو اختیار کیا، اور سنہ ۱۹۲۰ء مین فرانسیسیون کی فوج جابرانہ طریقے سے دمشق مین داخل ہوگئی تو فواد نے آزادیٔ شام کو خطرہ مین دیکھ کر صاف الفاظ مین اعلان کیا کہ "اجنبیون کو ہم پر حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہین اور ہم شام کو آزاد کرکے رہین گے" اسی بنا پر شرق اردن کی حکومت مین داخل ہوا اور امیر عبداللہ کی فوج تیار کی کہ دفعۃً وہ مکہ معظمہ جلاوطن کردیا گیا، ہاشمیون سے مایوس ہوکر وہ مصر چلا گیا اور اپنے مقصد کی تبلیغ مین مصروف ہوگیا، وہ مصر ہی مین تھا کہ جبل دروز کی جنگ شروع ہوگئی، اور حکومت کی روک تھام کے باوجود چھپکر یہ مصر سے جبل دروز پہنچ گیا، فوج کی قیادت اپنے ہاتھ مین لے لی، اور پھر اپنے کارنامون سے دنیا کو متحیر کردیا، لیکن افسوس کہ اپنی کوششون کے نتائج سے پیشتر ہی لیلائے عرب کا یہ مجنون فرانسیسی گولہ کے چند اتفاقی چھینٹون سے ہمیشہ کے لیے سرد ہوگیا،

"ر"

اخبار علمیّہ

دنیا مین سب سے بڑی خوردبین، مسٹر لاک مائی نے ایک ایسی خوردبین ایجاد کی ہے جس سے ایک جسم مرئی ۲۰۰۰ سے ۵۰۰۰ درجہ تک بڑہ سکتا ہے، اگر اس خوردبین کے نیچے آدمی کا ایک بال رکھا جائے تو دیکھنے مین تار (برقی) کا کھمبا معلوم ہوگا، اس خوردبین کا وزن ۲ ٹن ہے،



وزن کی کمی سے عمر کی درازی، ایک ڈاکٹر اپنی ایک نئی تصنیف مین یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ:- اگر کوئی ادھیڑ یا بوڑھا آدمی کسی متوسط عمر کے آدمی سے وزن مین دس یا پندرہ رطل (ایک رطل یعنی پونڈ مساوی آدھ سیر) کم ہو تو وہ ادھیڑ اور بوڑھے دونون متوسط عمر والے سے زیادہ عمر پائین گے، اور اسی طرح ان دونون کی صحت اس شخص سے تمام عمر بہت اچھی رہیگی، شاید اس نظریہ سے انسان آخر عمر مین "بوڑھاپے کی حرص" کے باوجود لذیذ غذاؤن سے دستکش ہو جائے، کہ لذت بخش غذاؤن سے عمر کی درازی زیادہ محبوب ہو گی،



شعاعِ آفتاب پر انسان کا کامل تصرف، آفتاب کی شعاع اور اسکی حرارت ان تمام قوتون مثل ہوا، پانی، کوئلہ، پٹرول، نباتات اور حیوانات کی اصل ہے، جنکی سطح ارض پر ہمین بڑی ضرورتین پڑتی ہین، لیکن اس کے باوجود شعاع آفتاب پر انسان کو ابتک کامل تصرف حاصل نہ ہو سکا، مگر اب ماہرین کا خیال ہے کہ وہ حرارتِ آفتاب اور اسکی شعاع کو بھی بہت جلد کسی نہ کسی دن اپنے قبضہ مین کر لینگے، اور بہت ممکن ہے کہ ان ماہرین مین پہلی کامیابی ڈاکٹر ہاتز کو حاصل ہو، کیونکہ انھون نے ابھی حال مین ایک

ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس پر آفتاب کی شعاع یا کسی دوسری شعاع کے ڈالنے سے اس مین سے موسیقی کے نغمے نکلنے شروع ہوتے ہین،

ٹیلیفون کے ذریعہ تصویرین، ٹیلیفون کے ذریعہ فوٹو لینے مین اب غیر معمولی کامیابی ہورہی ہے، چنانچہ ابھی حال مین واشنگٹن مین دو ایسی ریل گاڑیون کی تصویرین لیگئی ہین جو پندرہ گھنٹہ کی مسافت یعنی ... اکلومیٹر کے فاصلہ پر تھین، خیال کیا جاتا ہے کہ اب تک ٹیلیفون کے ذریعہ جتنی تصویرین لیگئی ہین ان مین ان دونون گاڑیون کی تصویرین سب سے زیادہ بہتر اتری ہین،

فارس کی ایک قدیم توپ، جب بغداد مین انگریز ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۱ مارچ ۱۹۱۷ء کو سب سے پہلے داخل ہوئے تو وہان انھین منجملہ دیگر اشیاء کے فارس کی بنی ہوئی ایک توپ بھی ہاتھ لگی تھی جو ۱۰۵۹ھ مین بنائی گئی تھی، جنرل ماڈ نے یہ توپ شاہ انگلستان کے پاس بھیج دی، جسے شاہ نے ایک فوجی میدان مین نصب کرنے کا حکم دیدیا،

یہ توپ تانبے کی بنی ہوئی ہے، اس کا وزن ۵ ٹن بتایا جاتا ہے اس پر قرآن مجید کی آیت "نصر من اللہ و فتح قریب" کا ترجمہ فارسی زبان مین کندہ ہے

یہ عجیب تاریخی اتفاق ہے کہ ترکون کے دشمنون کی توپ پھر ان کے دشمنون ہی کے پاس پہنچ جاتی ہے، شاہ ظافر نے یہ توپ خاص اسی مقصد کے لیے بنوائی تھی کہ ترکون کے ملک مین پہنچکر اس کے دہانے سے ایسے شرارے بلند کئے جائین جو ترکون کے ملکی آثار اور یادگارون کو جلا کر تباہ و برباد کردین جیسے اژدہے کے منہ کے سامنے تمام چیزین برباد ہوجاتی ہین، غرض حق بحق دار رسید،

مختلف غذاؤن کی تاثیر، ایک انگریز ماہر ڈاکٹر نے مختلف غذاؤن کی مختلف تاثیرون پر غور وفکر کر کے ذیل کا اعلان شائع کیا ہے،

اس کا خیال ہے کہ: بیل کے گوشت سے انسان مین طاقت اور شجاعت پیدا ہوتی ہے، گائے کے گوشت کو برابر کھانے سے انسان کی قوت کو نقصان پہنچتا ہے، دودھ اور انڈے انسان کی خیال آرائیون مین معاون ہوتے ہین، اور خصوصاً انکی وجہ سے ذہن مین عورتون کے متعلق زیادہ خیالات آتے ہین، گھی کھانے سے آدمی کا مزاج سوداوی ہوجاتا ہے، اور سیب علمی اور عقلی کام کرنے والون کے لیے بہت مفید ہوتا ہے،

دنیا مین الماس کا خرچ، اب تک ایک سال مین تمام دنیا مین ۲۰۰۰۰۰۰۰ گنی کی قیمت کا الماس خرچ ہوتا ہے، اب کہا جاتا ہے کہ جنوبی افریقہ کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ دنیا مین الماس کے سالانہ خرچ مین اضافہ کر دے، لیکن دوسری طرف بعض لوگ بعض ایسے نئے چشمون کے اکتشاف مین مصروف ہین، جو بحیرہ ٹام خانیکا کے گرد پائے جاتے ہین، لوگون کا خیال ہے کہ یہ چشمے اس قدر وسیع ہین کہ اپنی وسعت مین جنوبی افریقہ کے کانون پر تفوق حاصل کرلین،

ایک مصری طالب علم کی اختراع، توفیق عوام مصری نے ایک ایسے ہوائی جہاز کا خاکہ تیار کیا ہے جس مین دو بازوؤن کے بجائے صرف ایک بازو سے کام لیا جائے گا، وہ آج کل مصری وزارت سے اس اختراع کو عملی جامہ پہنانے پر گفتگو کر رہے ہین، امید کیجاتی ہے کہ اس پر مصری وزارت عنقریب کوئی عملی اقدام کریگی،

"ض"

ادبیات

"زن یا نیمۂ دیگر"

از پروفیسر اکبر منیر

مہر از حصار گنبد پیروزہ سر زند
مرغ جہان پیر ز سر بال و پر زند

نقاش روزگار درین دفتر کہن
بس نقش دلربا رقم از خط زر زند

ہر قطرۂ شبنمے کہ بکوہ و چمن درست
از آب حسن طعنہ بہ لعل و گہر زند

ہر ذرہ خاک شد ید بیضای موسوی
صد بزم طور سر ز سر ہر شجر زند

اے مہربان مدار محبت! رخم نمائے
کین مہر در غیاب رخت نیشتر زند

چون آفتاب صبح بیا از پس حجاب،
واز زردی عشق پاک جوان بر فگن نقاب

خورشید خاوران بره باختر شود
دامان چرخ پیر پر از سیم و زر شود

پر میکنند جام فلک از مے شفق
تا خوردہ چشم طفلک اختر تر شود

یک نغمۂ خموش ببارد ز آسمان
موج سکوت کشمکش بحر و بر شود

تنہا ستم چو خامشی بزم کائنات
ترسم خموش نغمہ خون در جگر شود

ہان اے ستارۂ تابان زندگی!
زان پیشتر کہ دل زرہ دیدہ در شود

چون اختران شام ز رخ پردہ برفگن
واز حسن آتشین بدلم آتشے بزن

ماہ دو ہفت شب زپس کوہسار شد | فرش زمین چو چرخ برین پرنگار شد
پہنائے کوہ و دشت زانوار سیگون | بزم بتان چینی نسرین عذار شد
دریائے نور موج زند در فضائی دہر | دشت و چمن پر از دُرِ آبدار شد
مہتاب و موجِ آبِ روان و سکوتِ شب | فردوس جاودان طرف کوہسار شد
اے ماہ آسمان محبت: بیا بیا | کز جامِ شوق مستم و صبر و قرار شد

شرمندہ کن زحسن رخت ماہتاب را
سیراب کن زعشق نہال شباب را

پہنائے آسمان بگرفت ابر بہمنی | آبستن است دہر زگلہائے رُستنی
شب در کشید محفل گیتی بچادرش | پردختہ ماند بزم سراسر زروشنی
خون جوش میزند زسرد و خموش شب | دارد غم تو عزم شبیخون و رہزنی
لرزد دلم بسینہ زشوق وصال تو | چون برگ گل زنم نم باران بہمنی
شب تار و کلبۂ من بیچارہ بے چراغ | اے مہ بود کہ نور جمالت پراگنی

باران بہمنی صفت آ در کنار من
اے آذر من، بہمن من، نوبہار من

نوروز سر زد از دل تیرہ مردۂ زمین | برگشت باغ و راغ زگلہائے فرودین
موج نسیم صبح وہد مژدۂ حیات | خواند بہ بزم سنبل و سوری و یاسمین
در کوہ آبشار بخواند چو باربد، | در باغ جویبار زند چنگ رامتین
از حسن آب و سبزۂ و گلہای رنگ رنگ | خون جوش میزند بدل عاشق حزین
اے نوبہار زندگی و بوستان عشق! | اے حور عین و ماہ مبین و غزال چین!

چون لالہ ہای کوہ وچمن سرزخواب زن

آتش بجانِ من زرخِ بے نقاب زن

شمعِ ستارہ ماہ منور نمے شود	نورِ قمر چو پرتو خادرنمی شود
پرہست باغِ دہر زگلہائے رنگ رنگ	ہرگل و لے چو لالۂ احمر نمی شود
خیل پیمبران ہمہ بودند آدمی	ہرآدمی ولیک پیمبر نمی شود
آرے زن است نیمۂ دیگر ز ہر مرد	ہر زن ولیک نیمۂ دیگر نمی شود
آن شے کہ خاکیان ہمہ خوانند در عشق	درمانش مہرخواہر و مادر نمی شود

عشق تو درگرفتہ بروح وروان من

باغِ من و بہارِ من و باغبانِ من

اے مہ! از خاک رفتی و برآسمان شدی؟	اے اخترم! با انجمن کہکشان شدی؟
شے بر فلک بناز بُدی در کنار من	امروز بر ترین زکنارم چسان شدی؟
پردختہ شد فضای جہان از سرود عشق	اے مرغکِ فلک! بکدام آشیان شدی؟
در بوستان بروی کشیدی نقاب گل	یا در لباس نغمہ بجوے روان شدی؟
ایران شدہ است مسکن تو یا بلاد ترک	یا در دیار ہند زچشم نہان شدی؟

باز آ کہ جان بلب شدہ در انتظار تو

سبز است باغِ من بامید بہار تو

المامون

باب التقریظ والانتقاد

کتاب الوسیلہ" لابن تیمیۃ الحرانی"

مترجمہ مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی

مسرت ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کی تصنیفات ملک مین پھیلتی جاتی ہین اور لوگون کو ان کے خیالات سے واقفیت اور دلچسپی ہوتی جاتی ہے، چنانچہ لاہور مین اسی مقصد کی تکمیل کے لیے کہ علامہ موصوف کی تمام ضروری تصنیفات کو اردو مین منتقل کیا جائے، ایک انجمن "الہلال بک ایجنسی" کے نام سے قائم ہوئی ہے جو کئی سال سے علامہ موصوف کی کتابون کا ترجمہ شائع کر رہی ہے، اور قصد رکھتی ہے کہ امام موصوف کی تمام متداول کتابین اردو مین منتقل کر دے، چنانچہ اسی سلسلہ مین سب سے آخر مرتبہ ان کی نہایت معرکۃ الآرا کتاب "القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ" کا ترجمہ "کتاب الوسیلۃ" کے نام سے شائع ہوا ہے، جس مین نہ صرف لفظ "وسیلہ" پر بحث کیگئی ہے بلکہ بنیاد اسلام یعنی توحید، شفاعت، زیارت قبور، اور قبر پرستی وغیرہ پر نہایت شرح وبسط سے گفتگو کرکے ان تمام مباحث مین کتاب وسنت اور ائمہ کے اقوال کے ذریعہ شریعت اسلام کے مسلک کو واضح کیا گیا ہے، عام ازین کہ عامۃ الناس کا عمل اس کے مطابق ہو یا خلاف، تمام مباحث کو ایک تمہید اور پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، تمہید مین ذیل کے مباحث ہین:-

پہلے اتباع شریعت کو ضروری قرار دے کر بتایا گیا ہے کہ یہی اتباع نجات کا "وسیلہ" ہے، اور شریعت نے اسی وسیلہ کی طلب کا حکم آیت "ابتغوا الیہ الوسیلۃ" مین دیا ہے، پھر شفاعت نبوی پر بحث، اور آپ کے لیے "مقام محمود" ثابت کرکے آپ کی شفاعت سے کفار ومنافقین کا مستفید نہ ہونا ثابت کیا گیا ہے، اسی سلسلہ

مین" کفار کی مغفرت کی دعا" "رسول اللہ صلعم اور انکی والدہ" "آپ کے والد" آپکے رشتہ دار" بغیر ایمان و عمل آپ کا کام نہ آنا" بغیر حکم خدا شفاعت کا نہ ہونا" "اللہ و رسول نے کس شفاعت کی تردید کی" "قبرونکی ناواجب تعظیم اور بت پرستی کی بنیاد" "قبون کا توڑنا اور قبرون کا برابر کرنا" وغیرہ پر نہایت تفصیل سے بحث کیگئی ہے، پھر پہلا باب شروع ہوتا ہے، اس مین پہلے "توسل" کے معنی بیان کئے گئے ہین، پھر "توحید" "شرک" "شرک قریش" "فرشتون کی پرستش" "قبرون، قبون اور تصویرون سے تخاطب کرنا" "قبرون سے دعا" مردون اور غیر موجود سے دعا کی ممانعت پر اجماع کا ہونا" "صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ کے عمل سے اُس پر استشہاد" وغیرہ پر نہایت تحقیق سے بحث کیگئی ہے، پھر دوسرا باب ہے اس مین پہلے "وسیلہ کے معنی صحابہ تابعین ومن بعدہم کے نزدیک، ائمہ اربعہ کے نزدیک" کیا ہین. پھر "وسیلہ" کے متعلق بعض غیر مستند اور جھوٹی روایتون کی نہایت عالمانہ و محدثانہ حیثیت سے تنقید کرکے انکی تردید کیگئی ہے، یہی وہ حدیثین ہین جنھین ارباب بدع اپنا ناقابل شکست استدلال تصور کرتے ہین، لیکن امام موصوف نے ان تمام حدیثون کی حقیقت نمایان کردی، پھر تیسرا باب ہے اس مین "وسیلہ" کی متعدد قسمون پر مختلف حیثیت سے بحث کیگئی ہے، اور "توحید، شرک" "توحید و رسالت کا فرق مراتب" اور دعا، و شفاعت وغیرہ پر گفتگو کیگئی ہے، اور اس کے بعد چوتھے اور پانچوین باب مین ایک استفتا، کا جواب ہے جو کسی زمانہ مین مصر مین امام موصوف سے دریافت کیا گیا تھا، امام موصوف نے اس جواب کو بھی کتاب کے آخر مین منسلک کر دیا ہے، استفتا مین انبیاے کرام علیہم السّلام کو وسیلہ بنانے اور ان سے شفاعت چاہنے کی جائز و ناجائز صورتون کو پوچھا گیا ہے، اس کے جواب مین وہی مسائل ہین جو اوپر کے ابواب مین گذر چکے ہین، لیکن اس جواب مین ان مباحث پر دوسرے طرز سے گفتگو کی ہے، جس سے ایک نیا لطف آنے کے ساتھ گذشتہ مباحث کا پورا خاکہ ذہن مین کھچ جاتا ہے، کتاب مین جناب مترجم نے جابجا ضروری مقامات پر تعلیقات (نوٹ) بھی لکھے ہین، نیز کتاب کی ابتدا مین ایک نہایت

مؤثر مقدمہ لکھا ہے جسمین اسلام کا صحیح نقشہ پیش کر کے مسلمانون کو راہ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کیگئی ہے، اور اسی کے ساتھ ارباب بدع کو انکی گمراہیان پوری طرح کھول کر سمجھائی ہین، یہ مقدمہ اپنی جگہ اس قابل ہے کہ مستقل رسالہ کی صورت مین مسلمانون مین بہ تعداد کثیر تقسیم کیا جائے، کتاب ۲۷۴ صفحے پر ختم ہوئی ہے، لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ چکنا ولایتی ہے، قیمت عہ پتہ :- الہلال بک ایجنسی نمبر ۲۷ شیرانوالہ دروازہ لاہور،

"م"

یادگار انیس،

مؤلفہ

مولوی امیر احمد صاحب علوی بی اے،

اردو زبان مین اگرچہ تصنیف وتالیف کا ذوق برابر ترقی کرتا جاتا ہے، لیکن یہ ترقی اردو شاعری کی ترقی سے کچھ زیادہ ممتاز نظر نہین آتی، اردو شاعری مین اگر خال وخط اور زلف وکمر کے پارینہ خیالات کا بار بار اعادہ کیا جارہا ہے، تو اردو زبان کی تصانیف ومضامین مین بھی کوئی جدت، تنوع اور بوقلمونی نہین پیدا کیجاتی، مثلاً شعرائے اردو مین میر انیس کی ذات اور انکی شاعری ایک مبسوط کتاب کی محتاج تھی، اور اس ضرورت کو متعدد انشا پردازون نے پورا کر دیا تھا، اس کے بعد اس موضوع پر اب کسی کتاب کی ضرورت نہ تھی، اور اگر ضرورت تھی تو اس موضوع پر ایسی کتاب کی جسمین پہلی تصنیفات پر کچھ اضافہ ہوتا یا جدت ہوتی، لیکن بانیہمہ مولوی امیر احمد صاحب علوی بی اے نے خود اپنے الفاظ مین کلیات انیس ہی کے گلزار سے چنین، گلہائے شگفتہ احسن کے لالہ زار سے توڑے، پتیان ثابت کے سدا بہار سے لین، بندش شبلی کے مرغزار سے اڑائی، اور ایک جدید کتاب مرتب کی جسکا نام یادگار انیس ہے،

انھون نے اس کتاب مین سب سے پہلے مرثیہ گوئی کی تاریخ لکھی ہے، جس کے تین دور کئے ہین اور ہر دور کی مرثیہ گوئی کے نمونے درج کئے ہین، اخیر دور کی انتہا میر انیس اور مرزا دبیر کی ذات پر ہوئی ہے،

اور اسی سلسلے مین انھون نے میر انیس اور میرزا دبیر کا موازنہ بھی کیا ہے، اگرچہ وہ بذاتِ خود میر انیس کو ترجیح دیتے ہین، لیکن باینہمہ دلیری کے ساتھ اس کے اظہار کی جرأت نہین کی ہے، بلکہ دونون بزرگون کے متحد المعنی اشعار جمع کر دیئے ہین، اور ترجیح کا فیصلہ ناظرین کے ذوقِ سلیم پر چھوڑا ہے،

اس کے بعد میر انیس کے سوانح شروع ہوئے ہین اور وفات تک مسلسل واقعات لکھتے چلے گئے ہین، پھر میر انیس کی شاعری پر ریویو شروع کیا ہے اور اسی پر کتاب کا خاتمہ ہوگیا ہے، لیکن کتاب کی یہ ترتیب ہمارے نزدیک پسندیدہ نہین ہے، اوغون نے اس معاملے مین مولانا شبلی کی نقل کی ہے، لیکن وہ یہ بھول گئے ہین کہ مولانا شبلی نے میر انیس کے سوانح نہین لکھے اسلئے انھون نے مرثیہ گوئی کی ابتدائی تاریخ کا سلسلہ جہان میر انیس تک پہنچایا ہے وہین سے ان کی شاعری پر ریویو شروع کر دیا ہے اور آخر مین موازنہ کیا ہے، لیکن یادگارِ انیس کے مصنف نے مقدمہ کی ترتیب تو بالکل مولانا شبلی کے طرز پر دی، بلکہ انھین کے مضامین کو غیر ضروری طوالت کے ساتھ الٹ پلٹ کر اپنے الفاظ مین ادا کر دیا لیکن انھون نے غلطی یہ کی کہ موازنہ کی بحث کو جزوِ مقدمہ کر دیا، حالانکہ ترتیبِ کتاب کی بہترین صورت یہ تھی کہ پہلے میر انیس کے سوانح درج کئے جاتے، پھر مرثیہ گوئی کی تاریخ شروع کیجاتی، اس کے بعد میر انیس کے محاسن و معائب دکھا کر مرزا دبیر کے ساتھ ان کا موازنہ کیا جاتا، میر انیس کی شاعری پر جو ریویو کیا ہے اوسکی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہین کہ وہ مصوری اور واقعہ نگاری بہت اچھی کر سکتے ہین جسقدر اشعار مثالاً نقل کئے ہین، وہ سب کے سب اسی کی شرح و تفسیر ہین، مولانا شبلی نے جو اشعار دوسرے عنوانات کی مثالون مین درج کئے تھے، وہ بھی اسی سلسلہ مین لیلئے ہین، حالانکہ ضرورت یہ تھی کہ آج تک میر انیس کی شاعری کی جن جن حیثیتون سے ریویو ہو چکا ہے، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حیثیات و عنوانات کا اضافہ کیا جاتا، اور اگر ناقص کو مکمل نہین کیا جاسکتا تھا تو کم از کم کامل کو ناقص تو نہ بنایا جاتا،

جا بجا اس قسم کی ترکیبین آگئی ہین جن سے دو جملون مین معنوی حیثیت سے توازن قائم نہین رہ سکا ہے

مثلاً "حسرت ومصیبت کی کہانی عیش وشادمانی کی داستان سے زیادہ باثر اور آنسوؤن کے تار گجرے کی لڑیون سے زیادہ دلکش ہین"، کیونکہ اس موقع پر آنسوؤن کے تار کی دلکشی موزون نہین،

وہ جابجا سلسلۂ بیان مین بعض مصرعے اور بعض مصرعون کے ٹکڑے لاتے ہین، لیکن اگر اس کے ساتھ عبارت کی تسلسل وروانی مین کوئی اضافہ ہوجاتا، یا کم از کم اس مین کوئی خلل نہ پڑتا تو بے شبہہ یہ ایک حسن تھا، لیکن اس قسم کے موقعون پر ہم کو ان کی عبارتون کے تسلسل مین خلل نظر آتا ہے، مثلاً "شیخ سعدی کا مرثیہ ملک مستعصم کے زوال پر اس قابل ہے کہ "آسمان خون بیارد بر زمین"۔ کیونکہ اگر اس موقع پر یہ پورا مصرع نقل کیاجاتا تو عبارت کے لہجہ کا توازن مکمل ہوتا، یا مثلاً "کیا یک خورشید نے رخ سے نقاب اٹھائی، ہر گردون پر رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا" میر خلیق کے بلند اقبال صاحبزادے الخ ان مین ہر جملہ کسی حرف ربط کا محتاج ہے،

کتاب کی ضخامت ۱۹۲ صفحہ اور قیمت ۶؍ ہے اور انوار المطابع لکھنؤ سے مل سکتی ہے،

"ع"

جمعیۃ العلماء کلکتہ کا خطبۂ صدارت

یہ خطبہ جس مین عالم اسلام کے ہر قسم کے مسائل پر غائر نظر ڈالی گئی ہے اور علماء کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے اور ہندوستان مین مسلمانون کے حقوق وفرائض سے بحث کیگئی ہے، نہایت اہم ہے، اکثر شایقین اس کا تقاضا کر رہے ہین، اسلیے ان کو اطلاع دیجاتی ہے کہ دفتر مین اس خطبہ کے تھوڑے سے نسخے باقی ہین، جو اصحاب چاہین بقیمت منگوا سکتے ہین،

قیمت ۸؍ ضخامت ۴۴ صفحے،

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

تاریخ اندور، مرہٹون کے "پیشوا" بالاجی راؤ نے اپنے ایک جانباز فوجی افسر ملہر راؤ ہولکر کو علاقہ خاندیس مین چند روز کی جاگیر عطا کی، جو رفتہ رفتہ ایک وسیع علاقہ مین پھیل گئی، اور اس علاقہ پر ملہر راؤ اور اس کے جانشین مرہٹون کی مرکزی حکومت کی خدمات بجالانے کے ساتھ ساتھ نہایت حسن وخوبی سے حکومت کرتے رہے یہانتک کہ ۶ جنوری ۱۸۱۸ء کے معاہدہ کے روسے یہ وسیع علاقہ کمپنی کے تصرف مین آکر ایک محدود ریاست بنگیا' جو آج ریاست اندور کے نام سے صرف پانچ اضلاع پر مشتمل ہے، کسی صاحب قلم نے "خافی خان" کے فرضی نام سے منسوب ہوکر اسی ریاست کی تاریخ لکھی ہے جو اس وقت زیر تبصرہ ہے، کتاب مین جاگیر کے عطا کئے جانے سے لیکر ۱۹۲۶ء تک کے حالات ہین، ابتدا مین چند فرمانرواؤن کے عہد حکومت پر تفصیلی بحث کیگئی ہے، پھر چند والیان ریاست کے عہد کے سرسری حالات ہین اور آخر مین اندور کے مشہور مہاراجہ توکوجی راؤ معزول والی ریاست کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہین لیکن اس دور کے لکھنے مین وہ "مورخانہ شان" قائم نہین، حجم ۸۰ صفحے چھپائی اچھی اور لکھائی و کاغذ معمولی ہے قیمت ۱۲ر پتہ جناب ذکی احمد صاحب علوی ایجنسی ہاؤس نسیبح چھاؤنی سنٹرل انڈیا،

سیرۃ امام ابن تیمیۃ اردو مین امام تیمیہ کے حالات سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے الندوہ مین لکھے' جناب چودھری غلام رسول صاحب، مہر بی اے چیف اڈیٹر اخبار زمیندار نے اوسی مضمون کو بنیاد قرار دیکر اور دوسرے ماخذون سے استفادہ کرکے ایک مختصر رسالہ مین امام ابن تیمیہ کے سوانح حیات اور ان کے علمی کارنامون پر تبصرہ کیا ہے، رسالہ مین سات ابواب ہین، پہلا باب "ولادت اور تعلیم و تربیت وغیرہ" دوسرا "تحریک تجدید اور ابتدائی مصیبتین" تیسرا "جہاد بالسیف" چوتھا "قیام مصر اور دور ابتلاء" پانچوان "قیام دمشق قید اور وفات" چھٹا

عام اخلاق اور تصنیفات" اور ساتوان باب حضرت امام (ابن تیمیہ) اور بعد کا دور" پر مشتمل ہے، حجم ۲۶ صفحے، لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ چکنا ولایتی ہے، قیمت ۹ر پتہ:- الہلال بک ایجنسی نمبر ۲ شیرانوالہ دروازہ لاہور،

مسائل حج، حج کا زمانہ قریب ہے، اسی تقریب سے جناب مولوی ابو محمد عبد اللہ صاحب نے "مسائل حج" کے نام سے ایک رسالہ مرتب کر کے شائع کیا ہے جسکی ابتدا مین مولانا ابو عبید احمد اللہ صاحب مرحوم کا ۲۴ صفحون کا ایک رسالہ ہے جس مین حج کے تمام مسائل عام فہم زبان مین بیان کئے گئے ہین، نیز مدینہ منورہ کی زیارت کے متعلق ہدایات بھی درج ہین، اس کے بعد جناب مؤلف نے "فضائل حج" کے ذیل مین حج کے فضائل بتانے والے سنن و آثار یکجا کئے ہین، پھر حج کے سفر کے آداب و طریقے بتائے ہین، اور سب سے آخر مین مؤلف نے "لسان العرب" کے نام سے ایک رسالہ منسلک کر دیا ہے، جسمین ایسے الفاظ اور جملے ہین جو روزانہ کی گفتگو مین آتے رہتے ہین، تاکہ انھین حجاج حفظ کر کے سرزمین عرب مین اپنا مافی الضمیر ادا کر سکین، اور "لسان العرب" کی ترتیب مین یہ خاص خوبی بھی ہے کہ وہ حج کے لیے بطور "گائیڈ" کام آسکتی ہے، رسالہ مین جابجا مختلف مقامات کے نقشے بھی منسلک ہین، امید ہے کہ یہ رسالہ حجاج کے لیے نہایت کارآمد ثابت ہوگا حجم ۹۵ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ محض معمولی ہے، اور اس تناسب سے اسکی قیمت عمہ زیادہ رکھی گئی ہے، پتہ:- ایم عبد اللہ غلام رسول اینڈ کمپنی امرتسر (پنجاب)

طوفان نوح، مولوی سید ارادت کریم صاحب حسنی حسینی بہاری نے اس رسالہ مین یہ دکھایا ہے کہ قومون کی تباہی ان کے اخلاقی فساد سے ہوتی ہے کہ اخلاقی فساد غضب الٰہی کا موجب ہے، اور قومی تباہی اسی غضب الٰہی کا دوسرا نام ہے، اسی مناسبت سے مصنف نے رسالہ کا نام طوفان نوح تجویز کیا ہے، اسی ضمن مین یہ بھی بتایا ہے کہ ہر روحانی گناہ سے کیا کیا مادی بلائین اور وبائین غضب الٰہی کی صورت مین نازل ہوتی ہین، پتہ:- شیخپورہ بڑا کوٹھا ضلع مونگیر، قیمت ۱۲ر

احیاء المیت فی فضائل اہل البیت جلال الدین سیوطی کے عربی رسالہ کا اردو ترجمہ مولوی

سید اولاد حسین صاحب شاعر و اعظ دربار رامپور نے کیا ہے، اس مین حافظ سیوطی نے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل کتب حدیث سے لکھے ہین اچھا ہوتا اگر شروع مین حافظ موصوف کے حالات کے ساتھ رسالہ کے حالات بھی لکھے جاتے کہ یہ رسالہ اگر مطبوعہ ہے تو کہان چھپا ہے، اور اگر قلمی ہو تو کہان سے ہاتھ آیا ہ؟ حافظ سیوطی عموماً ہر رسالہ کے آغاز مین کچھ نہ کچھ دیباچہ لکھتے ہین، مگر اس رسالہ سے وہ حصہ حذف کر دیا گیا ہے' یہ مناسب نہ تھا، پتہ :- سید ابن الحسین بذریعہ ملاظریف رامپور اسٹیٹ، قیمت ۴، مع محصول،

تہجد کی مناجات، جناب ابو الاثر حفیظ صاحب جالندھری نے خواجہ حسن نظامی صاحب کی فرمائش سے یہ مختصر مناجات، مثنوی کی ایک دلآویز چھوٹی سی بحر مین لکھی ہو اس مین تہجد کا ذوق و شوق، اور اس وقت کا فطری سامان کھینچا گیا ہے، اس لحاظ سے یہ مثنوی کیفیت رکھتی ہے، لیکن شاعری کے اصول سے یہ بہت کچھ مورد اعتراض بن سکتی ہے، بعض بعض شعرون مین تو سرے سے قافیہ ہی کے اصول کو نظر انداز کر دیا ہے مثلاً

سب نے وضو کیا ہے	پاکیزہ دل کیا ہے
کچھ کہہ رہے ہین اس سے	کچھ سن رہے ہین اس سے
مرقوم ہو رہی ہین	مقبول ہو رہی ہین

پتہ :- حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی، قیمت ۲ر

اولاد کے کان مین کہنے کی باتین، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے چھوٹے بچون کو سبق دینے کے لیے اپنے چند نصیحت آمیز تجربے یکجا کیے ہین، اور انھین "اولاد کے کان مین کہنے کی باتین" کے نام سے چھوٹی تقطیع کے ۹۲ صفحون پر شایع کیا ہے، لکھائی چھپائی بچون کے پڑھنے کے لائق ہے، قیمت ۸ر

پتہ :- حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی،

"ل"

مجلد ہفدہم	ماہ شوال المکرم سنہ ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۲۶ء	عدد پنجم

مضامین

شذرات

جناب نواب نصراللہ خان بہادر مرحوم کی وفات کے بعد ریاست بھوپال کی ولیعہدی کے مسئلہ نے سخت پیچیدہ صورت اختیار کرلی تھی، اور اس پیرانہ سالی مین دو جوانہ مرگ فرزندون کی وفات کے جانگداز صدمہ کیساتھ یہ مسئلہ بھی سرکار عالیہ والیہ ریاست بھوپال کے اضطراب و پریشانی کا مزید سبب بنگیا تھا، اور چونکہ سرکار عالیہ کی علمی و مذہبی فیاضیون سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ معمور ہو رہا ہے، اسلیے قدرتی طور پر مسلمانون کو بھی اس خلفشار مین ان کے ساتھ دلی ہمدردی تھی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایک مدت کی جد و جہد اور ثبات و استقامت سے معاملہ کا تصفیہ سرکار عالیہ کی خواہش بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بالکل اصول شریعت کے مطابق ہوگیا اور نواب حمیداللہ خان بہادر ان کے جائز جانشین قرار دیئے گیے اور اب وہ لندن سے فائز المرام ہوکر عازم ہندوستان ہوگئے ہین،

مسئلہ ولیعہدی کے طے ہو جانے کے بعد سرکار عالیہ نواب حمیداللہ خان بہادر بالقابہ کے حق مین نظم و نسق حکومت سے بھی دست بردار ہوگئین اور اب نواب حمیداللہ خان بہادر ساحل ہندوستان پر ریاست بھوپال کے مستقل فرمانروا کی حیثیت سے قدم رکھین گے جس کیلئے ہم ان کی خدمت مین اپنی دلی مبارکباد پیش کرتے ہین، اور دعا کرتے ہین کہ ان کا عہد حکومت اُن تمام توقعات کے ساتھ جو ان کی ذات سے بجا طور پر پیدا ہوتی ہین، طویل اور کامیاب ہو، اور ان کے سر پر سرکار عالیہ کا سایہ نہ صرف بحیثیت ایک شفیق مان کے بلکہ بحیثیت ایک سیاسی رہنما کے بھی تا دیر قائم رہے،

یہ توقعات کیا ہین ؟ ان کے بار بار دہرانے کی ضرورت نہین، بھوپال کی قدیم تاریخ جو ہر قسم کی مذہبی، علمی اور سیاسی ترقیون اور فیاضیون کا مجموعہ ہے ہر شخص کے سامنے ہے، اور سرکار عالیہ کی ذات بابرکات نے ان کو اور بھی زیادہ وسیع و نمایان کر دیا ہے، اب نواب حمید اللہ خان بہادر جیسے قابل و تعلیم یافتہ فرمانروا کے عہد مین یقین ہے کہ زمانہ بار بار اس تاریخ کا اعادہ کرتا رہے گا،

این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد

اردو زبان کو علمی زبان بنانے کیلئے دوسری زبانون کے علوم و فنون کے ترجمہ کا جو کام ملک مین ہو رہا ہے، اوس کے علاوہ مسلمانون مین، اصلاحی، قومی، تاریخی، اور مذہبی معلومات و خیالات کی اشاعت کے لیے ہندوستان کی دوسری زبانون مین خود اردو کی مستند کتابون کے ترجمہ کی ضرورت ہے، اور ہم کو مسرت ہے کہ اب اس ضروری کام کی بھی ابتدا ہو چکی ہے، اور اس سے زیادہ مسرت یہ ہے کہ ندوہ کے فارغ التحصیل طلبا نے اس ضرورت کی تکمیل مین حصہ لیا ہے،

مولوی عبدالرحمن رنگونی جو ندوہ کے تعلیم یافتہ ہین، ندوہ سے نکلنے کے بعد ہی رنگون مین قومی و اصلاحی کامون مین مصروف ہو گئے تھے، اس کے بعد مولوی ابو ظفر ندوی نے بھی چند سال رنگون مین بسر کیے اور ان کی وجہ سے ان کامون کو اور بھی زیادہ ترقی ہوئی، چنانچہ ان کی تحریک سے مولانا شبلی مرحوم کے رسالۂ آغاز اسلام کا ترجمہ برمی زبان مین ہوا اور اب انجمن تبلیغ الاسلام رنگون نے اسکو چھاپ کر شایع کر دیا ہے، مولانائے مرحوم کی یہ پہلی تصنیف ہے جسکا ترجمہ برمی زبان مین چھپ کر شائع ہوا ہے، اس کے علاوہ سیرۃ النعمان کا خلاصہ بھی برمی زبان مین ہو گیا ہے، اور الفاروق کا ترجمہ بھی ہو رہا ہے،

لیکن مولوی عبدالرحمن ندوی کے خط سے یہ معلوم کرکے افسوس اور افسوس کے ساتھ تعجب بھی ہوا کہ رنگون جیسے دولتمند شہر مین آغاز اسلام جیسے مختصر رسالہ کی طبع و اشاعت مین دقت پیش آئی، امراءاور و سارنے تو باوجود کوشش کے اسکی اشاعت کی طرف توجہ نہین کی، لیکن انجمن تبلیغ الاسلام نے اسکو چھاپ کر شائع کیا جس کے لیے وہ مستحق شکریہ ہے،

مسلمانون کا دولتمند طبقہ قومی کامون مین جو فیاضانہ حصہ لے رہا ہے، وہ ہمارے لئے موجب مسرت ہی، لیکن ہم کو اس کے کہنے مین تامل نہین ہے کہ یہ فیاضیان زیادہ تر اونھی کامون سے تعلق رکھتی ہین جنھین نام ونمود کی زیادہ توقع ہوتی ہی باقی خاموش کام ان کی فیاضی سے بہت کم متمتع ہوتے ہین اور اس قسم کے علمی و اصلاحی کامون مین چونکہ شہرت بہت کم ہوتی ہے، اسلئے وہ ہمارے امراء کی امداد سے محروم رہتے ہین، لیکن اگر ہمارے امراء حقیقی طور پر قوم کی خدمت کرنا چاہتے ہین تو ان کو شہرت سے زیادہ کام کی نوعیت و اہمیت کا لحاظ رکھنا چاہیئے، علمی کام گو بہت زیادہ غلغلہ انگیز نہین ہوتے، لیکن قوم کا دماغی انقلاب جو ہر قسم کی ترقیون کا پیش خیمہ ہے، صرف علمی خیالات کی اشاعت سے ہو سکتا ہے،

لڑکیون کو حق وراثت دلانے کی جو تجویز ندوۃ العلماء کے جلسۂ انبالہ مین منظور ہوئی تھی اس کے متعلق فروری کے معارف مین یہ مژدہ سنایا گیا تھا کہ کچھی میمن برادری کے آدھے آدمیون نے قانون اسلامی کو قبول کرلیا ہے اور باقی آدھے آدمیون مین بھی کام ہو رہا ہے، لیکن جن لوگون نے اس قانون کو قبول کرلیا ہے ان کا طرز عمل کیا ہے؟ اس کے متعلق روزنامہ خلافت مین ایک مضمون شائع ہوا ہے، جسکا یہ اقتباس نہایت افسوس کے ساتھ پڑھا جائے گا،

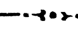
واحسرتا علی العباد گندم نما جو فروشون کا کیا علاج ہے جو ایک طرف وصیت نامہ کے فارم پر دستخط کرکے اسلامی قانون وراثت پر چلنے کا عہد کرتے ہین، دنیا کے طعن و تشنیع سے جوش مین آکر دستخط کردیتے ہین مگر دوسری طرف اپنے گھر مین اپنی جائداد لڑکون کے نام منتقل کردیتے ہین اور مرنے سے پہلے ہی حقیقی ورثار کی محرومی کا سامان کردیتے ہیز



اصل یہ ہے کہ صرف طنز و تشنیع یا فوری جوش سے مدتون کی آبائی رسم ورواج کا قلع قمع نہین ہوسکتا، میمن قوم کے متعلق اس سے پہلے بھی اس سے زیادہ سخت طنز آمیز الفاظ استعمال کئے گئے ہین، چنانچہ بمبئی ہائیکورٹ کے ایک انگریز جج نے اپنے ایک فیصلہ مین لکھا تھا کہ

کچھی میمن زندہ رہتے ہین تب تک مسلمان رہتے ہین مرنے پر ہندو بن جاتے ہین کیونکہ ان کا ورثہ ہندو دھرم شاستر کے موافق تقسیم ہوتا ہے،

مروجہ طریقون پر عام انجمنون، اور مسلمانون کے بڑے بڑے اجتماعی جلسون مین اسکے متعلق تجویزین بھی پیش کیجا سکتی ہین، بہ کثرت رسالے بھی شائع کئے جاسکتے ہین، لیکن جبتک خود اس قوم کے اندر ایسے متعدد مصلحین نہ پیدا ہوجائین جو شب و روز اسی کام مین مصروف رہین، اور بہ کثرت اشخاص کو آمادہ کرکے عملی نمونے قائم نہ کرائین یہ تمام کوششین بے سود رہین گی، ایک مدت کا بگڑا ہوا انتظام ایک مدت ہی کے بعد پھر از سر نو قائم ہوسکتا ہے،



اس شرعی حکم کی علانیہ خلاف ورزی کے ساتھ ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس کا اثر مسلمانون کے تحفظ جائداد پر کیا پڑتا ہے؟ یہ مسلم ہے کہ مرد بہت زیادہ آزاد ہوتے ہین، اور مسلمانون کی جائدادین زیادہ تر انھی کے ہاتھون تلف ہوتی ہین، کچھی میمن برادری مین اس ہندوانہ رسم

کی وجہ سے تمام جائداد صرف لڑکون کو ملتی ہے، اور ان کے متعلق پونہ کے ایک مصلح سیٹھ لکھتے ہین، کہ

لڑکے وغیرہ وارث بنتے ہین مگر اکثر عیاشی، قمار بازی، سٹہ، گھوڑ دوڑ مین دولت برباد کردیتے ہین،

اگر یہ سچ ہے تو علمار کے ساتھ قوم کے دنیا دار طبقہ کو بھی اس رسم کے مٹانے کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیئے،

مدارس اسلامیہ کی تنظیم و اصلاح کی ضرورت، اگرچہ تمام ہندوستان مین ہے، لیکن بنگال وآسام مین یہ ضرورت سب سے زیادہ ہے، ان صوبون مین مسلمانون کی آبادی اور صوبون سے بہت زیادہ ہے، مدارس بھی بکثرت موجود ہین، اور طلبار کی ایک بہت بڑی تعداد اسلامی علوم وفنون کی تحصیل مین مصروف ہے، لیکن ان مین موجودہ ضروریات و حالات کے مطابق کوئی ایسا دل و دماغ نہین پیدا ہوتا جس پر ان صوبون کو فخر حاصل ہو،

خدا کا شکر ہے کہ خود اہل بنگال کو اس تعلیمی ابتری کا احساس ہوگیا ہے، اور انھون نے تنظیم و اصلاح کی ضرورت کو محسوس کرلیا ہے، چنانچہ گذشتہ ماہ مارچ کے وسط مین جمعیۃ علمائے ہند کا جو سالانہ اجلاس کلکتہ مین ہوا اس کے سلسلے مین بصدارت مولانا محمد ادریس صاحب علمائے بنگال وآسام کے ڈلیگیٹون کا ایک جلسہ بتاریخ ۱۴ر مارچ ایک جامعہ اسلامیہ کے قائم کرنے کے لیے منعقد ہوا اور ابتدائی کامون کے انجام دینے کے لیے ایک کمیٹی قائم ہوئی، ۱۵ر مارچ کو جمعیۃ علما کے بنگال کی مجلس منتظمہ کے سامنے جلسہ مذکور کی قرار داد پیش ہوئی، چونکہ جمعیۃ نے خود ۱۵ر اگست ۱۹۲۵ء مین ایک جلسہ مین جامعہ کے قیام اور جملہ مدارس اسلامیہ

کی تنظیم کے لیے، ایک کمیٹی قائم کی تھی، اسلیے اس نے اس اجتماع کی قرارداد کو پیش نظر رکھکر ابتدائی انتظامی امور کے انجام دینے کے لیے اس کمیٹی مین مزید ممبرون کو شامل کریا،

حال مین اس کمیٹی کے چند ارکین نے جامعہ کے متعلق چند اساسی اصول وضوابط کا خاکہ تیار کرکے جملہ ممبران کمیٹی و دیگر اہل الرائے کی خدمت مین پیش کیا ہے، اور ۵ رمئی ۱۹۲۶ء تک اُن سے رائین طلب کی ہین، اور ان رایون کے آنے کے بعد ۹ رمئی ۱۹۲۶ء کو کلکتہ مین ایک جلسہ منعقد ہوگا جس مین سب کمیٹی کے تمام ارکان سے اس خاکہ کی منظوری حاصل کیجائیگی،

اس خاکہ مین تعلیم کی مدت سولہ سال رکھی گئی ہے، اور چار درجے (دنیا، وسطی، علیا، تکمیل و خطاب) قائم کئے گیے ہین جو موجودہ زمانہ مین جن علوم وفنون کی ضرورت ہے سب پر حاوی ہین، درجہ وسطی مین انگریزی، فارسی، سنسکرت اور پالی زبانون مین سے کسی ایک زبان کا اختیار کرنا طلبہ کے لیے لازمی ہوگا، اور علوم وفنون مین ادب، حساب، تاریخ، جغرافیہ، ابتدائی منطق، حکمت جدیدہ، فقہ، ابتدائی عقائد، ابتدائی حدیث، کلام اللہ با ترجمہ، تحریر، تقریر، ورزش، نقاشی کی تعلیم ہوگی، اور بعض پیشے بھی سکھائے جائینگے مثلاً سینا، بنتا، طب، دباغی وغیرہ اور اس طرح ایسے علمار پیدا ہوسکین گے جو اپنے کسب معاش مین قوم کی اعانت کے محتاج نہ ہونگے،

درجہ علیا مین بھی اختیاری زبانین تدریجی ترقی کے ساتھ جاری رہین گی، اور علوم وفنون مین قرآن با ترجمہ، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام جدید، ادب، تاریخ، منطق وحکمت جدید علم الاقتصاد کی تعلیم دیجائیگی، درجہ تکمیل وخطاب مین حسب ذیل علوم وفنون مین سے صرف ایک فنون کی تکمیل کرنی ہوگی

(۱) حدیث وتفسیر (۲) فقہ و اصول فقہ و کلام،

(۴) ادب عربی، فارسی، اردو، بنگلہ، انگریزی، سنسکرت، پالی مین سے کسی ایک زبان کی تکمیل

(۵) عیسائی مذہب کی کتابون کا مطالعہ،

(۶) ہندو " "

(۷) بدھ " " (۸) تاریخ،

ہمارے نزدیک اگرچہ مدت تعلیم زیادہ ہے، تاہم اگر بنگالی طلبار نے صبر و استقلال کے ساتھ اس مدت کو پورا کر لیا تو یقین ہے کہ وہ قوم کی تمام مذہبی و اصلاحی ضروریات کو پورا کر سکین گے،

ہندوستان مین اس وقت جو علمی کام ہو رہے ہین وہ زیادہ تر صرف ترجمہ و تصنیف تک محدود ہین، لیکن یورپ اور دوسرے ممالک اسلامیہ مین ان دونون کامون کے ساتھ ایک اہم علمی خدمت یہ بھی خیال کیجاتی ہے کہ قدیم اور نایاب کتابین جو اب تک غیر مطبوع ہین ان کے متعدد نسخے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر منگائے جائین، اور ان کی تصحیح و مطابقت کیجائے، اس کے بعد ان کو طبع کر کے شایع کیا جائے،

ہندوستان اب تک اس حیثیت سے اور تمام ممالک سے بہت پیچھے ہے، صرف دائرۃ المعارف حیدرآباد ایک ایسا علمی مرکز ہے، جو اس خدمت کو نہایت مستعدی کے ساتھ انجام دے رہا ہے، اسلیے اسکی حوصلہ افزائی ہر اہل علم کا فرض ہے،

دائرۃ المعارف کی اس علمی خدمت کا ذکر معارف مین بار بار آتا رہتا ہے، حال مین اس نے امام رازی کی مشہور کتاب مباحث مشرقیہ کو اڈٹ کر کے شائع کیا ہے جسکی قیمت ؏ ہے، اور سنن بیہقی کی تصحیح ہو رہی ہے، اور اس غرض سے اس کے متعدد نسخے تلاش کیے جا رہے ہین، اب تک صرف دو نسخے فراہم ہو سکے ہین، لیکن مزید نسخون کی ضرورت ہے، اسلیے اگر کوئی صاحب اسکا قلمی نسخہ

عنایت فرمائین گے تو طباعت کے بعد ان کی خدمت مین سنن بیہقی کا ایک نسخہ ہدیۃً روانہ کیا جائیگا، ہم کو امید ہے کہ اہل علم اس طرف اپنی توجہ مبذول فرمائین گے،

اس سلسلہ مین ہم کو ایک اور بات یاد آگئی، کتابون کی طبع و اشاعت سے الگ، اس وقت اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہین کہ ہندوستان مین کسقدر علمی ذخیرہ موجود ہے، تو ہمارے پاس اس کا کوئی ذریعہ نہین، بعض مشہور کتب خانون کی فہرستین بے شبہہ شائع ہو چکی ہین، لیکن ان کے علاوہ ہندوستان مین اور بھی بہ کثرت چھوٹے چھوٹے پرائیوٹ کتب خانے موجود ہین جنین بعض نہایت نادر قلمی کتابین موجود ہین، لیکن افسوس ہے کہ ہم ان سے ناواقف ہین، کیونکہ ان سے واقفیت حاصل کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہین،

غالباً محمدن ایجوکیشنل کانفرنس نے اس غرض سے ایک شخص کا تقرر کرنا چاہا تھا جو ملک مین دورہ کرکے اس قسم کے تمام پرائیوٹ کتب خانون کی فہرست مرتب کرے، لیکن اس سے زیادہ اسکی آسان صورت یہ ہے کہ جن لوگون کے پاس اس قسم کے کتب خانے موجود ہون وہ خود انکی فہرست مرتب کرکے شائع کر دین، ممکن ہے کہ بعض لوگ اپنے مختصر کتب خانون کو اس قابل نہ سمجھتے ہون لیکن دنیا کی بہترین کتابین صرف ایک الماری مین آسکتی ہین، اگر ان لوگون کے پاس زیادہ کتابین نہین ہین تو اس سے ان کے کتب خانے کی قدر وقیمت مین کوئی فرق نہین آتا، شاید انھی کے مختصر کتبخانون مین اس الماری کی کوئی کتاب موجود ہو، اسلئے ان کو ادسکی فہرست کے شائع کرنے مین دریغ نہین کرنا چاہیئے،

مقالات

مہندسین اسلام

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

اسلام مین سادہ طور پر تعمیرات کا آغاز عہد رسالت ہی سے ہوگیا تھا اور خلفائے راشدین کے زمانے تک عمارتون سے گذر کر متعدد شہر آباد کئے جاچکے تھے اس کے بعد بنو امیہ کا دور شروع ہوا، اور اموی خلفار مین ولید بن عبد الملک نے عمارات کے تعمیر کرنے مین خاص طور پر شہرت حاصل کی لیکن اس زمانے تک ہم کو مسلمان انجینیرون کا بالکل پتہ نہین چلتا، صحابہ کرام کے زمانے تک تو عمارات مین نہایت سادگی ملحوظ رہی، ولید نے بے شبہہ اس قسم کی عظیم الشان عمارتین تعمیر کرائین جو فن انجنیری کا بہترین نمونہ تھین، لیکن اس زمانے تک ہندسہ و ریاضی کی کتابون کا جنسے فن انجنیری کو تعلق ہے ترجمہ نہین ہوا تھا، اسلیے اس زمانے مین بھی کوئی مسلمان انجنیر پیدا نہین ہوا اور ولید کو اس معاملہ مین رومیون سے مدد لینی پڑی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کی عمارتین رومی یا ایرانی طرز پر تعمیر ہوئین، لیکن بعد کو یہ دونون طرز تعمیر مخلوط ہوگئے، اور ان کی ترکیب و اختلاط سے ایک جدید عربی طرز تعمیر پیدا ہوا، جس نے چوتھی صدی اور اس کے بعد کی صدیون مین بہت زیادہ ترقی کی اور سیکڑون مسلمان انجنیر پیدا ہو گئے، لیکن تاریخ اسلام کی یہ افسوسناک کمی ہے کہ ہم کو فقہار، حکمار، اطبار، اور شعرا، وغیرہ کے حالات مین تو سیکڑون کتابین مل سکتی ہین

مگر اس قسم کے علمی لوگون کے حالات نہین مل سکتے، دورجدید کا ایک روشنخیال مضمون نگار بالکل سچ لکھتا ہے :-

"علم عقود الابنیہ مین جس سے عمارتون کے اوضاع کی حالت، نہرون کے نکالنے بندون کے باندھنے، اور مکانون کی ترتیب وتنظیم کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اس ملک (شام، حلب، دمشق وغیرہ) مین عرب انجنیرون نے نہایت کمال پیدا کیا تھا، اور اگر وہ تھوڑی سی قوت سے بڑی بڑی وزن دار چیزون کے اٹھانے کے لیے آلات جرثقیل کے ایجاد کرنے مین مہارت نہ حاصل کرتے، تو شہرون قلعون، مکانون، مسجدون اور مدرسون کی تعمیر کی وہ قدرت نہ حاصل کر سکتے جنکا بچا کھچا حصہ بھی ہم کو مبہوت کر رہا ہے، تذکرہ نویسون نے شعراء اور زہاد کے حالات کے جمع کرنے کی طرف جس قدر توجہ کی ہے اگر اسی قدر توجہ انجنیرون اور ریاضی دانون کے حالات کی طرف کی ہوتی تو ہم کو ان کے طرز فن اور علم کے متعلق بہت سی چیزین معلوم ہوتین، لیکن حلب و دمشق کی تمدنی صدیون مین ہم کو دس مسلمان انجنیرون سے زیادہ کے حالات معلوم نہ ہو سکے اور اکثر کے حالات ضائع ہوگئے، ان مین بعض وہ لوگ بھی ہین، جنکے نام ہم شام کے شہرون کے بعض مدارس پر کھدے ہوے پاتے ہین[1]"

افسوس ہے کہ فاضل مضمون نگار کو جن دس مسلمان انجنیرون کے حالات معلوم ہو سکے، اوس نے اونکے نام نہین بتائے لیکن اسقدر یقینی شہادتون سے ثابت ہے کہ اسلامی تمدن کے زمانۂ شباب مین تعمیرات کا کام بالکل فن انجنیری کے مطابق ہوتا تھا، اور اس معاملہ مین سیکڑون انجنیرون اور ریاضی دانون سے مدد لیجاتی تھی، چنانچہ یعقوبی کتاب البلدان مین لکھتا ہے،

[1] المجمع العلمی العربی صفحہ ۱۱۳،

اس کے بعد ابو جعفر منصور نے انجنیرون تعمیرات، مساحت، اور تقسیم اراضی کے عالمون کے لیے آدمی بھیجے، اسکے بعد اس شہر کی بنیاد ڈالی جو مدینۃ ابو جعفر کے نام سے مشہور ہے، اور معمار، مزدور، بڑھئی، لوہار، اور کھودنے والونکو بلایا اور ہر شہر مین فرمان بھیجا کہ ہر وہ شخص بھیجا جائے جو کچھ بھی تعمیرات کا علم رکھتا ہے، چنانچہ اس کے پاس ایک لاکھ آدمی مختلف کامون اور پیشون کے جمع ہو گئے[1]

دوسرے موقع پر ایک نہر کے متعلق لکھتا ہے،

"ایسے اصول انجنیری کے مطابق بنائی گئی کہ کسی وقت اس کا پانی خشک نہ ہو[2]"

ایک اور موقع پر لکھتا ہے،

اور معتصم نے ہر شہر سے ایسے اشخاص بلوائے جو کوئی پیشہ کرتے ہون یا تعمیر، زراعت، باغبانی، پانی کی انجنیری، اوس کے وزن، اوسکے نکالنے اور زمین مین اوسکے مواقع کا علم رکھتے ہون[3]"

اگرچہ ان مجمل عبارتون سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ اسلامی تعمیرات مین جن انجنیرون سے کام لیا جاتا تھا وہ کس مذہب یا کس قوم سے تعلق رکھتے تھے، اسلام سے پہلے ایرانیون اور رومیون نے اس فن مین بہت زیادہ ترقی کی تھی، اسی بنا پر سلطنت امویہ مین صرف انھین سے کام لیا جاتا تھا، اسلام کا غیر متعصب تمدن اس زمانہ مین بھی ان سے بے نیاز نہ رہا ہوگا، خود اسی کتاب مین ایک پن چکی کے متعلق لکھا ہے،

هندسها بطريق قدم عليه من ملك الروم[4] اسکی انجنیری ایک پادری نے کی تھی جو اس کے پاس شاہ روم کے یہان سے آیا تھا،

---

[1] کتاب البلدان صفحہ ۲۳۸، [2] ۔۔ صفحہ ۲۵۰، [3] ۔۔ ۲۶۴ [4] ۔۔ ۲۴۳

تاہم اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ ان مین مسلمان انجنیرون کی ایک جماعت بھی شامل تھی، جنکے نام اس کتاب کے مختلف موقعون پر آئے ہین، چنانچہ ایک موقع پر بغداد کی گلیون کے متعلق لکھا ہے کہ

عبداللہ بن محرز، حجاج بن یوسف، عمران بن وضاح اور شہاب بن کثیر نے نوبخت اور ابراہیم بن محمد الفزاری اور طبری منجمین اصحاب حساب کے سامنے انکی انجنیری کی تھی۔[1]

ایک اور موقع پر لکھا ہے، کہ

متوکل نے ایک ایسا شہر بنانا چاہا جسکی طرف وہ منتقل ہوجائے اور وہ اسکی طرف منسوب ہو اور اسکی وجہ سے اسکو شہرت حاصل ہو چنانچہ محمد بن موسی نجم کو اور ان انجنیرون کو جو اس کے یہان موجود تھے حکم دیا کہ ایک جگہ کا انتخاب کرین۔[2]

لیکن افسوس ہے کہ باوجود تلاش وجستجو کے ہم کو ان انجنیرون کے حالات معلوم نہ ہوسکے، حجاج بن یوسف کے متعلق اخبار الحکماء مین ایک ضمنی موقع پر صرف اس قدر لکھا ہے کہ اقلیدس النجار نے جو کتاب اصول ہندسہ مین لکھی تھی حجاج بن یوسف بن مطر الکوفی نے اس کا ترجمہ کیا تھا[3] اور محمد بن موسی نجم سے غالباً موسی بن شاکر کا سب سے بڑا لڑکا محمد بن موسی مراد ہے جو اسلام مین بہت بڑا ریاضی دان گذرا ہے، البتہ ان کے علاوہ ہم کو بعض دوسرے انجنیرون کے حالات ملتے ہین، جنمین سب سے زیادہ مشہور ابن ہثیم ہے جو بصرہ کا رہنے والا تھا، اور ابتدا مین وزارت کے معزز عہدے پر فائز تھا، لیکن علم وحکمت کے شوق کے وجہ سے ان مشاغل سے علحدگی اختیار کرنا چاہتا تھا، اسلیے فتور عقل کا اظہار کیا، یہان تک کہ ایک مدت کے بعد اس عہدے سے الگ کیا گیا، اس کے بعد اس نے مصر کا سفر کیا اور جامع ازہر مین اقامت اختیار کی، معاش کا ذریعہ یہ تھا کہ

---

[1] کتاب البلدان صفحہ ۲۴۱ [2] ” ۲۶۶ [3] اخبار الحکماء صفحہ ۴۶،

ہر سال اقلیدس اور مجسطی کے نسخے لکھتا تھا اور ان کو فروخت کرکے گذر اوقات کرتا تھا، لیکن علامہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکماء مین لکھا ہے کہ حاکم صاحب مصر نے جو حکمت کی طرف میلان رکھتا تھا، اوس کا اور اس کے اس کمال کا حال سنا تو اوسکی زیارت کا مشتاق ہوا اس کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ ابن ہثیم کا خیال ہے کہ اگر وہ مصر مین ہوتا تو دریائے نیل کے متعلق ایک ایسا کام کر دیتا کہ زیادتی اور کمی دونون حالتون مین اس سے فائدہ اٹھایا جاتا تو اس کا شوق اور بڑھا اور اس نے مخفی طور پر اس کے پاس کچھ مال بھیجا اور اس کو حاضر دربار ہونے کی ترغیب دی، چنانچہ وہ مصر کی طرف روانہ ہوا، اور جب وہان پہنچا تو حاکم نے اس کا استقبال کیا اور نہایت عزت کے ساتھ اس کو اپنا مہمان بنایا، جب سفر کی تکان دور ہوگئی تو دریائے نیل کے متعلق اس نے جو وعدہ کیا تھا حاکم نے اس کے ایفاء کا مطالبہ کیا اور وہ کاریگرون کی ایک جماعت کے ساتھ اس کام کے لیے روانہ ہوا، لیکن تمام ملک مین دورہ کرنے سے اوسکو گذشتہ قومون کی تعمیری یادگارون مین انجینیری کے جو عجیب وغریب کارنامے نظر آئے اوس نے اُس کو یقین دلادیا کہ جو اسکیم اس نے بنائی تھی اسکی تکمیل ناممکن ہے، اگر یہ ممکن ہوتا تو گذشتہ قومین اس پر عمل کر چکی ہوتین، اس لیے اسکی ہمت ٹوٹ گئی، جس بلند مقام سے نیل کا پانی گرتا ہے، اس نے اس کا معائنہ کیا اور دونون جانب سے اسکی جانچ پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ اس کا مقصد پورا نہین ہو سکتا، اب وہ ناکام اور نادم ہوکر واپس آیا اور حاکم سے معذرت چاہی جس کو اس نے قبول کرلیا، اس کے بعد حاکم نے اوسکو بعض دفترون مین ملازم رکھ لیا، جسکو اس نے صرف خوف سے قبول کیا، لیکن چونکہ حاکم سخت متلون المزاج اور سفاک وظالم تھا اور بلا سبب لوگون کو قتل کر دیا کرتا تھا اسلیے ابن ہثیم نے اس تعلق سے آزادی حاصل کرنا چاہی اور جنون و دحشت کا اظہار کیا اور حاکم کے زمانہ وفات تک اسی حالت مین رہا، لیکن حاکم کی وفات کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور اپنے گھر سے نکل کر جامع ازہر کے دروازے کے قبہ مین اقامت گزین ہوگیا اور

---

[1] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۹۰

زاہدانہ زندگی بسر کرنا شروع کی اور تصنیف و تالیف مین مشغول ہوگیا اور اسی حالت مین سنہ ۴۳۰ھ کے حدود یا اس کے کچھ دنون بعد وفات پائی،[۱]

ابن ہثیم نے ریاضی اور ہندسہ کے متعلق جو کتابین لکھی تھین اُن مین ایک کتاب فن تعمیر کے متعلق بھی تھی،[۲] تعمیرات کے علاوہ ہندسہ اور ریاضی سے اور بہت سے عملی کام لیے جا سکتے ہین اور مسلمان ریاضی دانون مین بھی متعدد لوگون کے نام ملتے ہین جنھون نے اپنی ریاضی دانی سے اس قسم کے عملی کام کئے مثلاً ابو الفضل محمد بن عبد الکریم جو ہندسہ دانی مین کمال پیدا کرنے کی وجہ سے مہندس کے لقب سے مشہور تھا، ابتدا مین نجاری اور سنگتراشی کا پیشہ کرتا تھا، اور انھین پیشون کی تکمیل کے لیے اس نے اقلیدس کی تعلیم حاصل کی تھی، خود اس کے ایک دوست کا بیان ہے کہ وہ اس زمانے مین مسجد خاتون مین کام کرتا تھا، اور ہر صبح کو جب وہان پہنچتا تھا تو اقلیدس کی کوئی نہ کوئی بات یاد کر چکا ہوتا تھا، راستے مین اور کام سے فارغ ہونے کے بعد بھی اقلیدس کی شکلین حل کرتا رہتا تھا یہان تک کہ جب وہ پوری اقلیدس کو حل کر چکا تو مجسطی کی طرف متوجہ ہوا اور رفتہ رفتہ ہندسہ کی طرف پوری طور پر متوجہ ہوگیا اور اس مین شہرت حاصل کر لی،

نور الدین بن زنگی نے جو بہت بڑا شفاخانہ بنوایا تھا اس کے اکثر دروازے ابو الفضل ہی نے بنائے تھے، اور جامع دمشق کی گھڑیون کی اصلاح بھی اوسی نے کی تھی اور انکی حفاظت و نگہداشت پر اس کو وظیفہ ملتا تھا،

ابو الفضل نے سنہ ۵۹۰ھ مین وفات پائی،[۳]

مہذب الدین احمد بن الحاجب کا نام بھی اسی سلسلے مین داخل ہے، وہ دمشق مین پیدا ہوا اور وہین نشو و نما پائی، ایک مدت تک مہذب الدین بن النقاش سے علم طب کی تعلیم حاصل کی

---

[۱] اخبار الحکما، صفحہ ۱۱۴-۱۱۵ [۲] مفتاح السعادۃ جلد اول صفحہ ۳۰۱، طبقات الاطبا، جلد ۲ صفحہ ۹۰ و [۳] طبقات الاطبا، صفحہ ۱۹۰ ج

اس کے بعد جب شرف الدین طوسی جو علوم حکمیہ و ریاضیہ مین نہایت کمال رکھتا تھا موصل مین آیا تو ابن حاجب اور حکیم موفق الدین عبد العزیز اس سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے موصل مین آئے، لیکن وہان پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ طوس کو روانہ ہوگیا ہے، چنانچہ ان دونون نے دہان ایک مدت تک قیام کرکے اس سے فائدہ اٹھایا، اس کے بعد ابن حاجب نے اربل کا سفر کیا اور اسکی شاگردی اختیار کی، اور اس نے جو زیج تیار کی تھی اس کے ساتھ اسکو حل کیا، اوس نے اگرچہ علم طب کی تعلیم بھی حاصل کی تھی لیکن اس نے علم طب مین بعد کو شہرت حاصل کی اور پہلے ریاضی دانی مین زیادہ مشہور ہوا، چنانچہ اسی تعلق سے جامع دمشق کی گھڑیون کے متعلق کام کرتا رہا، اس کے بعد طب مین شہرت حاصل کی اور متعدد سلاطین کے دربار مین طبی خدمات انجام دین[1]،

مسلمان ریاضی دانون مین محمد بن علی بن رستم خراسانی نے گھڑی سازی مین زیادہ کمال پیدا کیا تھا، اس لیے وہ ساعاتی کے لقب سے مشہور تھا، اور نور الدین محمود بن زنگی کے عہد مین جامع دمشق کے دروازون کی گھڑیان اسی نے بنائی تھین، اور اس پر اوسکو معقول انعام و وظیفہ ملتا تھا، اور اس نے اپنی وفات تک یہی خدمات انجام دی تھین[2]

ابوزکریا یحیی البیاسی بھی بہت بڑا ریاضی دان تھا، اور اس نے اپنی ریاضی دانی سے متعدد عملی کام کئے تھے، وہ اندلس کا رہنے والا تھا، لیکن بعد کو مصر مین چلا آیا اور وہان ایک مدت تک قیام کیا اس کے بعد دمشق کی سکونت اختیار کی اور وہان ابن نقاش بغدادی سے تعلیم حاصل کرتا رہا، وہ بخاری سے بھی واقف تھا اور ابن نقاش کے لیے متعدد آلات بنائے تھے جنکا تعلق علم ہندسہ سے تھا، وہ موسیقی مین بھی کمال رکھتا تھا اور ایک ارگن باجہ تیار کیا تھا[3]،

مسلمانون مین سے سب سے بڑے ریاضی دان بنو شاکر گذرے ہین، اور علم جر ثقیل مین اون کی

---

[1] طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۹۲ [2] ،، صفحہ ۱۸۴ [3] ،، صفحہ ۱۶۳،

کتاب حیل بنی موسیٰ کے نام سے مشہور ہے، ہم کو معلوم نہین ہے کہ خود بنو شاکر نے اس فن سے کوئی عملی کام لیا تھا، یا نہین؟ تاہم ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ بعض ریاضی دانون نے اس کتاب سے فائدہ اٹھایا اور اس سے بہت سے عملی کام لیے، چنانچہ طبقات الاطبار مین سدید الدین بن رقیقہ کے حال مین لکھا ہے،

ونظر فی حیل بنی موسی وعمل منها اشیاء مستطرفة[1] اس نے حیل بنی موسی کو دیکھا اور اُس سے بہت سی نادر چیزین بنائین،

مسلمان انجنیرون مین سب سے بڑا عملی کام ابو الصلت امیہ بن عبدالعزیز بن ابی الصلت نے کرنا چاہا تھا، اور گو اُس کو اس مین نہایت افسوسناک طور پر ناکامی ہوئی تاہم اس ناکامی کا تعلق صرف آخری نتیجہ سے ہے، ورنہ جہان تک فن انجنیری کا تعلق ہے اس نے تمام آلات فراہم کر لیے تھے، اور ایک حد تک نتیجہ مین بھی کامیاب ہو گیا تھا،

علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبار مین اس عملی کام کی تشریح ان الفاظ مین کی ہے:

اسکندریہ مین پیتل سے لدا ہوا ایک جہاز پہنچا اور وہ اس کے قریب غرق ہو گیا، اور چونکہ سمندر کی گہرائی کی مسافت بہت زیادہ تھی اس لیے ان کے پاس اس کے بچانے کی کوئی تدبیر نہ تھی، لیکن ابو الصلت نے اس معاملہ مین خوب غور کیا تو اُس کو ایک تدبیر معلوم ہوئی اور اُس نے افضل بن امیر الجیوش شاہ اسکندریہ سے ملاقات کر کے یہ ظاہر کیا کہ اگر تمام ضروری آلات مہیا کر دیئے جائین تو وہ جہاز کو مع اس کے سامان کے نکال سکتا ہے اس نے تعجب اور مسرت کے ساتھ اس کو اجازت دی اور تمام آلات مہیا کر دیئے، اور اس پر بہت سا روپیہ صرف کیا، جب یہ تمام آلات مہیا ہو گئے تو اس نے ان سب کو ایک بڑے جہاز مین رکھا،

[1] طبقات الاطبار جلد دوم صفحہ ۲۴۰،

اور اسکو ڈوبے ہوئے جہاز کے سامنے کھڑا کیا اور اسکی طرف ریشم کی بٹی ہوئی رسیان لٹکائین اور ایک جماعت کو جسکو بحری امور سے واقفیت حاصل تھی، حکم دیا کہ غوطے لگائین اور رسیون کو ڈوبے ہوئے جہاز مین باندھ دین، جس جہاز مین وہ لوگ تھے اُس نے اس مین وزنی چیزون کے اٹھانے کے لیے ہندسی اشکال کے مطابق آلات بنائے تھے، اور ان آلات سے کام لینے کا طریقہ اس جماعت کو بتا دیا تھا، چنانچہ وہ لوگ اس طرح کام کرتے رہے، اور آہستہ آہستہ ریشمی رسیان انکی طرف اٹھتی ہوئی چلی آتی تھین، اور ان کے سامنے ان چرخیون پر لپٹتی جاتی تھین، یہان تک کہ ڈوبا ہوا جہاز نمایان ہوگیا اور پانی کی سطح تک ابھر آیا لیکن اس کے بعد ریشم کی رسیان ٹوٹ گئین اور جہاز پھر ڈوب گیا، ابو الصلت نے اپنی صنعت و تدبیر مین بے شبہہ نہایت مہارت سے کام لیا تھا لیکن تقدیر نے اوسکی مساعدت نہین کی اور بادشاہ کو اس تاوان اور آلات کے ضائع ہونے پر بہت غصہ آیا اور اوس کے قید کرنے کا حکم دیا[1]

مہندسین اسلام کے نامون کی یہ ایک نہایت مختصر فہرست ہے، ورنہ تاریخ اسلام کے ہر دور مین تعمیرات وغیرہ کے متعلق جس کثرت سے عملی کام ہوتے رہے ہین، اوس کے لحاظ سے ہم کو یقین ہو کہ مسلمانون مین انجنیرون کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی جنکے حالات مین اگرچہ مستقل کتابین نہین لکھی گئین تاہم ضمنی طور پر ان کے نام مختلف تاریخون مین مل سکتے ہین،

---

[1] طبقات الاطبار جلد دوم صفحہ ۵۳

علم التاریخ

از

سید محمد محسن ترمذی، ادیب فاضل

تاریخ کی تعریف دنیا مین جتنے کام ہورہے ہین ان سب کی وجوہات کچھ عرصہ پیشتر معرض وقوع مین آچکی ہوتی ہین، اسباب وعلل شروع سے ہی پیدا ہوتے رہتے ہین اور ان سب کے ملجانے سے کام کی جو صورت پیدا ہوجاتی ہو وہ فعل اصلی یا واقع کے نام سے مشہور ہوجاتی ہے، اسی طرح اور بہت سے طریقون سے اس نظریہ کو تقویت حاصل ہوتی ہو، چنانچہ اسی قبیل سے علم التاریخ ہے، دور تمدن سے پہلے بھی اس کا ہیولی موجود تھا مگر تمدن کے زمانہ مین پہنچکر اس نے ایک باقاعدہ شکل اختیار کرلی جس کا نام معروف عوام ہے، تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہو کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات مین جو تغیرات پیدا کئے ہین اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونون کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے، ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے کہ ان حالات اور واقعات کا پتہ لگانا جنسے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گذشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہوگیا ہو، یعنی چونکہ یہ مسلّم ہو کہ آج دنیا مین جو تمدن، معاشرت، خیالات، مذاہب موجود ہین سب گذشتہ واقعات کے نتائج ہین جنکو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونا چاہیئے تھا، اسلیے ان گذشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گذشتہ واقعات سے کیون کر پیدا ہوا اسی کا نام تاریخ ہے، گویا تاریخ مین دو باتین ضرور مذکور ہونی چاہئین جنکے بغیر یہ کام ادھورا ہی رہتا ہے، اولاً جس عہد کا حال قلمبند کیا جائے اس کے مختلف جزئیات پر بحث ہونی لازمی امر قرار دے لیا جائے، یعنی تمدن اخلاق، طرز معاشرت، طرز حکومت، عادات اور تعلیم و تربیت پر اچھی طرح روشنی ڈالی جائے، ثانیاً

تمام واقعات مین سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے،

تاریخون کے نقص اور ان کے اسباب، قدیم تاریخون مین یہ دونون چیزین مفقود ہین، رعایا کے اخلاق و عادات اور تمدن و معاشرت کا توسرے سے ذکر ہی نہین آتا، فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہین لیکن ان مین بھی فتوحات اور خانہ جنگیون کے سوا اور کچھ نہین ہوتا، یہ نقص محض ہندوستانی یا مشرقی تواریخ مین ہی نہین بلکہ مغربی تواریخ کا بھی یہی انداز تھا اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا، مشرق و مغرب مین ہمیشہ شخصی حکومتون کا رواج رہا اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزین ہیچ ہوتی تھین ان کا لازمی اثر یہ تھا کہ تاریخ کے صفحون مین شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے، اور چونکہ اس زمانے مین قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی اسلیے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بیفائدہ تھا، ایک اور بڑا سبب یہ بھی ہے کہ آج تک یہ فن علم ادب کے جاننے والون ہی کے ہاتھ مین رہا ہے، ورنہ جو جو خلاف عادت واقعات تواریخ قدیمہ مین بکثرت پائے جاتے ہین بالکل نظر نہ آتے، علم ادب مین صداقت واقعات کی طرف اتنی توجہ مبذول نہین کیجاتی جتنی کہ اس سے دلکش اور دلفریب بنانے مین خرچ کیجاتی ہے، مؤرخ تاریخ جیسے سنجیدہ مضمون کو افسانون کی طرز مین ادا کرتا ہے جس سے کہ اصل واقعہ سے لازمی طور پر کنارہ کشی کرنی پڑتی ہے، اس کے علاوہ یہ نقص بھی بکثرت پایا گیا ہے کہ مؤرخ جس عقیدہ کا ہوتا تھا اپنے ہم عقیدہ فرمانرواؤن کی خوب جی بھر کر قصیدہ خوانی کرتا تھا اور اپنے مخالفین کی ہجو مین پورے طور پر زور قلم دکھاتا تھا

تاریخ کا ماخذ، گذشتہ واقعات اور خاص کر ایام جاہلیت کے حالات ہماری نظرون سے اوجھل مین متفرق واقعات کے ملجانے سے چند سلسلہ وار واقعات بنائے گئے ہین اور یہی ان ایام کی تاریخ ہے، ہم تک ان واقعات کے پہنچنے کے چند ذرائع ہین جنکی بدولت ہم ان سے آگاہ ہوئے ہین،

کتب مذہبی، اس سلسلہ مین سب سے پہلے مذہبی کتب کو اہمیت حاصل ہے، احکام مذہبی کی بدولت

بہت کچھ پتہ چلتا ہے کہ جن لوگون کے لیے یہ صادر کئے گئے تھے وہ کس قماش کے تھے، مزید بران انجیل، توریت، زبور، اور قرآن مجید مین تو ابتدائے آفرنیش سے لیکر ان کتابون کے نازل ہونے کے وقت تک کے اکثر واقعات ضرور مذکور ہین، بنی اسرائیل کا واقعہ جس سے کہ مؤرخ بہت کچھ نتائج پیش کر سکتے ہین، قرآن شریف مین مفصل موجود ہے، رامائن اور مہابھارت جو ہندؤن مین مذہبی کتابون کا درجہ رکھتی ہین ہندوستان کی تاریخ کے دو معرکۃ الآرا واقعات کی مفصل کہانیان ہین، جن سے نہ محض ان کی طرزِ حکومت کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس کے پہلو بہ پہلو لوگون کی عادات، اطوار، اخلاق اور طرزِ معاشرت پر بھی اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے، مسلمانون مین قرآن مجید سے دوسرے درجہ پر فرمان رسول صلعم یعنی حدیث ہے، احادیث مین واقعات جس صحت اور اصول روایت و درایت پر پرکھ کر مندرج کئے گئے ہین وہ محتاج بیان نہین، ان واقعات سے بھی اس زمانے کی روش زندگی اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے، گویا تاریخ کے ماخذ کے سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی مذہبی کتب ہین،

سیر سلاطین مذہبی کتب سے دوسرے درجہ پر سیر سلاطین ہین، بعض فرمانروا اپنے حالات زندگی تو خود ہی قلمبند کرتے تھے اور بعض کے حالات لوگون نے تحریر کئے ہین، مثلاً مغل سلاطین نے اس کام مین خاص درجۂ امتیاز حاصل کیا ہے، بابر کی توزک کو کون نہین جانتا جس جس ملک مین وہ پہنچا ہے وہان کے حالات اس خوبی اور خوش اسلوبی سے سلکِ تحریر مین منسلک کئے ہین کہ خود اہالیانِ ملک بھی اس خوبی سے تحریر کرنے سے قاصر رہتے، چنانچہ اپنے سفرِ ہندوستان کے دوران مین یہان کی ہر چیز پر مفصل و مکمل بحث اسکی توزک مین موجود ہے، یہان کی آب و ہوا، پیداوار، باشندے اور دیگر حالات ملکی نہایت عمدگی سے لکھے ہین، اور ایک بابر پر کیا منحصر ہے، جہانگیر اورنگ زیب سب کے سب ملکی حالات اچھی طرح سے قلمبند کرتے رہے ہین، وہ سوانحعمریان جو اور لوگون نے بادشاہون کی تحریر کی ہین خواہ نظم ہون یا نثر واقعات گذشتہ کی دھندلی سی تصویر تو ضرور پیش کرتی ہین، لیکن صداقت

سے نظم مین اکثر پردے ہٹ کر چلنا پڑتا ہے، مگر پھر بھی ان سے بہت کچھ مدد ملتی ہے، شاہنامہ اور سکندرنامہ سے کون واقف نہین اگرچہ وہ ادبی نقطۂ نظر سے تحریر کیگئی ہین اور صداقت کی بجائے مضمون آفرینی کا زیادہ خیال رکھا ہے مگر وہ بھی ایک عمدہ تاریخ کی فہرست مین نہین تو درمیانی درجہ مین ضرور شامل کیجا سکتی ہین،

آثار قدیمہ ان کے بعد آثار قدیمہ کا نمبر آتا ہے، پرانے زمانے کی عمارتین اپنے بنانے والے کی عظمت و صولت زبان حال سے پکار پکار کر سنا رہی ہر، ان سے لوگون کی صنعت و حرفت کا نقشہ دل پر اچھی طرح سے جم جاتا ہے، اشوکا، بکرماجیت کے وقت کی عمارتون سے جو نواح بنارس اور آگرہ مین پائی جاتی ہین، صاف پتہ چلتا ہے کہ ان لوگون مین فن تعمیر کا ملکہ کہان تک ترقی پذیر تھا، قطب صاحب کی لاٹ تاج محل آگرہ اپنے زمانۂ تعمیر کے لوگون کی قابلیت اور مذاق عام کا اچھی طرح نشان دیتے ہین ایک عمارتون پر ہی کیا منحصر ہے زمانۂ قدیم کی ہر چیز واقعات گذشتہ کی سچی تصویر کھینچ دیتی ہر، پرانے زمانے کے آلات حرب و سامان رہائش سے لڑنے اور رہنے سہنے کا طریقہ اچھی طرح معلوم ہوتا ہے، گویا آثار قدیمہ بھی تاریخ کا ایک زبردست ماخذ ہین،

زبانی روایتین جہان واقعات گذشتہ کے معلوم کرنے کے اور بیشمار ذرائع ہین وہان ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ اپنے بزرگون سے سینہ بسینہ واقعات گذشتہ ہم تک پہنچتے ہین، اکثر واقعات ایسے مین جو تاریخ مین مذکور نہین ہین مگر زبان زد خلائق ہین اور ان کی صداقت پر خود ان کی ذات ہی گواہ ہے کیونکہ وہ نہایت معقول اور سنجیدہ ہین، اور اگر سچ پوچھو تو سب سے معتبر ذریعہ یہی ہے احادیث رسولؐ جو آج عالم اسلام مین ہر طفل کتب کی نوک زبان ہین سب کی سب محدثین تک ایک دوسرے کی معرفت پہنچتی ہین، اب رہا یہ معاملہ کہ کسی راوی نے وہ واقعہ جھوٹ موٹ نہ بنا دیا ہو، یہ اچھی طرح سے تحقیق کر لیا جاتا ہے کہ راوی کس شخصیت کا آدمی تھا اور کیا یہ اس سے ممکن نہ تھا کہ اس نے کیہ

واقعہ دیکھا، لیکن بحث طویل ہے ہم اس مضمون مین آگے چل کر بتائین گے کہ کس طرح واقعات کی نسبت صداقت کا یقین کیا جا سکتا ہے،

صحت واقعات

ہم اپنے مضمون کی گذشتہ سطور مین قدیم تاریخ کے نقص بیان کرتے ہوئے اس امر کو واضح کر دیا تھا کہ تاریخ قدیم مین واقعات کی صحت کا خاص خیال نہین رکھا گیا، واقعات کی صحت تاریخ مین اسی قدر ضروری ہے جس قدر زندگی کے لیے ہوا، کیونکہ اس کے بغیر تاریخ صحیح معنون مین تاریخ نہین رہتی بلکہ ناول یا افسانہ بنجاتی ہے، اور وہ فوائد جو اصل مضمون سے دنیا کو حاصل ہوتے ہین ان سے محروم رہنا ایک یقینی امر ہو جاتا ہے، ہم ذیل کی چند سطور مین اس امر کو ناظرین کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرین گے کہ واقعاتِ گذشتہ کو کس کسوٹی پر پرکھنے سے ان کی اصلیت معلوم ہو سکتی ہے:-

اولاً یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ جو واقعہ مورخ بیان کر رہا ہے کیا اسکا ہونا ممکن بھی ہے یا محض زبانی جمع خرچ ہے، مثلاً اگر مؤرّخ بیان کرے کہ فلان بہادر نے فلان پہاڑ کو ہاتھ پہ اٹھا لیا، تو مذہبی حیثیت سے ہم اس واقعہ کو تسلیم کر لین گے مگر عقل سلیم صاف بتائے گی کہ اس کا ہونا ناممکن ہے اسی طرح اور بہت سے واقعات تاریخ مین نظر آئین گے جو اصول عادت کی رو سے ممکن نہین ہین،

ثانیاً یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ جو واقعہ ہوا ہے عام لوگون کا میلان بھی اس طرف ہے یا نہین، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ عام لوگون سے یہ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ واقعہ ظہور مین آتا تو ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ یہ واقعہ درست ہے، مثلاً روما کی سلطنت مین "سیانی" کے مظالم بڑی کثرت سے ہوا کرتے تھے آج بادی النظر مین اس کا ہونا ناممکن نظر آتا ہے، مگر حقیقت یون ہے کہ دولت کی افزونی نے اہل روما کو تفریحِ طبع کے مشاغل ڈھونڈھنے کا عادی بنا دیا تھا، چنانچہ جدت پسند طبائع نے اول اول مینڈھون، بکرون اور مرغون کو آپس مین لڑانا شروع کیا، رفتہ رفتہ آدمی

ننگی تلوارین ہاتھ مین لیے مصنوعی لڑائی نہین بلکہ اصلی جنگ سے بھی زیادہ خوفناک لڑائی شروع کر دیتے،
بادی النظر مین ان خوفناک مظالم کا پیش آنا محض افسانون تک محدود نظر آتا ہے مگر واقعات ایسے تھے
اور لوگون کی طبائع ایسی ہی ہو چکی تھین کہ یہ واقعہ پیش آتا، اس سے واضح ہو گیا کہ امتحان صداقت
کا دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ اس عہد کے لوگون کے میلان عام کو دیکھا جائے اور پھر اس سے نتیجہ پر پہنچا جائے
تو کامیابی کی زیادہ توقع ہے، اثنا ء یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ جو واقعہ کہ مذکور ہو رہا ہے اگر
کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت قوی ہے یا نہین یعنی اگر کوئی معمولی
آدمی ہو اور اس سے کوئی بڑا کام سرانجام پا جائے یا اس کو کسی اعلیٰ عہدہ پر سرفراز کر دیا جائے
اور وہ کوئی خاص کام کر دے جو چندان معمولی نہ ہو بلکہ ایک خاص اہمیت لیے ہوئے ہو ایسے موقعہ
پر ہمارا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ اس ثبوت کو معلوم کرین جس کی بنا پر مورخ کو یہ تحریر کرنے کی جرأت ہوئی
اگر ثبوت کسی ثقہ اور متین آدمی کی طرف سے یا معتبر مصنف کی تصنیف ہے تو وہ واقعہ قابل یقین
ہوگا ورنہ برعکس، مثال کے طور پر نظام سقہ اور ہمایون کا واقعہ ہے جو عام تاریخون مین مذکور ہے، یہ
واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہین ہے، ایک پانی بھرنے والے کا اقلیم ہندوستان پر جلوہ افروز ہو جانا اور
اپنے نام سے احکام اور فرامین جاری کرنا کوئی معمولی واقعہ نہین ہے، ایسے موقعہ پر ہم لازمی طور پر
ثبوت کی وقعت کو دیکھین گے اور اس سے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرین گے،

تاریخ اور دور تمدن ہمارے اس مختصر سے مضمون مین جو کچھ ابھی تک مذکور ہوا ہے وہ محض زمانۂ گذشتہ اور
خاص کر زمانۂ جاہلیت کی تاریخ سے تعلق رکھتا تھا اب ہم اس مقام پر پہنچتے ہین کہ دور تمدن مین تاریخ
کی کیا حالت ہے؟ تاریخ کو جو اہمیت دور تمدن مین حاصل ہوئی ہے وہ اہمیت زمانۂ جاہلیت مین اسے
بالکل حاصل نہ تھی، آثار قدیمہ جو گذشتہ زمانے کی یاد کو تازہ کرتے ہین آجکل یعنی دور تمدن مین ایک
خاص اہمیت لئے ہوئے ہین دولت برطانیہ نے ایک محکمۂ آثار قدیمہ قائم کیا ہے جس کے عملہ کا

کا فرض صرف یہ ہے کہ آثار قدیمہ کی حفاظت خاطر خواہ کیجائے، یہ جد وجہد محض اسی لیے ہے کہ وہ تاریخ کے ایک زبردست ماخذ ہین اور ان کا قائم رکھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس فن کو فنون ضرور یہ مین جگہ مل چکی ہے، علاوہ ازین گذشتہ زمانہ کے آلات حرب اور دیگر سامان معیشت جہان کہین سے مہیا ہوتے ہین عجائب خانون مین بحفاظت تمام رکھے جاتے ہین، مزید معلومات بہم پہنچانے کے لیے گورنمنٹ عالیہ ہر وقت کوشان رہتی ہے چنانچہ شمالی پنجاب مین حال ہی مین ایک زمین دوز شہر جو اشوک کے وقت کا معلوم ہوتا ہے نکلا ہے، اور ماہرین کیمیا نے بتایا ہے کہ کسی سخت بھونچال کی وجہ سے یہ شہر دب گیا ہے، زمین کھودی جارہی ہے اور پرانی اشیا مقدار کثیر مین ہاتھ لگتی ہین، یہ سب کوششین محض اسی لئے ہین کہ گذشتہ زمانے کی نسبت جس قدر بھی معلومات بہم پہنچ سکتی ہین، بہم پہنچائی جائین تاکہ فن تاریخ مکمل صورت مین دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے، یونیورسٹیون مین بھی اس فن کو خاص اہمیت حاصل ہے، علما، کو اس شاخ مین ایک نمایان ترقی حاصل کرنے کے مواقع دیئے جاتے ہین، بڑی بڑی مجالس محض اس فن کی تکمیل کے لیے بنی ہوئی ہین اور وہ ہمیشہ اپنی طرف سے بڑے بڑے لائق لوگون کو محض انھی معلومات مین اضافہ کرنے کے لیے بھیجتی رہتی ہین، ان سب باتون سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ زمانۂ گذشتہ کی طرح اب نامکمل اور ادھوری نہ رہے گی، بلکہ اس مین ہر قسم کی معلومات کا ایک ذخیرۂ عظیم نظر آئے گا، وہ ماضی کی ایک سچی تصویر ہوگی، اور آنیوالی نسلون کو ان کے اسلاف کے کارہائے نمایان اچھی طرح بتایا کرے گی،

فوائد مطالعۂ علم التاریخ تاریخ کی اہمیت اس کے ماہرین کو اچھی طرح سے معلوم ہے عوام الناس کے لیے یہ محض افسانہ ہے اور اکثر لوگ اسے پڑھتے بھی اسی لئے ہین مگر اس کے برعکس تاریخ ایک مفید مضمون ہے، چنانچہ ذیل کی چند سطور مین ہم اس کے چند بڑے بڑے فوائد قلمبند کرتے ہین جس سے اچھی طرح عیان ہو جائیگا کہ تاریخ کس قدر اہم مضمون ہے،

اصلاحِ اخلاق | سب سے بڑا فائدہ جو مطالعہ علم تاریخ سے حاصل ہوتا ہے، یہ ہے کہ انسان کا اخلاق بہتر بن

اور عمدہ بن سکتا ہے، جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہین تاریخ مین گذشتہ اقوام کے ہر فعل پر بحث ہوتی ہے،

اخلاق، تمدن اور معاشرت وغیرہ سب کچھ اس مین مفصل اور مکمل طور پر بتایا جاتا ہے، مطالعۂ تاریخ

سے لازمی طور پر ہم لوگون کے اشغال روزانہ سے مطلع ہو جائین گے، اُن کے عادات و اطوار بھی ہم سے

چھپے نہ رہینگے، اور اس کے بعد جو نتائج کہ حاصل ہوئے ہونگے وہ بھی ہم سے چھپے نہ رہین گے، اگر

ان کامون کا نتیجہ اچھا رہا ہوگا تو یقینی طور پر ہم کو بھی اس اچھے کام کرنے کی ترغیب ہوگی، مثال کے

طور پر ہم تاریخ ہند کے ایک اہم واقعہ کو لیتے ہین جے چند اور پرتھوی راج جو بھائی بھائی تھے، کس طرح

دوسری اجنبی قوم کے ہاتھون تباہ ہوئے، آپس کی مخالفت نے کسی کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا، آخر کار

دونون فنا ہو گئے اور ایک تیسرا غیر شخص آکر کشورِ ہندوستان پر جلوہ فرما ہو گیا، کوروُں کے پانڈون

کو دھوکا دینے اور انھین سخت اذیتین پہنچانے کے حالات سے کون ناواقف ہے، اور آخر جو اُنکا

انجام ہوا وہ بھی اظہر من الشمس ہے، سری رام چندرجی کی اطاعتِ والدین ان کے دنیا مین نامور ہونے

کا ایک بڑا زبردست ذریعہ ہے، ان واقعات کو پڑھ کر ہمارے دلون مین تحریک ہوتی ہے کہ اچھے

لوگون کا اتباع کرین، صداقت کے لیے جان دیدینا اور حق پر دنیا کو لات مارنا ایک مسلمہ نیک کام ہے

مگر لوگون کو اگر یہ نصیحت محض انھی خشک الفاظ مین کیجائے تو ان پر کوئی اثر نہین پڑتا، ہان کسی

تاریخی واقعہ سے نتیجہ نکال کر ان کے قلوب کو مسخر کرنا اور ہی معنی رکھتا ہے، قصہ کوتاہ مطالعۂ علم تاریخ

کا روحانی فائدہ اصلاحِ اخلاق ہے، اور یہی وہ فائدہ ہے جس سے انسان میدانِ ترقی مین

گامزن ہو سکتا ہے،

تعلیم و تربیت مین اصلاح | تعلیم و تربیت ایک ایسا اہم مضمون ہے کہ ہر کہ و مہ اس سے بخوبی واقف ہے،

اقوام عالم کی ترقی کا دارومدار بہت کچھ اسی پر ہے، تاریخ کا مطالعہ ہمین پرانے طرزِ تعلیم سے واقف کریگا

اور جو نقائص یا محاسن اس طرز عمل مین تھے، ان سے بھی ہمین ضروری طور پر آگاہی دلائے گا، جن سے ہم اپنے طرز تعلیم کو عمدہ اور مفید مطلب بنا سکتے ہین، گذشتہ زمانہ مین ذہنی تعلیم پر زیادہ زور دیا جاتا تھا جس سے انسان کے قوائے ذہنیہ کو تو ضرور ترقی ہوتی تھی مگر طالب علم خود کسی فعل پر اقدام نہ کر سکتے تھے، بعض ممالک مین اب بھی اوسی فرسودہ طریقہ پر عمل ہو رہا ہے، چنانچہ جیسا کہ موسیو لیبان اپنی تصنیف سائیکالوجی آف دی کراوڈ یعنی روح الاجتماع مین تحریر فرماتے ہین:-

"ایک بڑی اصل جس پر ہماری تربیت کی بنیاد رکھی گئی ہے یہ ہے کہ قوت حافظہ عقل کو ترقی دیتی ہے اس سے ہماری تعلیم مین اس بات کا زیادہ خیال کیا جاتا ہے کہ حتی الامکان قوت حافظہ کو ترقی دینا چاہیئے اور اس اصول پر اس مضبوطی سے عمل کیا جاتا ہے کہ پرائمری اسکولون کا بحون بلکہ ٹریننگ کالجون مین بھی قوت حافظہ ہی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے جسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ طالب علم از خود کسی عمل پر اقدام نہین کر سکتے کیونکہ تعلیم کا مدعا تو ان کی نگاہ مین اب صرف یہ رہ گیا ہے کہ وہ واقعات کو حفظ کر لین اور دوسرون کی آرا کے آگے سر جھکا دین"

موسیو لیبان نے جو ایک فرانسیسی فاضل تھے، فرانس کی تعلیمی حالت کا نقشہ کھینچا ہے مگر زمانۂ ماضی مین ایشیا مین بھی زیادہ تر تعلیم کا مقصد یہی خیال کیا جاتا رہا ہے، تاریخ سے ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کن کن معائب نے اس تعلیم کو نقائص کا مجموعہ بنا دیا اور کس طرح ہم ان کو متبدل بمحاسن کر سکتے ہین، برطانیہ نے اسی لیے تعلیم کی نسبت عمل پر زیادہ زور دیا ہے اور اسی مین ترقی کا راز مضمر ہے، چنانچہ موسیو ٹائن نے لکھا ہے کہ "انگلستان مین ڈاکٹر ہسپتالون مین اور انجنیر کارخانون مین پیدا کیے جاتے ہین، نہ کہ کالج کی شاندار عمارتون مین" اور یہی انگلستان کے مطالعۂ تاریخ کے بعد تجارب کا نتیجہ ہے کہ وہان کے تعلیم یافتہ وہ کام جنکو ہم رذیل خیال کرتے ہین، خوشی خوشی کرتے ہین، ناظرین سمجھ گئے ہون گے کہ وہ سب کام جنھین اہل فرانس باعث ذلت سمجھتے ہین،

انھین مین ولایت والون کی ترقی کا راز پنہان ہے، یہ ایسا کیون ہے محض اسلیے کہ فرانس کی تعلیم ان کے طرز معاشرت کے مطابق نہین ہے اور یہ محض اسلیے ہے کہ اہل فرانس مطالعۂ تاریخ کے اس قدر دلدادہ نہین ہین جسقدر کہ اہل انگلستان، تو گویا مطالعہ علم التاریخ سے جو دوسرا فائدہ ہمین حاصل ہوتا ہے، وہ تعلیم و تربیت مین اصلاح ہے،

نظام حکومت مین اصلاح مطالعۂ تاریخ سے جو تیسرا فائدہ حاصل ہوتا ہے، وہ نظام حکومت اور طرز حکومت کی اصلاح ہے۔ پرانی تاریخون مین اقوام کے تمدن و معاشرت، اخلاق و عادات پر اتنی بحث نہین کیگئی جتنی کہ ان کے طرز حکومت پر کیگئی ہے، اسلیے اور فوائد اس خوبی سے ہمین حاصل نہین ہو سکتے جتنے کہ نظام و طرز حکومت کے متعلق ہو سکتے ہین، جو جو خرابیان پرانی حکومتون مین تھین وہ آج خال خال حکومتون مین نظر آتی ہین جسکی وجہ محض مطالعۂ تاریخ ہے، گذشتہ عہد مین شخصی حکومتین عالمگیر تھین مگر دور حاضرہ مین نیابتی حکومتین ان کی جگہ لیے ہوئے ہین کیونکہ شخصی حکومتون مین بہت سے نقصان ہوتے تھے، بادشاہ کو کلی اختیار ہوتا تھا کہ جو حکم چاہے دے، خواہ اس سے کسی کی ضمیر کو صدمہ پہنچے یا اس کے جذبات پامال ہون، اسے کچھ پروا نہ ہوتی تھی، اسی لیے جماعتہائے انسانی اکثر مشتعل ہو کر ارتکاب جرائم پر آمادہ ہو جاتی تھین اور شخصی حکومت کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی تھین، یہی وجہ تھی کہ کسی شخصی حکومت کا قیام زیادہ عرصہ تک نہ ہوتا تھا، ملکون مین ہمیشہ فساد برپا رہتے تھے، علمی ترقیان مسدود ہو جاتی تھین اور لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا، مگر اس کے برعکس آجکل نیابتی حکومت کا دور دورہ ہے، شہرون کی حکومت میونسپل کمیٹیان کرتی ہین جنہین ہر فرقے کے لوگ اپنے نمائندے بھیجتے ہین گاؤن کی حکومت ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہاتھون مین ہوتی ہے، صوبون کی عنان حکومت کونسل کے اور تمام ملک کی باگ ڈور اسمبلی کے ہاتھ مین ہوتی ہو، یہ سب کی سب نیابتی مجالس ہین، اسلیے ممبرون کو لوگون کے جذبات کی

خاطر خواہ حفاظت کرنی پڑتی ہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرین تو آیندہ انتخاب کے موقع پر ہزیمت اٹھائین اسلئے جب لوگ دیکھتے ہین کہ حکومت ان کی خواہش اور مرضی کے مطابق ہوتی ہے تو وہ بھی امن و سکون سے دن بسر کرتے ہین اور علمی ترقیان حاصل کرتے ہین، تو گویا تاریخ ہمارے طرز حکومت مین بڑی زبردست اصلاح کرکے اسے مفید خلائق بناتی رہتی ہے، موجودہ نظام حکومت کی یہ خوبیان محض مطالعۂ علم تاریخ کے بعد لوگون نے پیدا کی ہین کیونکہ وہ جانتے ہین کہ کس طریقہ کے اختیار کرنے سے لوگون کے قلوب پر عمدہ اثر پڑسکتا ہے، جس سے کہ وہ حکومت کے برخلاف علم بغاوت بلند کرنے کی بجائے اس کے آگے سر تسلیم خم رکھین،

اسی طرح اور بہت سے فوائد ہین جو مطالعۂ تاریخ سے ہمین حاصل ہوتے ہین، طرز حکومت و تعلیم و تربیت اور اخلاق کے علاوہ تمدن و معاشرت، صنعت و حرفت اور دیگر علوم و فنون مین جو اصلاح ہوتی ہے اور ہو رہی ہے، وہ محض مطالعۂ علم تاریخ کی وجہ سے ہے، ماضی کے حالات ہمین مجبور کرتے ہین کہ ہمین اپنے مستقبل کو بہتر بنانا کس قدر ضروری ہے،

مطالعۂ تاریخ کے پہلو بہ پہلو اقوام عالم کی ترقی اور خاتمۂ سخن

عرب مین دستور تھا کہ جب وہ یعنی اہل عرب کسی کارزار عظیم مین شریک ہوتے تو رجز خوانی کیا کرتے تھے جس مین ان کے بزرگون کی بہادری کے کارنامے ہوتے تھے، ان کارنامون کو سنکر ان کو اشتعال ہوتا تھا کہ وہ بھی ان سے بڑھ کر کام کرین تاکہ ان کے خلاف ان کو بھی نیک نام سے یاد رکھین، دوسرے الفاظ مین وہ رجز خوانی، تاریخ تھی ان کے بزرگون کی، اس سے یہ نظریہ کہ تاریخ انسان کو کام کرنے کی تحریک دلاتی ہے، بخوبی ثابت ہوتا ہے، اب ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ دنیا کی جن اقوام نے بزرگون کی یاد یعنی تاریخ کے مطالعہ کو تازہ رکھا وہ قوم ممتاز شمار ہوتی رہی ہے اور جس نے اس سے اغماض یا تساہل کیا وہ قوم برباد ہو گئی،

مثال کے طور پر ہندوستان کی تاریخ مین راجپوتون کو لیجئے، کبھی وہ دن تھا کہ افق ہند پر راجپوت

چودھوین رات کا چاند ہوکر چمکے اور پھر وہ دن آگیا کہ یہ برائے نام حکمران رہ گئے ہین، اصل بات یون ہے کہ عربون کی طرح ان مین بھی رواج تھا کہ بھانڈ اور ڈوم اکر ان کے بزرگون کے کارنامے سنایا کرتے تھے، یہ خود انکی روایات اور حالات قلمبند کرایا کرتے تھے جس سے ہمت اور جوش کی لہر اسی طرح متلاطم رہتی تھی جس طرح ان کے بزرگون مین تھی، مگر رفتہ رفتہ وہ اس سے اغماض کرنے لگے، بزرگون کے کارنامے بھولتے گئے اور ان کی بہادری مبدل بہ بزدلی ہوگئی، عرب کے رہنے والے بدو ایک صحرائے پرخار سے اٹھے اور اپنے خشک ریگستان کے خیمون سے نکل کر دنیا کے سامنے آئے، قیصر نے ان کا لوہا مانا، اندلس نے ان کے آگے سر جھکایا، ہندوستان نے قدم چومے، کیونکہ ان کے پاس اقوام گذشتہ یعنی یہود و نصاریٰ کی ایک نتیجہ خیز تاریخ تھی جسکو وہ ہر روز دنیا کے کامون سے فارغ ہوکر پڑھا کرتے تھے اور وہ قرآن مجید تھا، قرآن مجید مین خداوند تعالیٰ نے اقوام گذشتہ کے واقعات یاد دلا دلا کر افعال قبیحہ سے خوف اور اعمال حسنہ کی ترغیب دلائی ہے، جب تک مسلمان اس تاریخ کو پڑھتے رہے، یہ دنیا کی قومون کے سرتاج بنے رہے، اور اب بھی انھون نے پھر وہ بھولا ہوا سبق یاد کر لیا تو علامۂ اقبال کے یہ شعر ان کے مصداق ہونگے،

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہین، محو حیرت ہون کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

شب گریزان ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

(اقبال)



ع، ہو اسوار دہ صیاد من ہرن جیدم:- صیاد من ہرن کی ترکیب اضافی غلط ہے

جی کو جسکا خیال سمرن ہے دل گرفتار زلف موہن ہے

اس شعر مین زلف موہن اور خیال سمرن کی ترکیب اضافی غلط ہے،

اعلان نون غنہ بحالت اضافت	؎ ابر نیسان برستا ہے میرے آنسو کا، ؎ ماجرا سنکر ہمارے اشک بے پایان کا

مندرجہ بالا دونون مصرعون مین ابر نیسان اور اشک بے پایان کی ترکیبون مین اعلان نون غلط ہے

فک اضافت	کر اس سوزن پلک نے دل مشبک حمایت کے کیئے ہین بند ناکے

ع ہر قطرہ اشک مین ہے ظاہر جال مہ رو

مندرجہ بالا مثالون مین اس "سوزن پلک" کی جگہ اس "سوزن پلک" چاہیئے تھا اور ہر قطرہ اشک کی جگہ "ہر قطرۂ اشک" کا ہونا لازمی تھا،

حذف ناجائز	باغ مین نرگس بیمار طرف گوشۂ چشم سے ایما نہ کیا

"نرگس بیمار طرف" کی بجائے "نرگس بیمار کی طرف" چاہیئے تھا،

(۲) خاتم اُپر تو ختم نبوت کا نگ ہوا:- خاتم کے اوپر چاہیئے تھا نگ کی بجائے نگینہ بہتر تھا

(۳) دل سنگین ترا ہے لوہا لاٹ:- لوہے کی لاٹ چاہیئے تھا،

(۴) سبکہ ہے ہمدرد تیرا اس سبب کہتا سراج:- اس سبب سے کہتا ہے چاہیئے تھا،

مندرجہ بالا چند فردگذاشتون سے قطع نظر کرکے بنظر غائر دیکھا جائے تو سراج کا کلام حسن عشق کی ضیا پاشیون کا بہترین نمونہ ہے، تغزل کے علاوہ کلام مین ولی سے زیادہ گھلاوٹ ہے جس غزل کو پڑھیئے طبیعت یہی چاہتی ہے کہ پوری کی پوری مثال مین درج کیجائے، جس شعر پر نظر پڑتی ہے قابل انتخاب نظر آتا ہے، اور شک پیدا ہونے لگتا ہے کہ کون سے شعر

لیے جائین اور کون سے حذف کر دیئے جائین ؎

من آن زمان کہ بگلزار حسن او نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

باین ہمہ چند چوٹی کے اشعار چھانٹ کر اسی مضمون کے ساتھ ملحق کر دیئے ہین، تاکہ ارباب معانی بعد از مطالعہ و معائنہ اپنے طور پر خود فیصلہ کر لین کہ سراج کا ہمائے تخیل کہان تک پرواز کر سکا ہے، ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را

کلام سراج

گلستان مین نہ یہ نرگس نہ سوسن اور چنبیلی ہے
مرے نازک بدن گلرنگ کی ہر اک سہیلی ہے

بنے ہین بلبلو اتیری جدائی کے محرم مین
گلے مین بلبلون کے موج رنگ گل کی سیلی ہے

تمھاری پنجۂ نازک سے ہو ہمدست حیران ہو
رگ جان یا ہو انگلی سخت دل ہی یا ہتھیلی ہے

دل حیران مین میرے رکے خاطر جمع ہو جاؤ
سراپا آرسی سے ایک پتھر کی حویلی ہے

شکر لب تلخ مت ہو ترش رو ہو کر
حلاوت زندگانی کی مرے حق مین کسیلی ہے

خیال نازک موئے کمر سمجھا نہین جاتا
نجانون چیستان ہی یا معما، یا پہیلی ہے

اگر وہ شمع دیر رحم ہے اپنے پتنگون پر
سراج ان بیکسون کے حال کا اللہ بیلی ہے

مین تو دل صلح ہوں پن (پر) وجہ تغافل کیا ہے
اس قدر معنی روشن کو تامل کیا ہے

ڈوب اس شرم سے پانی مین اگر غیرت ہے
یار سے خندۂ بے شرمی ارے گل کیا ہے

مجھ کو اس زلف نے سب کھول بتائی عقدے
جب کہا معنی سطر خط سنبل کیا ہے

طبع نازک سے ترے خوف ہی مجکو ورنہ
چاک کرنے کو گریبان کے تحمل کیا ہے

ہے کمی دل مین گر شورش عاشق کو سراج
فصل گل مین سبب نالۂ بلبل کیا ہے

کان (کہاں) ہے وہ چہرۂ زری والا | چشم بلبل کی بکتری والا
نرگس شوخ چشم ہے باغی | ہے کدھر چشم عبہری والا
دلدہی کا خیال کیا جانے | نام جس کا ہے دلبری والا
یاد سے اسکی چشم میگون کے | شیشۂ دل ہوا پری والا

بھول جا حرف بے وفائی کا | یاد کر علم آشنائی کا،
آمری آہ کا تماشا دیکھ | گر تجھے ذوق ہے ہوائی کا
شربت زندگی اُسے ہے تلخ | جس نے پایا مزہ جدائی کا

جس کو مزہ لگا ہے ترے لب کی بات کا | ہرگز نہین ہے ذوق اُسے پھر نبات کا
دیکھے سے اس لبوں کے جسے عمر خضر ہے | پیاسا نہین ہے چشمۂ آب حیات کا
اے شوخ بزم ہجر مین روشن ہی شمع آہ | قصہ نہ پوچھ مجھ سے جدائی کی رات کا
آب رواں ہے حاصل عمر شتاب رو | لوح فنا مین نقش نہین ہے ثبات کا

ہین قیامت چشم و ابرو خط و خال | قید کیون کرتے ہوان چارون مین دل
شعلہ رو جب سے نظر آیا نہین، | لوٹتا ہے تب سے انگارون مین دل
ان بھوؤن کے زخم کی لایا ہے تاب | خوب جا بہلا ہے تلوارون مین دل

مری تلخی نزع کی ہین دوائین | تمھارے تبسم کی میٹھی ادائین
شکر گرد کلفت ہوا ور شیر آنسو | ملی ہین کسے اس مزے کی غذائین
دم سرد سین عاشقوں کون ہی راحت | کہان سیر گلشن مین ایسی ہوائین
ارے غنچہ ہر صبح اس خوش دہن سین | مناسب نہین خندہ پن کی صدائین
جگر سینہ چاکون کا حق مین ہمارے | لب زخم سے مانگتا ہے دعائین

نہ پہنچے گا انجام کو ن یہ تسلسل
تمھاری جفائین ہماری وفائین

دو زلفون نے گھیرے ہین چہری کو تیرے
بلائین بھی لیتی ہین تیری بلائین

(گھیرا ہی)
سراج آتش عشق مین جل گیا ہے
پتنگون کی آخر یہی ہین سزائین

روشن دلون کو عجز ہے نام آفرین آب
حرف شکست موج ہے نقش نگین آب

آنسون نے گرد کلفت دل کو فرو کیا
دیکھا ہے کس نے خاک کون بالا نشین آب

چشم طمع کون جلوۂ موہوم ہے مراد
پیاسون کون ہو سراب مین عین الیقین آب

صافی دلون کا عشق ہے رونق فزائے حسن
ہے رنگ بخش گل نظر پاک مین آب

گوہر فشانی لب دریا نثار حسن
موتی ہوا ہے شرم سے خلوت گزین آب

آئی ہو نو بہار دوانون کی بن گئی
بن بن صدائے خندۂ گل ہر چمن گئی

(دیوانون)
برپا ہوا ہی خیمۂ گل صحن باغ مین
آواز بلبلون کی طناب آج تن گئی

شاید کہ عزم سیر گلستان ہی یار کون
لینے کو پیشوا اسے بوئے سمن گئی

کیون کھینچتے ہو ہم پہ تغافل کا نیمچا
دل کی سپر نگاہ کے تیردن سے چھن گئی

مالی نے برگ گل مین لپیٹا ہزار شکر
بلبل موئے پرانت گلابی کفن گئی
(ڑکے بعد)

سن نام تجھ نگین لب لعل کا صنم
کان مین سے آب عقیق یمن گئی

آتش مین غم کے خاک ہو ثابت قدم سراج
تو دیکھ شمع جل گئی پر بے سخن گئی

یار کی وضع بے حجابی ہے
شوخ ہے مست ہے شرابی ہی

تجکو عاشق دو رنگ کیون نہ کہین
زلف کالی ہے لب شہابی ہے

خال موزون صنم کے ابرو پر
نقطۂ فرد انتخابی ہے،

کشور دل مین تجھ جدائی سے
ظلم ہے شور ہے خرابی ہے

دل کہ عرش خدا ہی اس کو نہ توڑ — عاشقون کا سخن کتابی ہے
ہے خجل بسکہ آتشین رُو سے — شمع تب سے سراج آبی ہے

تیری بھوؤن کی تیغ کے جو زو برو ہوا — سب عاشقون کی صف مین وہی سرخرو ہوا
تیر نگہ کا تیر ہی ازبسکہ مو شگاف — ممنون ہر ایک زخم سی مین مو بمو ہوا
رشتے سے موج گل کے ہوئے بہار مین — سب بلبلون کا چاک گریبان رفو ہوا
بر جا ہی گر کہون مین اُسے شیشہ آتشی — چشم سراج آئینہ شعلہ رو ہوا

خنجر عشق کا جو بسمل ہے — تشنۂ آب تیغ قاتل ہے
جو چڑھا دار پر ہوا منصور — یہ محبت کی پہلی منزل ہے
نہین آئینہ روبرو اس کے — لیلیٔ حسن کا یہ محمل ہے
منصب عشق مین زر رخ زرد — مجکو جاگیر غم سے حاصل ہے
ربع مسکون چار عنصر مین — کار فرمائے بیخودی دل ہے
آتش غم مین خاک ہو جانا — بوالہوس کون سراج مشکل ہے

تیری ابرو کی تیغ پیاسی ہے — آ پلا خون عاشقان سبیل
مار کھایا ہے زلف سے تیری — تن پہ سنبل کے ہی علامت نیل
مت ہو مغرور زندگی پہ سراج — آمد و رفت دم ہے کوس رحیل

خیال عکس رخ یار شیشۂ دل مین — میری نظر سے مثال پری نہان آیا
اگرچہ وصل مین ہون بیم ہجر باقی ہے — قرار خاطر بے صبر کون کہان آیا

گوشۂ محراب ابرو مین ترے خال سیاہ — تابع اسلام ہے سردار کفرستان کا

کہتے ہین تری زلف کو دیکھ اہل شریعت — قربان ہو اس کفر پہ ایمان ہمارا
سینے کے طبق مین ہی کباب دل پرسوز — جس دن سے غم ہجر ہے مہمان ہمارا

دل ہمارا ہی لعل بے قیمت — گر پسند اس کو جوہری کی طرح
گرچہ میری نظر مین پنہان ہے — شیشۂ دل مین ہو پری کی طرح
نرگس باغ نے کہان پائی — یار کی چشم عبہری کی طرح

میکش غم کو ن شب مہتاب ہی موے سفید — موسم پیری مین سامان جوانی کیجیے
ہجر کی راتون مین لازم ہی بیان زلف یار — نیند تو جاتی رہی ہے قصہ خوانی کیجیے
یار جانی تو زمانے مین نپٹ نایاب ہے — کیجیے دشمن اگر اپنا تو جانی کیجیے
مت ہو اے دل تو سدا بلبل ہزارون پھول کا — ایک باقی بوجھیے باقی کون فانی کیجیے

وحشی ہوا ہون دلبر گلرو کی چشم کا — کیا کام میرے سامنے آہو کی چشم کا
رخسار پر صنم کے جو خال سیاہ ہے — وہ مردمک ہی حلقۂ گیسو کی چشم کا

نقش قدم ہوا ہون محبت کی راہ کا — کیا دل کشا مکان ہی مرے سجدہ گاہ کا
گرمی سے آفتاب قیامت کے کیون ڈرون — سایہ ہی مجکو سرو قیامت پناہ کا
ڈورے نہین ہین سرخ تری چشم مست مین — شاید چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا
سنبل ہی چونکہ جلوہ نما جوئے یار پر — آنکھون مین میرے عکس ہو زلف سیاہ کا

گل کے مانند مت پریشان ہو — بند کر مثل غنچہ اپنے لب
چاہیے زاہدون کو حجرۂ تنگ — باغ عاشق ہی وسعت مشرب
دل مرا ہی ترے تغافل سین — عندلیب گل بہار غضب
نہ ملے جب تلک وصال صنم — تب تلک فوت ہو مرا مطلب

شمع و پروانہ سے سنا ہے سراج	صدق دل سے ادب ہے ترک ادب
جب کباب دل سینے سیخ آہ کھینچوں بے حجاب	تب تنور چرخ مین چھد جائے قرص آفتاب
ہے بجا گر درس پاؤن عشق کے اُستاد سین	ہے کتابی چہرۂ جانان گلستان کی کتاب
گرچہ ماہِ نو فلک پر ہے ہلالی وقت کا	تاب کیا ہے بیت ابرو کا تیرے لائے جواب
خندۂ دندان نما لازم نہین اے بحر حسن	ورنہ اب جاتی رہیگی آن مین موتی کی آب
جلوۂ خورشید رو حاصل نہین ہوتا سراج	کب تلک جون دود شمع اُس غم سین کھاؤن پیچ تاب
خانۂ زین مین اگر ہو جلوہ گر وہ رشک حور	کیا عجب گر حلقۂ چشم پری ہوئے رکاب
ناز کے دیوان مین اے مطلعِ حسن و جمال	قد ترا ہے مصرع وابرو ہے فرد انتخاب
عکس دکھلا اپنے رخ کا اے دُرِ دریائے حسن	منتظر ہے دیدۂ گرداب اور چشم حباب
اے دل و جانِ سراج آ رحم کر عشاق پر	اب نہین ہے تن مین طاقت مل مت آ انکھوں مین خواب

دیکھ سکتا نہین ہین گل کو ہر اک خار کیساتھ	اپنے ہمراہ رقیبون کو نہ لا ہائے نہ لا
بے طرح اب تو برہ آگ دہکتی ہے سراج	دل مرا کیون نہ پکارے کہ جلا ہائے جلا

اس بہارِ بے بقا سے جز فنا حاصل نہین	فصل گل مین بلبلون کی نغمہ خوانی ہیچ ہے
دوستی اور دشمنی کا کچھ نہین ہے اعتبار	مہربانی ہیچ ہے نا مہربانی ہیچ ہے

کشور دل مین آج ہلچل ہے	عشق کی فوج کا عجب دَل ہے
صاف کر دل کو ن خاکساری سے	لازم اس آرسی کون صیقل ہے

ہوئی جوشِ محبت سے زبان بند	صنم کا درمیان جب نام آیا
سراج آنے مین اس جادو نظر کے	شکیب و طاقت و آرام آیا

کیون نہ ہون قتل دم بدم عاشق	ہین بھوین ذوالفقار کی صورت

ناامیدی مین جلوۂ دیدار
ہے خزان مین بہار کی صورت

ہین صاد اسکی آنکھین، اور قد الف کے مانند
ابرو ہین نون، نادگیسو ہے لام گویا

نگین بہار جنت، دوزخ ہے مجکون اس بن
دوزخ ہے اس کے ہوتے دارالسّلام گویا

جہان مجھ غم کی آتش جلوہ گر ہے
وہان دوزخ کا قصہ مختصر ہے

مجھے ہے سیرِ صحرا پادشاہی
پھپولا پاؤن کا سر کا چتر ہے

ابروئے پرچین سے کرتا ہے شہید
کیا بلا شمشیر جوہر دار ہے

ہر ادا اُس عشوۂ خونریز کی
حق مین میرے تیر ہے تلوار ہے

دو مجھے لاکھ دام کی جاگیر
زلف کھولو بڑی رعایت ہے

نقدِ دیدار بوالہوس کو نہ دو
اس مین سرکار کی کفایت ہے

ہر چمن مین شگفتہ رو ہونے
گل کے مانند مشت زر کان ہے؟

ترک مطلب ہے مطلبِ مجنون
(کہان ہے)
شجرِ بید کون ثمر کان ہے؟

مجھے ظالم نے گریان دیکھ بولا
کہ اس عالم مین طوفانی یہی ہے

زمین یار کا نقشِ کفِ پا
ہمارا خطِ پیشانی یہی ہے

یار نے ابرو و مژگان سے مجھے صید کیا
صاحب تیر و کمان تھا مجھے معلوم نہ تھا

نگہِ شوخ نے دل ایک کرشمے مین لیا
کیا بلا سیف زبان تھا مجھے معلوم نہ تھا

ہے دلِ پرسوز کون میرے خیالِ کوئے دوست
دوزخی کون ہے بہشتِ دلکشا کا اشتیاق

شام غم کون ہے امیدِ صبحِ عشرت دمبدم
سورۂ واللیل کون ہے والضحیٰ کا اشتیاق

آفتاب آئینۂ نقش کف پا ہے تیرا
کیا مگر باقی ہے اعجازِ یدِ بیضا ہنوز

عاشقون کا رنگِ زرد و اشک گلگون دیکھ کر
چھوڑتا نین ہے دورنگی دگل رعنا ہنوز
(نہین)

جب سے دیکھا ہی خط سبز مین تیرے لب سرخ   تب سے سبزے مین چھپی پان کی لالی ای شوخ

شہر مین الفت صحرا ہے مجھے دامنگیر   کیا قیامت ہے تری چشم غزالی ای شوخ

حسن کو ن ہے نقد ناز اور عشق کو جنس نیاز   پھر عبث شکوہ ہے یہ سودا ہوا ہی خوش خرید

باغ مین ہم مرگئے محروم فیض گلبدن   ہین ہمارے آج پھول اور بلبلون کے حق مین عید

رہ نوردان جنون کو فتح باب فیض ہے   آبلون کے قفل کی خار بیابان ہے کلید

باغ کی گلگشت کا گر شوق ہی ای سرو قد   آرسی مین دیکھ صورت سیر گلشن کو نہ جا

تغافل ترک کر اے شوخ بے باک   تلطف کر نوازش کر مدارا

ہر صفحہ اسکے حسن کی تعریف کے طفیل   گلشن ہوا، بہار ہوا، بوستان ہوا

گل داغ جفا سین دل میرا   بوستان ہی چمن ہے گلشن ہی

ہوش عاشق کا سلامت کیون رہے   لب بلا، بالا بلا، ابرو بلا،

ہمارا جلوہ فرما دل نہ جانے ناز کرتا ہی   ادا یا سحر یا جادو ہے یا اعجاز کرتا ہے

دل آرام سین ایک دم دور رہنا   ستم ہے، الم ہے، جفا ہی بلا ہے

اے دل و جان سراج آ رحم کر عشاق پر   اب نہین ہے تن مین طاقت دل مین تاب آنکھون مین خواب

کیا سبب دیکھ رہا آئینہ اے شوخ تجھ   کیون پشیمان نہ ہوا سر بگریبان نہ ہوا

شبخون کا عزم ہے صف عشاق پر اگر   مسی لگا کے پان کے بیڑے چبایئے

اس چشم نیم خواب کا کافی ہے ایک دور   تم آرزوئے بادۂ انگور مت کرو

مت بوجھ سوز عشق سین فارغ سراج کو   پروانہ وار جان سے بلہا تھا سو ہی
(جان)

مجھے بھی خوار کیا آپ بھی خراب ہوا   مین جان بلب ہون دل بیقرار کے ہاتھون

سب دیکھتے تھے چاند کون مین یار کی طرف   اسکی بھوین جدھر تھین ادھر کون ہلال تھا

غم نے پیلا کیا ہمارا رنگ ۔۔۔ کیمیا گر نے زر کیا مس کا

ہجوم اشک سین موتی بھرے ہین دامن مین ۔۔۔ ہے چشم تر سے مرے پاس کان گوہر خیز

مثالِ عکس سب کی آنکھون کے دَرپن (آئینہ) کے اندر ہو ۔۔۔ ہوا معلوم یون ہمکون کہ طالع کے سکندر ہو

کیا اس سرو قد نے کل کا وعدہ ۔۔۔ قیامت پہ رہا دیدار موقوف

صیاد چاہتا ہی دل بیقرار مفت ۔۔۔ لیکن کہین بھی ہاتھ لگا ہے شکار مفت ؟

حجاب جلوۂ دیدار ہے مجھے مانع ۔۔۔ دگرنہ یار سے آسان ہی ہمزبان ہونا

نہین درکار تیغ کج ادائی ۔۔۔ تری سیدھی نگہ تیر ہدف ہی

سبزے نے خط کے حسن کی افزون کیا بہار[1] ۔۔۔ اس ناز بو نے زیب دیا صحن باغ کو

کبتک روا رکھوگے تغافل سر تج پر ۔۔۔ اب اس قدر بھی خوب نہین سرگرانیان

کیا ہوگا جو کھولوگے گرہ زلف سے اپنی ۔۔۔ آسان کرو عقدۂ مشکل کو ہمارے

تڑپنا تلملانا، غم سین جلنا، خاک ہو جانا ۔۔۔ یہی ہے افتخار اپنا یہی ہے اعتبار اپنا

رخ ہی مصحف بھوین ہین بسم اللہ ۔۔۔ زلف تیری ہے سورۂ اخلاص

ہوش کھونے کو مے نہین درکار ۔۔۔ گردشِ چشم مست کافی ہے

میرے گھر جب سین گروہِ مہ ابرو ہلال آئے ۔۔۔ رقیب شوخ طینت کے ستارے پر زوال آوے

بے فکر مین نہین، کہ صنم مست خواب ہی ۔۔۔ کیا کیا بلا کرے گا جو بیدار ہوویگا

سب پر ہے کرم مجھ پہ ستم کیا ہے دو رنگی ۔۔۔ دلدار کسی کا ہے دل آزار کسی کا

دل لیا نرگسِ ساحر نے تری ۔۔۔ سچ ہے جادو مین اثر ہوتا ہی

غیر کون بار نہ دو اپنی گلی مین ہرگز ۔۔۔ گلشنِ خلد مین کچھ کام نہین خارون کا

---

[1] افزون کیا بہار کی جگہ، افزون کی بہار چاہئے تھا،

گوشۂ محراب ابرو مین ترے خالِ سیاہ — تابع اسلام ہے سردار کفرستان کا

تنہا نہین ہون دشتِ محبت مین اے صنم — غم ساتھ، درد قافلہ، اور دکھ رفیق ہے

تمہاری زلف کے جس دن سے تار بکھرے ہین — ہوئی ہے جمع مرے پاس سب پریشانی

نزدیک جب سے درد جدائی ہوا سراج — چارون طرف سے عیش کون یان دور دور ہے

بلبل ترے دہن کی لطافت کون دیکھ کر — صندوق غنچہ بھر کے زر گل نذر کرے

خواب آشفتۂ ہستی کی یہی ہے تعبیر — غیر فانی ہے مگر جلوۂ حق باقی ہے

دل بسکہ یاد دوست سے آئینہ رنگ ہے — نقشِ خیال حسن پری اس پہ دنگ ہے

قیامت ہین نین اس موکمر کے — عجب چنچل ہرن پالے ہین گھر کے

شوخ سرکش مطیع ہے میرا — مرتبہ کیا رفیع ہے میرا

ہرگز گذر نہین ہے یہان عشق غیر کو — دل عاشقون کا آئینۂ بے مثال ہے

تمام بوقلمونی کا ہے تجلّی گاہ — نہین خدائی مین دل کی مثال شیشا کا

دریائے مدعا کی لائے ہین تھاہ جب سے — ہر بوند[1] اشک کا ہے درِ عدن ہمارا

دیوانے کو مت شور جنون یاد دلاؤ — ہرگز نہ سناؤ اُسے زنجیر کی آواز

تجھ بغیر اے شمع بزم ناز جلتا ہی سراج — حسن کے پرتو سے روشن کر شبستانِ فراق

سراج اشعار تیرے کیا بلا ہین،
بھبوکے ہین مگر سوز جگر کے!

---

[1] بوند کو مذکر باندھا ہے۔

مرزا غالب کے بچپن کی ایک تحریر

از شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ

مرزا غالب رجب ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے تھے، پانچ برس کی عمر میں وہ یتیم ہوئے یعنی ان کے والد ایک لڑائی میں مارے گئے، اس کے دو برس بعد کی ایک تحریر مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کے کتبخانہ حبیب گنج (علی گڈھ) میں محفوظ ہے، یہ ایک قسم کی دستاویز ہے، جبکو ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۴ء میں غالب مرحوم نے خدا داد خان اور ولی داد خان کے پاس اپنا مکان گرو رکھکر جو روپیہ دست گردان لیا تھا اس کے عوض میں لکھکر ان کے حوالہ کیا تھا، مرزا کی یہ تحریری دستاویز حسب ذیل ہے:-

خانصاحب مشفق مہربان خدا داد خانصاحب و ولی داد خانصاحب سلامت، از اسد اللہ خان عرف مرزا نوشہ، بعد سلام معلوم فرمایند کہ چون آن صاحبان یا جناب والدہ صاحبہ قبلہ و کعبہ حضرت عزت النساء بیگم صاحبہ مدظلہ (ظلہا) العالی ہم بطریق رہن حویلی و ہم بسبیل دستگردان طرح داد و ستد درمیان دارند، بلحاظ امر ناگزیر کہ لازم نفوس بشری است، دلجمعی خود ازین جانب می خواہند لہذا نوشتہ می بود کہ خدائے جہان آفرین جناب بیگم صاحبہ قبلہ یعنی والدہ صاحبہ را تا دیرگاہ دارد، بذات خود مالک آن ہر دو حویلی اند و دیگرے را در آن ہیچگونہ شرکت و انبازی نیست، و اگر احیاناً خدانخواستہ باشد امر ناگزیر کہ لازم ذات انسانست پیش خواہد آمد، آنچہ از املاک مملوکہ و مقبوضہ جناب ممدوحہ بتصرف این گنہگار خواہد آمد از آن مجموع اول ادائے قرضہ آن صاحبان کردہ خواہد شد، اگر ناگاہ قیمت آن مجموع بادای قرضہ آن صاحبان کفایت نکند گر

بقیہ قرضۂ آن صاحبان از نیز دخود ادا خواہم کرد، لیکن این معنی بخاطر باشد کہ چون جناب والدہ صاحبہ نوشتن وخواندن میدانند لہذا قرار داد آنست کہ ہر تمسک مہری جناب والدہ صاحبہ کہ بے دست خط جناب ممدوحہ خواہد شد کہ از مایۂ اعتبار ساقط متصور خواہد شد،

خلاصہ این کہ آن صاحبان ہرزرے کہ بجناب والدہ صاحبہ قبلہ بسبیل قرض دہند تمسک مہری جناب ممدوحہ حاصل کردہ نزد خود دارند، ہر تمسک کہ این چنین خواہد بود از مندرجۂ آن اگر بحسب اتفاق بذمۂ جناب ممدوحہ باقی خواہد ماند از جناب ممدوحہ ادائے آن زرخواہ از املاک متروکہ خواہ از جاداد خاص خودمن کل الوجوہ بذمۂ من خواہد بود ہرگز درین امر تردد نفرمایند داین خط را کہ من بدست خود درحالت ثبات حواس بے جبر و اکراہ برضائے خود نوشتہ ام دستاویز کامل شناسند، فقط نگاشتہ سی ام جنوری سنہ ۱۸۱۴ء،

(مربع مہر)	عرف مرزا نوشہ اسد اللہ خان ۱۲۱۹ھ

سنہ ۱۹۱۲ء کی پیدائش کے لحاظ سے سنہ ۱۲۱۹ مطابق ۳۰ جنوری سنہ ۱۸۰۴ء مین انکی عمر سات آٹھ برس کی ہو گی، اس عمر کے لحاظ سے فارسی کی یہ عبارت بھی، مرزا مرحوم کے فطری کمال کی ایک مزید شہادت ہے اس کا خط کسی قدر شکستہ آمیز ہے، مگر نہایت صاف ہے، اس دستاویز سے مرزا کے سوانحِ حیات کے متعلق چند نئی باتین معلوم ہوتی ہین،

دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا مرحوم کی فارسی استعداد کسیقدر اچھی ہو. مگر عربی سے ہنوز ناواقف تھے، چنانچہ دستاویز مین اپنی والدہ کے لیے انھون نے مدظلہا کی جگہ مدظلہ، مذکر کی ضمیر استعمال کی ہے، مرزا مرحوم کی والدہ کا حال انکی کسی سوانح نگار نے نہین لکھا ہے، مگر اس دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی والدہ کا نام عزت النسا تھا اور وہ لکھی پڑھی تھین، چنانچہ لکھتے ہین کہ "والدہ ماجدہ نوشتن و

خواندن می دانند، تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آگرہ مین ان کی متعدد املاک تھین جسکی تفصیل مولانا حالی نے یادگار غالب مین کردی ہے، یہ بھی ثابت ہوتا ہے مرزا بچپن ہی سے افلاس کے دام مین پھنسے اور جاگیرین اور املاک رہن رکھنے لگے تھے،

تلخیص و تبصرہ

مصر قدیم
مین
قلعۂ بابلیون کے چند آثار

مصر قدیم مین رومیون نے اپنے عہد حکومت مین شہر بابلیون بسایا تھا، اور شہر کی حفاظت کیلئے اس کے جانب شمال مین ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کیا تھا، جسے بعض تاریخی روایات کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے، قلعہ تو مسمار ہو چکا لیکن اس قلعہ کے چند آثار، وتہ الکبریٰ کی یادگار کے طور پر اب بھی باقی ہین، قلعۂ بابلیون کو تاریخی حیثیت سے یہ خاص اہمیت حاصل ہے کہ قلعہ کے اسی حصار مین ایرانیون کے عہد حکومت مین قصر الشمع واقع تھا جس کے آثار رومیون کے عہد حکومت سے گذر کر مسلمانون کے زمانہ تک باقی رہے، چنانچہ قصر الشمع مین مجوسیون کا ایک عظیم الشان ہیکل تھا جسمین برابر آگ جلتی رہتی تھی، اس ہیکل کے اوپر ایک قبہ بنا ہوا تھا جسے قبہ الدخان یا دھوان کا قبہ کہا جاتا تھا، جب مسلمانون کے زمانہ مین اس ہیکل کا مجوسیون سے قطع تعلق ہو گیا تو انھون نے اس عبادتگاہ کو مسجد بنا لیا اور اسکو اس کے قدیم نام کی مناسبت سے مسجد الدخان کہنے لگے، ایرانیون نے قصر الشمع کی تعمیر اسلیے کی تھی کہ جب شمسی مہینہ شروع ہوتا اور ان کے علم ہیئت کے لحاظ سے آفتاب ایک برج سے دوسرے برج مین منتقل ہوتا تو وہ اس دن قصر الشمع کی بلندی پر خوب چراغان کرتے تھے تاکہ ملک مین مہینہ کے آغاز کا اعلان ہو جائے،

مصر مین رومیون اور مسلمانون کی آخری یادگار جنگ اسی قلعہ پر ہوئی تھی، رومی سات مہینے تک
اس مین محصور رہے، پھر جب محاصرے کی سختیان ناقابل برداشت ہوگئین تو ایک پل کو عبور کرکے جزیرۂ
روضہ مین چلے گئے، اور مسلمانون کے تعاقب سے بچنے کے لیے پل کو برباد کر دیا، فاتحِ مصر حضرت عمرو
بن العاصؓ قلعہ خالی پاکر فاتحانہ داخل ہوئے اور اس کو مال غنیمت مین شمار کرنے کی بجائے حکومت کے
مصالح کے لیے وقف کر دیا، چنانچہ مصر مین عباسیون کے ابتدائی دورِ حکومت مین حکومت کے تمام
محکمے اسی قلعہ مین قائم تھے،

پھر انقلاب ایام سے رفتہ رفتہ اس قلعہ پر ادبار آیا، اور جابجا سے قلعہ کے مختلف حصّے گرنے لگے
اور اسکی اینٹین پتھر اور دیگر سامان شہر مین منتقل کئے جانے لگے، چنانچہ شہر فسطاط کی عمارتون کے آثار
اور قاہرہ کی قدیم دیوارون مین وہان کے پتھر آج بھی نظر آتے ہین،

دولت فاطمیہ کے اخیر زمانہ مین یہ قلعہ بالکل مسمار ہوگیا، صرف اس کے تین برج اور شہر پناہ کے
بعض حصّے بطور آثار کے باقی رہ گئے ہین، یہ آثار باقیات قلعہ کی اصل عمارت سے جنوب مین واقع ہین
جہان گذشتہ زمانہ مین فوج کی چھاؤنی قائم تھی، قلعہ کے اندر شمال مشرق مین ایک وسیع میدان تھا، اس
میدان مین آجکل قبطیون، رومن ارتھوڈکس اور کیتھولک فرقے کے قبرستان ہین، اور یہین قبطیون
کی مقدس راہبہ ایک علیحدہ چہار دیواری میری جرجس مین آرام کی نیند سوتی ہین،

ان تینون برجون مین سے ایک برج مقوقس ہے جو کنیسۂ معلقہ کے سامنے پڑتا ہے، اس
برج مین منقش پتھر لگے ہوئے ہین جنکی صنعت قدیم نقش ہیروغلیفی سے ماخوذ ہے، اس کا دروازہ
رومانی شکل کا ہے، جسے باب مقوقس سے موسوم کیا جاتا ہے، اس دروازہ کے بعد ایک دہلیز
پڑتی ہے اور دہلیز کے وسط مین مربع شکل کے پتھر کے مختلف ٹکڑون کے چند کھمبے ہین، یہ پتھر ایک
دوسرے پر چنے ہوئے معلوم ہوتے ہین اور رخام کے چند ستون پر نہایت باریک صنعت کا رخام

کا ایک ممبر رکھا ہوا ہے، اسکی چھت بھی پتھر ہی کی ہے جو طولاً و عرضاً سنگ مرمر کے ستونون کی چار صف پر قائم ہے، لیکن چھت مین کسی قسم کا نقش و نگار نہین ہے، کچھ زمانہ گذرا کہ نخلہ بک باراتی نے اس کی مرمت کرائی تھی،

قلعہ کا دوسرا برج جو باقی رہگیا ہے، وہ بھی برج مقوقس کہا جاتا ہے، یہ اسطوانی شکل کا ہے، جو کلیسہ معلقہ کے شمال مغرب مین واقع ہے، اس کا نصف شمالی حصہ جدید عمارتون کے گھیر مین آگیا ہے،

تیسرا برج بھی برج مقوقس کے مشابہ ہے، رومن ارتھوڈکس نے اس برج کے چہار طرف ایک اور برج تعمیر کیا ہے، اس طرح جدید برج قدیم رومانی برج پر محیط ہو گیا ہے، اس جدید برج مین ایک گرجا بیری جرجیس کے نام سے بنایا گیا ہے، ان برجون کے علاوہ ایک قدیم رومی دروازہ بھی ہے، بیری جرجیس کا راستہ اسی دروازہ سے ہو کر گذرتا ہے،

غرض رومیون کے عظیم الشان قلعہ بابلیون کا جو کبھی رومیون کے جاہ و جلال کا مظہر رہ چکا تھا یہ انجام ہوا،

(مقتطف) ز

مدینۂ منوّرہ

کا

کتب خانۂ عارف حکمت بک،

تیرہوین صدی ہجری کے اواخر مین عارف حکمت بک ٹرکی کے شیخ الاسلام تھے، وہ کتابون کے بڑے شائق تھے، اور انکا بڑا ذخیرہ ان کے پاس تھا، ۱۲۷۰ھ مین انھون نے یہ تمام ذخیرہ سرزمین پاک یثرب مین استفادۂ عام کے لیے وقف کر دیا، اس کتب خانہ مین گیارہ بارہ ہزار سے زیادہ کتابین ہین، جنین زیادہ تر قلمی کتابین تھین، سات سو خاص شعرائے عرب کے دوادین ہین، یہ کتب خانہ باب جبرئیل کے قریب ایک خوبصورت عالیشان عمارت مین قائم ہے، کتب خانہ کے اخراجات کیلیے

کتب خانہ کے بانی نے ایک وقف بھی چھوڑا ہے، جس سے اس وقت اس کے اخراجات چلتے ہیں، ملازمین کتب خانہ میں سے ناظم اور محافظ اول کی سات سات سو قرش تنخواہیں ہیں، محافظ دوم کی چھ سو اور محافظ سوم کی ۵۰۰ قرش تنخواہ ہے، علاوہ ازیں محافظ چہارم، جلد ساز، دربان، بہشتی، اور جاروب کش وغیرہ ملازمین کتبخانہ ہیں،

اس کتب خانہ کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مطبوعہ کتابوں سے زیادہ نایاب، نادر قلمی کتابیں ہیں، اگرچہ ان میں کی اکثر کتابیں طبع ہو چکی ہیں تاہم کتابت میں خاص امتیاز رکھنے کے ساتھ بعض مخصوص تاریخی اہمیت رکھتی ہیں جسکی تفصیل پر ذیل کی فہرست سے قدرے روشنی پڑے گی،

(۱) ایک مجلد قرآن مجید شتر مرغ کے چمڑے پر بہترین اندلسی خط میں لکھا ہوا ہے، جسے ۵۸۸ھ میں عبدالرحمن بن علی بن محمد بن مرزوق بن احمد بن مکانس بطلیوسی نے مریہ (اندلس) میں لکھا تھا، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک تفسیر قرآن ۳۱۳ھ کی لکھی ہوئی کتبخانہ میں محفوظ ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس کے چند اجزاء ضائع ہو گئے ہیں (۲) نویں صدی کے مشہور عالم جلال الدین سیوطی کی ایک کتاب محاضرات و محاورات خود انھی کے ہات کی لکھی ہوئی ہے (۳) ایک کتاب افعال ابن القوطیہ بھی نوادر میں ہے جو ۶۷۹ھ کی لکھی ہوئی ہے (۵) ابو اسحاق بن ابی عون البغدادی کی ایک تصنیف کتاب التشبیہات ہے، اس کا ایک نسخہ مشرقی خط میں لکھا ہوا اس کتب خانہ میں بھی ہے جسکا سنہ کتابت ۶۲۶ھ ہے (۶) ملا شاہی کا فارسی دیوان بھی اس کتب خانہ میں قلمی موجود ہے، یہ دیوان بہترین خط ابیض میں لکھا ہوا ہے (۷)، رضی الدین محمد بن ابراہیم حنبلی حلبی کی کتاب کتاب الزبد و الضرب فی تاریخ حلب بھی یہاں قلمی موجود ہے (۸) محمد بن سلام الجمحی کی طبقات القراء (۹) جمال الدین ابو عبید اللہ بن احمد المطری کی کتاب التعریف بما انست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ بھی وہاں موجود ہے، کتاب التعریف میں فضائل مدینہ منورہ، فضائل مسجد نبوی صلعم، مدینہ منورہ کی دیگر مسجدوں، وادی مدینہ اور وادی عقیق کے حالات، اور حرم کے حدود وغیرہ بیان کئے گئے ہیں،

(۱۱) اسی طرح سید محمد کبریت المدنی کی کتاب الجواہر الثمینہ مکتوبہ ۱۰۷۲ھ اور انکی کتاب نصر من اللہ فتح قریب، کا قلمی نسخہ جس مین فضلائے مدینہ کے تراجم مین موجود ہے، (۱۲) اسی طرح علامہ ابوالحسن علی بن یحیی بن عیسی بن جزلۃ الطبیب البغدادی کی تقویم البلدان فی تدبیر الانسان کا ایک قلمی نسخہ اور (۱۳) یحیی بن ابی بکر العامری کی غربال الزمان المفتح لسید ولد عدنان کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے، عامری کی یہ تصنیف امام اسعد یافعی کی مختصر یا ملخص ہے، جس مین بہ ترتیب سنین ۸۸۰ھ تک کے تاریخی واقعات اور اس زمانہ تک کے مشاہیر کے تراجم بیان کئے گئے ہین، ان کتابون کے علاوہ (۱۴) الرائی الشہیر با بن حذا ئبردی المتوفی ۱۱۹۵ھ کی البرق المتألق فی محاسن جلق (۱۴) نوین صدی کے بودی دمشقی کی النجوم الزواہر فی معرفۃ الاواخر (۱۵) کتاب محذرات القصور فی تاریخ اہل العصور لابن قطری الجزی المورخ المصری المتوفی ۹۵۰ھ اور کتاب ایمان العرب لابی اسحق النجیری الکاتب کا ایک ایک قلمی نسخہ اس کتب خانہ مین موجود ہے،

افسوس ہے کہ بانی کتب خانہ کی آخری عمر کی تمام جمع کردہ کتابین ضایع ہوگئین، کیونکہ ان کا انتقال ایک دوسری جگہ ہوا، اور وہ تمام کتابین جو ان کے پاس تھین، ناقدر دانون کے ہاتھون نہایت سستے دامون فروخت ہوگئین، انھین کتابون مین عربی علم ادب کی مشہور کتاب کتاب الاغانی بھی تھی، یہ وہی نسخہ ہے جو مطبوعہ صورت مین ارباب علم تک پہنچا،

کتب خانہ عارف حکمت بک کے لیے یہ سخت قابل تاسف امر ہے کہ اسکی فہرست اب تک شائع نہین ہوئی کہ ارباب ذوق مستفید ہوسکین، شاید حجاز کا جدید انقلاب حکومت اس کتب خانہ کو راس آئے، اور علم دوست سلطان ابن سعود کی توجہ اس کتب خانہ کی طرف بھی منعطف ہوجائے،

(الزہرار) "ر"

فنلینڈ مین تعلیمی جدّ وجہد

دول یورپ مین فنلینڈ کی عجب مختلف حیثیات ہین، اگر اسے جغرافی حیثیت سے دیکھا جائے

تو روس کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ وہ ایک صدی پیشتر روس ہی کا ایک حصہ تھا، تا آنکہ جنگ عظیم مین اس کو آزادی حاصل ہوئی، اور وہان ایک مستقل حکومت کی بنا پڑی، اور اگر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالیئے تو اُسے سوئیڈن کا ایک حصہ کہا جائے گا، کیونکہ سب سے پہلے سوئیڈن والون ہی نے وہان اپنی نوآبادی قائم کی، اور وہان کے باشندون کو علم سے روشناس کیا چنانچہ ۱۸۶۰ء تک وہان کی ادبی اور تعلیمی زبان سوئیڈن والون ہی کی زبان تھی، اور اس وقت بھی سوئیڈن والون کے متعدد تعلیمی انسٹیٹوشن قائم ہین، اور جب اسکو تعلیمی اعتبار سے دیکھتے ہین تو یورپ کا یہ مختصر حصہ اس حیثیت سے بہت زیادہ ترقی یافتہ نظر آتا ہے، چنانچہ یہان کے باشندون مین ۹۹ فیصدی سے زیادہ تعلیم یافتہ اشخاص ہین، اسی طرح یہان سے جو اخبارات نکلتے ہین ان کی تعداد یہان کی مختصر فہرست کے تناسب سے حیرت انگیز ہے، چنانچہ ۱۹۲۳ء مین فنلینڈ کی زبان مین ۲۰۴، اخبارات نکلتے تھے، اور ۹۶، اخبارات سوئیڈن کی زبان مین، فنلینڈ، سوئیڈن کی مشترک زبان مین ۹ اور بعض دیگر غیر ملکی زبانون مین ۵، اخبارات شائع ہوتے تھے،

فنلینڈ مین اس وقت تین یونیورسٹیان ہین، ان مین سے سب سے بڑی یونیورسٹی فنلینڈ کے دار السلطنت ہیلگفرز مین ہے، یہ یونیورسٹی ۱۶۴۰ء مین شہر ابو مین قائم ہوئی تھی پھر ۱۸۲۸ء مین منتقل ہو کر دار السلطنت مین چلی آئی، یہ حکومت کی طرف سے قائم ہے، اس کے اخراجات خزانۂ عامرہ برداشت کرتا ہے، اس مین ۱۹۲۴ء مین تقریباً ۲۷۲ پروفیسر، اور ۲۶۴۹ طلبہ تھے جن مین سے ۸۴۳ خواتین تھین، اور باقی دو یونیورسٹیان شہر ابو مین قائم ہین، ان مین سے ایک سوئیڈن والون کی ہے، جو ۱۹۱۹ء مین قائم ہوئی تھی، اس مین ۱۳۵ اساتذہ، اور ۲۷۴ طلبہ ہین جنمین سے ۲۸ عورتین ہین، دوسری یونیورسٹی فنلینڈ والون کی ہے، یہ ۱۹۲۲ء مین قائم ہوئی ہے، اس مین ۲۰ پروفیسر اور ۱۵۰ طلبہ ہین جنمین سے عورتین ۴۱ ہین، یہ دونون یونیورسٹیان حکومت کے نزدیک تسلیم شدہ ہین، اور حکومت کی طرف سے ان کے فارغ التحصیل طلبہ کو ڈگریان بھی ملتی ہین،

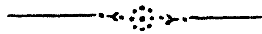
وہان کی ان تین یونیورسٹیون کے علاوہ دیگر مدارس کے اعداد و شمار یہ ہین، دار الحکومت مین ایک مدرسہ صرف علم سیاست کی تعلیم کے لیے ہے، جسمین ۸۲ اساتذہ اور ۲۰۵ طلبہ ہین جنمین عورتون کی تعداد ۱۶۱ ہے مدارس ثانویہ کی تعداد ۷۰ تک پہنچتی ہے، مدارس بحریہ مین صنعت و حرفت کی تعلیم کے لیے ۱۰۸ مدرسے قائم ہین، زراعت کی تعلیم کے لیے ۳۹، مویشیون کی نگہداشت سکھانے کے لیے ۳۶، درختون اور جنگلون کے متعلق ۷ مدرسون مین تعلیم دیجاتی ہے، تجارتی تعلیم کے لیے ۲ مدرسے ہین، اور اساتذہ کی تعلیم کے لیے ۸ ٹریننگ اسکول قائم ہین،

یہان آخری جنگ عظیم سے پیشتر زراعتی تعلیم سب سے اہم تصور کیجاتی تھی، لیکن جنگ کے بعد اور وسعت پیدا کیگئی ہے، چنانچہ اب ان یونیورسٹیون مین برقیات، کیمیا، اور ہندسہ وغیرہ خاص توجہ سے پڑھائے جاتے ہین،

(مقتطف) م

اخبار علمیہ

مصری یونیورسٹی کی جدید تعمیرات، مصری یونیورسٹی کی مجلس نے طے کیا ہے کہ یونیورسٹی کے ماتحت ایک قانون کا کالج اور ایک فنون کا کالج قائم کیا جائے، اور یونیورسٹی کے احاطہ مین ایک وسیع کتب خانہ کی بنا ڈالی جائے، اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سب سے پیشتر عمارتون کی ضرورت ہے، چنانچہ وزیر تعلیمات کی کوششون سے وزارت مالیہ نے ان دونون کالجون اور کتب خانہ کی عمارتون کی تعمیر کیلئے بجٹ منظور کر لیا ہے، ان عمارتون کے سلسلہ مین ایک وسیع ہال کی تعمیر بھی پیش نظر ہے، جس مین دو ہزار سے زیادہ نشستون کی گنجائش ہوگی، اس سلسلۂ تعمیرات کے مصارف کا تخمینہ ایک لاکھ ۶۰ ہزار پونڈ لگایا گیا،



تعمیرات کے سلسلہ مین یونیورسٹی کے پیش نظر ایک نئی تجویز بھی ہے، وہ چاہتی ہے کہ یونیورسٹی کے تمام طلبہ اس کے احاطہ کے متصل یکجا اقامت پذیر ہون، اسکو عمل مین لانے کے لیے یہ صورت بہتر سمجھی گئی کہ یونیورسٹی کے احاطہ کے قریب ایک نیا محلہ آباد کیا جائے جو صرف طلبہ کے لئے مخصوص ہو اور اسی مناسبت سے اس محلہ کو "حی الطلبہ" سے موسوم کیا جائے، چنانچہ اس کے لیے بھی وزیر معارف کی مساعی سے یونیورسٹی کے احاطہ کے جنوب مین، ۱۱ ایکڑ خاص سرکاری زمین یونیورسٹی کو مل گئی ہے،



سب سے چھوٹا ہوائی جہاز، حصول تجربہ اور اظہار صنعت کے لئے چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہوائی جہاز بطور نمونہ تیار کئے جا رہے ہین، چنانچہ ابھی حال مین ایک سب سے چھوٹا ہوائی جہاز تیار کیا گیا ہے، جسکا

مجموعی وزن صرف ۳۲۰ رطل (پونڈ) یعنی چار من ہے اس پر صرف ایک آدمی پرواز کر سکتا ہے، اس کے پرواز کی بھی آزمایش کیگئی جس سے اس کی رفتار ایک گھنٹہ مین ۹۰ میل ثابت ہوئی، جس مین صرف ایک گیلن پٹرول صرف ہوا،

سونے کی کمی روز افزون، ماہرینِ معادن کا خیال ہے کہ مستقبل مین سال بہ سال سونے کی کانون سے سونا دستیاب ہونے مین محسوس کمی ہوتی جاویگی، اس خیال کی تائید مین سنہ ۱۹۱۵ء اور سنہ ۱۹۲۴ء کے اعداد وشمار پیش کئے جاتے ہین، جن سے واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۴ء مین بہ نسبت سنہ ۱۹۱۵ء کے ۸۱ ملین ڈالر (۱۶ ملین پونڈ سے کچھ زیادہ) سونا کم دستیاب ہوا، دونون سال کے اعداد وشمار یہ ہین:-

نام ملک	سنہ ۱۹۱۵ء	سنہ ۱۹۱۴ء ڈالر
جنوبی افریقہ،	۱۸۸۰۳۳۰۰۰ ،	۱۹۷۹۳۵۰۰۰ ڈالر
ولایات متحدہ امریکہ،	۱۰۱۰۳۶۰۰۰ ،	۵۰۵۷۰۰۰۰ ″
کناڈا،	۱۸۹۷۸۰۰۰ ،	۳۱۵۳۲۰۰۰ ″
اسٹریلیا،	۴۹۹۸۸۰۰۰ ،	۱۶۸۹۴۰۰۰ ″
میکسکو	۶۵۵۹۰۰۰ ،	۱۶۴۸۰۰۰۰ ″
روڈیسیا،	۱۸۹۱۵۰۰۰ ،	۱۳۰۰۲۰۰۰ ″
روس وسائبیریا	۲۶۳۲۳۰۰۰ ،	۱۳۰۰۲۰۰۰ ″
برطانوی ہند	۱۲۷۴۹۰۰۰ ،	۸۱۹۳۰۰۰ ″
دوسرے ممالک	۴۷۴۴۵۰۰۰ ،	۴۲۷۰۱۰۰۰ ″
مجموعہ —	۴۷۰۰۲۶۰۰۰ —	۳۸۹۱۷۰۰۰۰ ڈالر،

اس سلسلہ مین ماہرین اقتصادیات کے لیے یہ واقعہ اور زیادہ تشویش انگیز ہے کہ ہرسال بازارون سے سونے کی خاصی مقدار لاپتہ ہوجاتی ہے، چنانچہ امریکہ کے اکتشاف کے وقت سے اس وقت تک تقریبا ۔۔۔۔۴ ملین پونڈ سونا مختلف کانون سے نکالا جاچکا ہے، لیکن اسوقت بازار مین صرف ۲۰۰۰ ملین پونڈ باقی ہے، ماہرین اقتصادیات اس گمشدگی کا الزام ہندوستان کے سر رکھتے ہین کہ یہین قدیم مشرقی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے سونے کی خاصی مقدار عورتون کے زیورون کے نذر کردیجاتی ہے

تیراک موٹر، اب ایک ایسا موٹر ایجاد ہوا ہے جو خشکی پر بھی چلتا ہے اور پانی پر بھی، خشکی پر ایک گھنٹہ مین اسکی ۳۰ میل رفتار ہے اور جب اسے پانی پر لیجایا جاتا ہے، تو بغیر کسی رد و عمل کے آپسے آپ کشتی بنجاتا ہے، کیونکہ اس کے بنانے مین ایسی رعائتین رکھی گئی ہین کہ پانی پر پہنچتے ہی کشتی کی شکل اختیار کرلیتا ہے، پانی پر اس کی رفتار ایک گھنٹہ مین ۱۲ میل ہوتی ہے،

زمانۂ جنگ اور مابعد مین مختلف حکومتون کی فوجی طاقت، ذیل کے اعداد و شمار سے زمانۂ جنگ اور مابعد مین مختلف حکومتون کی فوجی طاقت کا موازنہ کیا جاسکتا ہے:-

نام حکومت	جنگ کے زمانہ مین فوج کی تعداد	۱۹۲۵ء مین فوج کی تعداد	کیفیت
برطانیہ،	۵۷۰۴۰۰۰،	۲۱۳۰۰۰،	یہان قانوناً جبری بھرتی ہے،
ولایات متحدۂ امریکہ،	۳۷۰۰۰۰۰،	۱۳۱۰۰۰،	یہان زمانۂ جنگ مین جبری بھرتی ہوتی ہے،
فرانس،	۷۹۰۰۰۰۰،	۴۲۱۰۰۰،	یہان ہر ایک کے لیے فوجی خدمت لازمی ہے،
جرمنی،	لاتحصی	۱۰۰۰۰۰،	اب معاہدۂ صلح کے رو سے اسی قدر اجازت ہے،
اٹلی،	۵۶۰۰۰۰۰،	۳۰۸۰۰۰،	یہان ۱۸ مہینہ کے لیے فوجی خدمت لازمی ہے،

نام حکومت،	جنگ کے زمانہ مین فوج کی تعداد،	۱۹۲۵ء مین فوج کی تعداد،	کیفیت
روس،	غیر محدود طاقت تھی،	۶۰۰۰۰۰	
پولینڈ،	۹۸۰۰۰۰،	۲۵۷۰۰۰	ہر شخص پر ۲ سال فوجی خدمت لازمی ہے،
جاپان،	۲۰۰۰۰۰۰،	۲۵۲۰۰۰	" ۳ " " "

ان حکومتون کے علاوہ دوسری حکومتون کی فوج کی موجودہ تعداد حسب ذیل ہے:-

نام حکومت،	تعداد فوج،	کیفیت
یوگوسلافیہ،	۱۲۸۰۰۰،	یہان فوجی خدمت لازمی ہے،
رومانیہ،	۱۴۶۰۰۰،	" " " "
سوئیڈن	۳۶۰۰۰،	" " " "
بلجیم (بلجیکا)،	۸۷۰۰۰،	" " " "
بلغاریہ،	۸۱۰۰۰،	معاہدہ صلح کے [illegible] سے
اسپین،	۲۶۲۰۰۰،	یہان فوجی خدمت لازمی ہے،
تشکوسلوفاکیا،	۹۰۰۰۰،	" " " "
یونان،	۶۸۰۰۰،	" " " "
ترکی،	۱۲۰۰۰۰،	" " " "

تمت

ادبیات

مُسلم سے خطاب

از مولوی سید سراج الحسن صاحب ترمذی، وکیل حیدرآباد دکن

اے مسلم غافل دیکھ ذرا قدرت کی نرالی شانون کو
دیتی ہے وہ کیونکر نشو ونما مٹی مین ملا کر دانون کو

ہنستی ہے افق پہ جو برق تپان اٹھتا ہے گھٹا سے دود فغان
پھر دیکھ کہ کیونکر آبِ رواں کرتا ہے چمن ویرانون کو

تو اپنے تئین وہ چٹان بنا ہلنے مین نہ آئے جسکی بنا
جو کھیل سکے گردابون سے جو جھیل سکے طوفانون کو

عالم کو بنا دے پھر ششدر لا بحر سے پھر یکتا گوھر
ہان جلوۂ ہستی پھر دکھلا پھر ہوش مین لا دیوانون کو

پھر نشۂ حُبِّ وطن کا اثر پر جوش دلون مین پیدا کر
اس بادۂ تند سے دے چھلکا ملت کے بھرے پیمانون کو

پھر کر دے اُجالا ظلمت مین پھر رنگ بدل دے محفل کا
پھر ملتِ بیضا کو چمکا پھر کعبہ بنا بت خانون کو

توحید کا پہلا نقش ہے تو ہے زینتِ عالم ذات تری
تو شمع ہے روشن تو نے کیا ظلمت سے بھرے کاشانون کو

آفاق مین تھا شہرہ جنکا انمول جواہر تھے جن مین
اب لوٹ لیا قزاقون نے اسلام کے اُن ایوانون کو

جوہر ہین تری شوکت کے نہان آثار کہن مین اب بھی عیان
تہذیب کا تو نے درس دیا دنیا مین جہان انسانون کو

ہان گرم کر اپنی محفل کو اور آگ لگا پھر سینون مین
لا وجد مین پھر اکبار ہمین پھر چھیڑ پرانی تانون کو

گرد جہالت کی یہ گھٹا پھر علم کا سورج نکلے نکل
جانون مین جو انکی نور بھرے وہ جلوہ دکھا انجانون کو

ہنگامۂ کوشش گرم کرو اور بازوئے ہمت پھیلاؤ
سینون سے تم اپنے محو کرو ان فخر بھرے افسانون کو

شیوہ ہے ترا گر جانبازی ہے شان تری گر حریت
دے بار غلامی پھینک ابھی آزاد کر اپنے شانون کو

کرجائین کو روشن جنہیں سے دیکور دلون کو پھر آنکھین عالم کی پلٹ دی پھر کایا انسان بنا دیوانون کو

دھر کان نہ چلکی باتون پران نیلی آنکھون والونکی الفاظ کے کچے دھاگون سے یہ باندھتے ہین پیمانون کو

دکھلا دے تماشا آج انھین تو اپنی حیاتِ ملی کا پھیلا دے جہان باطل مین پھر صدق بھرا علانون کو

بغداد کا قصہ چھیڑ کے پھر تو زخم کہن کو تازہ نہ کر رہنے دے کتاب جنہیں مین اُس دور کے سب افسانون کو

آتے ہین نرالے جلوے نظر اس جامِ حجازی مین مجکو لبریز شراب عرفان سے کر ہند کے سب خمخانون کو

نوائے حزین

جناب حزین نوگانوی صاحب نائب مدیر رہنمائے تعلیم لاہور سیاح ایران

وقت نزع است بگوئید کسے یار مرا جز وصالش نہ علاجے دل بیمار مرا

شکوہ اے شوخ چہ داری ز سر شک سرخم آستین کے زدہ دیدۂ خونبار مرا

تختۂ مشق خود ش کردہ طبیب نادان خواہد آرام شود این دل بیمار مرا

پند زاہد بمن اینست نہ بندم زنار خود چرا کار بود رشتۂ زنار مرا

سبحہ سازند و ز مژگان بشمارند ملک گوہر ریختہ چشم گہربار مرا

جمعیۃ العلمار کلکتہ کا خطبۂ صدارت

یہ خطبہ جسمین عالم اسلام کے ہر قسم کے مسائل پر غائر نظر ڈالی گئی ہے، اور علمار کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے اور ہندوستان مین مسلمانون کے حقوق و فرائض سے بحث کیگئی ہے، نہایت اہم ہے، اکثر شائقین اسکا تقاضا کر رہے ہین، اسلیے ان کو اطلاع دیجاتی ہے کہ دفتر مین اس خطبہ کے تھوڑے سے نسخے باقی ہین، جو اصحاب چاہین بقیمت منگوا سکتے ہین، قیمت ۸ ضخامت ۸۰ صفحے

"منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

نظریۂ اضافیت

مصنفہ پروفیسر منہاج الدین صاحب ایم اس سی،

از

مولوی ابوالجلال صاحب ندوی،

آجکل اردو کے مصنفین جس قدر گہرے اور غامض مسائل کی طرف توجہ کر رہے ہین، اس کو دیکھکر ہر علمدوست کو فخر اور خوشی ہوگی، سال روان کے جدید مطبوعات مین، ہمارے خیال مین جو چیز سب سے گرانقدر ہے وہ پروفیسر منہاج الدین صاحب بی ایس، سی، پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور کی نظریۂ اضافیت ہے جسمین پروفیسر آئن اسٹائن کی Theory of Relativity کو بیان کیا گیا ہے، معارف کو فخر ہے کہ اردو مین سب سے پہلے اسی نے اس نظریہ کو پیش کرنے کی عزت حاصل کی، چنانچہ دسمبر ۱۹۲۲ء اور اپریل ۲۳ء مین اس نے اردو مین سب سے پہلا مضمون شائع کیا، جو پروفیسر نصیر احمد بی ای سی (جامعۂ عثمانیہ) کا رقمزدہ تھا، پروفیسر موصوف ہی پہلے شخص ہین جنھون نے اسکو "نظریۂ اضافیت" کے نام سے موسوم کیا اور یہی ترجمہ اب بھی صحیح ہے،

اصل کتاب پر اپنے خیالات عرض کرنے سے پہلے بانیِ نظریہ کا تعارف ضروری ہے، البرٹ آئن اسٹائن ۱۸۷۹ء مین جرمنی کے شہر اُلم مین پیدا ہوا، اسکے بعد میونخ مین تعلیم پائی ۱۸۹۴ء مین سوئیزرلینڈ گیا جہان

سنہ۱۹۰۲ء مین انجنیر مقرر ہوا سنہ۱۹۰۹ء سنہ۱۹۱۲ء سنہ۱۹۱۴ء مین علی الترتیب وہ زیورک یونیورسٹی، پراگ یونیورسٹی اور برلن کے دار العلوم طبیعیات کا پروفیسر مقرر ہوا، سنہ۱۹۰۵ء مین اس نے اپنے اس نظریہ کو محدود شکل مین پیش کیا، اور سنہ۱۹۱۵ء مین عام نظریۂ اضافیت کو شائع کیا، اس بنا پر نظریۂ اضافیت کی عمر صرف ۱۰، ۱۱ سال کی ہے، پروفیسر منہاج الدین نے اس قدر جلد یہ کتاب شائع کرکے نہ صرف اپنی حاضر دماغی زود قلمی، اور خوش اسلوبی تحریر کا ثبوت دیا ہے، بلکہ السنۂ عالم کے آگے ہماری دیش بھاشا اردو کا اعجاز دکھا دیا ہے کہ یہ کم عمر زبان بھی جدید سے جدید، اور مشکل سے مشکل خیالات کو اس قدر جلد اپنا لینے کی صلاحیت رکھتی ہے،

ریلیٹی ویٹی (RELATIVITY) کا ترجمہ بعض اصحاب نے "انتساب" بھی کیا ہے، مگر پروفیسر نصیر الدین نے اور پھر پروفیسر منہاج الدین نے "اضافیت" کے لفظ کو اختیار کرکے اس نظریہ کو خالص مشرقی تعلیم کے فرزندون کے لیے بھی عام فہم بنا دیا ہے، کیونکہ ہم اپنی پرانی درسی کتابون مین بھی چند اضافی حالتون کو جان چکے ہین، فوق، تحت، نیک اور بد، کم اور بیش، طول اور قصر وغیرہ بہت سے اضافی اوصاف اور حالات سے ہم بھی واقف تھے، پروفیسر آئن اسٹائن کو ساری دنیا اسی قسم کے اعراض کا مجموعہ نظر آتی ہے، انھون نے آگے بڑھکر حرکت اور سکون، طول اور عرض، وزن اور حجم، وقت اور جگہ غرض اشیائے عالم کے تمام ممیزات کو اضافی حالات قرار دیکر سائنس کی دنیا مین بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہے، بطلیموس کا نظام شمسی کب کا تباہ ہو چکا، مگر قیامت کا نقشہ کسی نے نہین دیکھا کیونکہ نیوٹن کے قانون تجاذب نے کسی چیز کو اپنی مقررہ جگہ سے ہٹنے نہین دیا، نظریۂ اضافیت نے سیارون کی کشش کو بھی مہمل قرار دیدیا، لیکن دنیا اپنی حالت پر اب بھی بدستور قائم ہے،

اس نظریہ نے سب سے بڑا کام یہ کیا ہے کہ سائنس کو بھی فلاسفی بنا دیا، یعنی طبیعیات والے اب تک اشیا کے مزعومہ دعوی کو واقعہ اور صحیح واقعہ بنا کر پیش کرتے تھے، مگر نظریۂ اضافیت نے ثابت کر دیا کہ حق اگر

کوئی بات ہے تو مسلمان مولویون کا صرف وہ فقرہ جسے وہ عموماً ہر بات کے جواب مین دہرایا کرتے ہین یعنی

واللہ اعلم بالصواب اصلی بات کو خدا ہی جانتا ہے،

ہمارا کوئی احساس، کوئی علم، کوئی دعویٰ اس سے زیادہ کوئی واقعیت نہین رکھتا کہ ہم کو اور

ہمارے ساتھیون کو ایسا ہی محسوس یا معلوم ہوتا ہے،

نظریۂ اضافیت کو پروفیسر منہاج الدین نے ۲ مقالون پر تقسیم کیا ہے، پہلے مقالہ مین طبعیات کے کچھ مسائل بطور مبادی کے بیان کئے ہین، دوسرے مقالہ مین خاص نظریۂ اضافیت یعنی یکسان مستقیم حرکت کا بیان ہے، اس مقالہ کا خلاصہ (حتی الوسع خود مصنف کے لفظون مین) حسب ذیل ہے:

حرکت اور سکون

(۱) "سکون اور یکسان مستقیم حرکت کا تصور تصور مطلق نہین ہے بلکہ اضافی ہے" کیونکہ "ہم اجسام کی باہمی اضافی حرکت کو جانتے ہین، حرکت مطلق کے کچھ معنی نہین ہین" یعنی یہ کہ سکون اور یکسان مستقیم حرکت مین کچھ فرق نہین ہے، "یکسان مستقیم حرکت کا احساس نہین ہو سکتا" اس بنا پر "کسی نظام مرتبی مین کتنے ہی تجربے اور مشاہدے کرین ہمین یہ نہین معلوم ہو سکتا کہ نظام ساکن ہے یا متحرک"

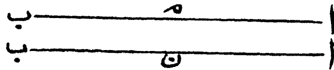
سائنس جاننے والون کے نزدیک، فضاے بسیط مین جسکو خلا کہا جاتا ہے ایک چیز "اثیر" ہے، جس کے اندر تمام سیارے حرکت کرتے ہین، نہین معلوم کہ اثیر ساکن ہے یا متحرک لیکن "اثیر کی حرکت کا تصور ناممکن ہے" اسلیے گویا "اثیر ساکن ہے" اور روشنی ہر حالت مین، ۱۸۶۳۳۰ میل فی ثانیہ کے حساب سے سیدھی چلتی ہے" ان دونون باتون کو تسلیم کر لینے کی صورت مین "اثیر مین زمین کی حرکت کا معلوم کرنا بھی ممکن ہونا چاہیئے" کیونکہ زمین کی حرکت کی سمت مین روشنی کی رفتار اسکی طبعی رفتار سے کچھ کم، اور سمت مخالف مین کچھ زیادہ ہونا ضروری ہے، لیکن تجربہ شاہد ہے کہ کوئی آلہ آج تک رفتار زمین کو محسوس نہ کر سکا، کیونکہ زمین کی رفتار کسی قدر یکسان اور مستقیم ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ:-

"دو جسمون پر کوئی ایسا تجربہ نہین ہو سکتا جس سے یہ معلوم ہو کہ ان مین سے ایک جسم ساکن

ہے دوسرا یکسان مستقیم حرکت کے ساتھ متحرک؛

طول اور فاصلہ | متحرک چیزین ساکن ناظر کو، اور ساکن چیزین متحرک ناظر کو ہمیشہ چھوٹی نظر آتی ہین، طول اور فاصلہ کا صحیح تصور حرکت اور سکون کے تصور کیساتھ وابستہ ہے" اس بیان کا کوئی مطلب نہین کہ سلاخ کی لمبائی اتنے گز ہے بلکہ اس بیان کے ساتھ ناظر اور شے کی اضافی حرکت کا بیان بھی ضروری ہے"

وقت اور زمانہ | اسی طرح وقت اور زمانہ کا اختلاف بھی حرکت وسکون اور معیار حرکت کے اختلاف پر مبنی ہے ایک ناظر کو اپنے احساس کی بنا پر کسی دو واقعہ کو ہم وقت سمجھنے سے پہلے یہ بھی معلوم کرلینا چاہیئے کہ وہ ساکن ہو یا متحرک، فرض کرو، سڑک ا ب کے عین وسط مین ایک ناظر (ن) کھڑا ہے، اسے ا ب دونون مقامات پر ایک ساتھ بجلی گرتی ہوئی نظر آئی، اس کے ساتھ یہ بھی فرض کرو کہ عین اس وقت جب (ن) نے ا ب مقامات پر بجلی گرتے دیکھا ایک دوسرا ناظر ریل مین سوار ہے، ن کے عین مقابل آگیا، کیا یہ بھی دونون واقعات کو ہم وقت سمجھیگا، نہین، اسے ب پر گرنے والی بجلی پہلے دکھائی دیگی،



فرض کرو، کہ دو ستارے ہم کو ایک ساتھ نظر آئے، ایک ہمارے خیال مین رفتار نور کے حساب سے چار سال کے فاصلہ پر ہے، دوسرا پانچ سال کے فاصلہ پر ہے، ایسی صورت مین ہمارا یہ فیصلہ کہ فلان ستارہ اس وقت سے پانچ سال پہلے طلوع ہوا، اسی وقت صحیح ہو گا جبکہ زمین اور اس تارے کا درمیانی فاصلہ ہمیشہ برابر رہے، فرض کرو کہ تارا زمین کی سمت اور زمین تارے کی سمت جاری ہو تو یہ فیصلہ غلط ہوگا غرض اس قسم کی بہتیری دلیلون سے یہ ثابت کیا ہے کہ زمانہ کا تصور بھی ناظر و منظور کی اضافی حرکتون پر منحصر ہے،" کوئی صاحب کرامت رات کو دنیا کے تمام مظاہر کی رفتار ایک ہزار گنی سست کر دے تو جب ہم سو کر اٹھین گے . . . ہماری گھڑیون کی رفتار بھی ہزار گنی سست ہو گی، انسان کی عمر ہزار گنی ہو جائیگی مگر انھین احساس اسلیے نہ ہو گا کہ ان کے تمام حواس اسی نسبت سے سست ہو گئے ہونگے،

غرض یہ کہ حجم، طول، کمیت، زمانہ، وقت، سب کا تصوّر حرکت وسکون کے تصور کے ساتھ وابستہ اور حرکت وسکون اضافی حالات ہین،

نتیجہ غرض، اور طریق بیان، کا فرق الگ کر دو تو" یہ اصول نیا نہین بلکہ نیوٹن کے زمانہ سے معلوم ہے" مین عرض کرونگا کہ یہ تو امام رازی کو بھی معلوم تھا، بلکہ وہ تو فرماتے ہین،

"تمام انسان اس پر متفق ہین کہ حرکت وسکون کے مفہوم دو مقابل کے مفہوم ہین" (مباحث مشرقیہ قلمی ۲۴۵)

نظریۂ اضافیت کی زبان مین یہی مفہوم یون ہوگا کہ

"حرکت وسکون اضافی حالات ہین"

اس نظریہ مین ہم کو بتایا گیا ہے کہ یکسان اور مستقیم حرکت کو سکون سے ممتاز کرنا دشوار ہے، اسی مفہوم کو امام صاحب اپنی بولی مین ادا کرین تو یہ کہین گے کہ جسم لگاتار اپنی جگہ کو چھوڑتا جائے اور اسکی وضع نہ بدلتی ہو تو سکون اور حرکت مین فرق کرنا دشوار ہے، امام رازی کے نزدیک سکون کا لفظ دو مفہوم رکھتا ہے، (۱) ایک شئی کا اپنے مکان معین مین ثابت رہنا یا حصول مستمر" (۲) عدم حرکت، حصول مستمر، یا ثبوت مستمر، کو امام صاحب فرماتے ہین کہ نہ حرکت ہے نہ سکون، چنانچہ فرماتے ہین،

کرات افلاک وعناصر کی طرح جو جسم اپنا حیز نہ چھوڑ سکے وہ نہ ساکن ہے نہ متحرک (ص ۲۴۴)

امام صاحب کے نزدیک دنیا مین کوئی جسم ایسا نہین جو اپنی جگہ چھوڑ سکتا ہو، پھر بھی اپنی ہی جگہ پر ہمیشہ رکا رہے، اگر کوئی جسم ایسا ہوتا تو اس کا حصول مستمر بھی، نہ حرکت ہوگا نہ سکون، اور جس طرح دائمی سکون کو سکون کہنا درست نہین، اسی طرح ایسے سلوک[1] مستمر کو بھی جس کے ساتھ تغیر اوضاع نہ پیدا ہو

[1] امام صاحب نے عموماً لگاتار اور متصل حرکت کو جسے نظریۂ اضافیت مین یکسان مستقیم حرکت بتایا گیا ہے اسی لفظ سے تعبیر کیا ہے، مگر یہ کوئی معروف اصطلاح نہین ہے کیونکہ اس زمانہ مین اس حرکت سے کوئی بحث نہ تھی تاہم حرکت کا تصور ضرور تھا،

امام صاحب نہ سکون بتاتے نہ حرکت،

کوئی محیط آن واحد سے زیادہ جسم کا مماس نہ ہو، مثلاً کوئی جسم جو سیال پانی یا بہتی ہوا مین ہے سطح آب یا سطح فضا اس جسم کو ایک آن سے زیادہ نہین گھیرتا، توچونکہ اس مین تبدل اوضاع نہین ہے اسلیے وہ متحرک نہین ہے، اور چونکہ وہ ایک جگہ پر قائم نہین اسلیے وہ ساکن بھی نہین (۳۴۷)

امام صاحب کے زمانہ مین ریل نہین تھی ورنہ وہ بھی اسی کیفیت اور حالت کا ذکر کر رہے ہین جسے پروفیسر صاحب نے ہم کو یکسان مستقیم حرکت کے ساتھ چلتی ہوئی بند گاڑی مین سمجھایا ہے،

خلاصہ یہ کہ امام صاحب اور نظریۂ اضافیت کے موجد کی اصطلاحین بدلی نہ ہوتین تو دونون کے خیالات مین بہت زیادہ مشابہت تھی نظریۂ اضافیت مین بتایا گیا ہے کہ ہم صرف اضافی حرکت اور اضافی سکون کو جانتے ہین، غیر اضافی حرکت اور غیر اضافی سکون کو ہم نہین جانتے" امام صاحب کہتے ہین کہ ہم صرف اس حالت کو سکون کہتے ہین جو حرکت کے مقابل کا مفہوم ہے، اور حرکت وہی حالت ہے جس مین تبدل اوضاع پایا جائے" چیز کا اپنی جگہ پر مستمرا موجود ہونا، اور بغیر تبدل اوضاع مستمراً چلتے رہنا دونون ایسی حالات ہین، جنکو نہ حرکت کہا جاسکتا نہ سکون ہمارے نزدیک تو ان دونون دعوون مین صرف یہ فرق ہے کہ امام صاحب نے اس سے وہ نتیجہ نہین نکالا تھا جو پروفیسر آئن اسٹائن نے نکالا،

اسی طرح نظریۂ اضافیت مین "غیر اضافی زمانہ" یا "مطلق زمانہ" سے بھی انکار کیا گیا ہے اور زمانہ کا تصور حرکت اور سکون کے تصور کے ساتھ وابستہ بتایا گیا ہے، ہم ان سب باتون سے الگ الگ واقف تھے، مگر واقف ہونا اور بات ہے اور تسلیم کرنا اور بات" زمانہ مجرد" یا دہر کی مخالفت اکثر متکلمین نے کی ہے

۵؎ بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) وضع کے لیے اردو مین کوئی لفظ نہین، انگریزی لفظ پوزیشن شاید اس کا مفہوم ادا کرسکے، عربی کے تین لفظ ہین مکان، حیز، وضع، مکان کی اردو جگہ ہے، وضع اس سے خاص چیز ہے قلمدان اٹھاکر میز سے زمین پر رکھدو، دوات کی وضع تو نہین بدلی جگہ بدلگئی، وضع خارجی چیزون کی محاذات سے پیدا ہوتی ہے حیز اس سے بھی خاص چیز ہے، وضع بدل جائے، جگہ بدل جائے تو ہرج نہین،

علامہ ابن تیمیہ نے بتایا ہے کہ زمانہ مجرد کا تصور یونانیون کی بہت سی حماقتون مین سے ایک حماقت ہی وہ تو ہر مفہوم کو اپنی مجرد شکل مین خارج مین دیکھنا چاہتے ہین، حتی کہ ان کے نزدیک خارج مین وہ مجرد اور بے قید انسان بھی پایا جاتا ہے جو نہ زید ہو نہ بکر نہ کوئی دوسرا فرد، وہ حیوان بھی پایا جاتا ہے جو نہ گدھا ہے، نہ آدمی نہ کوئی دوسری نوع وہ ہر کلی کا وجود مانتے ہین، اسی کے ضمن مین وہ زمانہ کی مجرد ہستی کے بھی قائل ہوگئے متکلمین زمانہ کو صرف حرکت کا دوسرا نام سمجھتے ہین، بہرحال خاص نظریۂ اضافیت کے اکثر مسائل ہماری قدیم مشرقی کتابون مین بھی ملتے ہین، لیکن اسکے یہ معنی نہین ہین کہ یہ نظریہ بہت پرانا نظریہ ہے، بلکہ یہ کہنا ہے کہ اس برگ و بار کا تخم پہلے سے موجود ہے،

تیسرے مقالہ مین عام نظریۂ اضافیت پیش کیا گیا ہے، پہلے باب مین صرف سلوک مستمر کا بیان تھا، اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر قسم کی حرکتین، اقلیدسی دعوی، سکلین، وزن، قوت، وغیرہ تمام محسوسات اضافی ہین، اس حصہ مین سب سے اہم باب قانون تجاذب کے متعلق ہی،

چوتھے مقالہ مین اس جدید نظریۂ اضافیت کے اصول کے ماتحت دنیا کی ماہیت بتائی گئی ہی،

نظریۂ اضافیت (کتاب) کی خاص خوبی یہ ہے کہ فاضل مصنف نے اس کو اس درجہ آسان بنا کر پیش کیا ہے کہ تھوڑے سے غور کرنے کے بعد ہر پڑھا لکھا آدمی اس کو سمجھ لے سکتا ہے، مشہور ہے کہ اس نظریہ کو سمجھنے والے دنیا مین صرف ۱۲ آدمی ہین، وقت کی وجہ صرف فلسفیانہ طرز بیان، اور اقلیدسی زبان ہوتی ہے، فاضل مصنف نے مسائل کو سمجھانے کے لیے عام طور پر پیش آنے والے حالات اور چیزون سے تمثیل پر اکتفا کیا ہے، جہان کہین ہندسی زبان اختیار کرنا ضروری تھا، وہان اس زبان کو حاشیہ پر استعمال کیا گیا ہے، تاکہ اب ج کی گتھی سے گھبرانے والے کتاب سے اکتا نہ جائین، اور جنکو اسی مین

بقیہ حاشیہ) حیز اگر بدل گیا تو یا تو چیز فنا ہو جائیگی یا اسکی ماہیت بدل جائے گی، حیز اس فرضی وسعت کا نام ہی جسمین وہ چیز ہی گیند اپنے حیز کو لئے ویئے لڑھکتا ہی، مکان اس خاص جگہ کا نام ہی جہان چیز ہے، وضع اس صورت کا نام ہی جو خارجی چیزون کے تناسب سے پیدا ہوتی ہی،

لطف آتا ہے، او وہ بھی بدخط نہ ہون،

کتاب کے آخر مین اصطلاحات کا ایک انڈکس ہے، ہرانگریزی اصطلاح کے مقابلہ مین اردو اصطلاح لکھی گئی ہے، بہتر یہ تھا کہ انڈکس اردو اصطلاحات کے حروف تہجی کے اعتبار سے تیار کیا جاتا تاکہ ناظرین کو جدید اردو لفظ کا مطلب سمجھنے مین آسانی ہوتی،

بعض بعض مواقع پر ہم کو بعض اصطلاحات کی موزونیت مین شبہہ ہوا، لیکن فاضل مصنف نے شروع ہی مین بتا دیا ہے کہ وہ اس قسم کے مصطلحات کو استعمال کرنے کے لیے کیون مجبور تھے،

زبان کی سلاست، اور دلچسپ پیرایۂ بیان کے لحاظ سے مصنف نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے، حالانکہ یہ نظریہ دنیا کے نہایت مشکل مباحث مین سمجھا جاتا ہے،

ہم کو اُمید ہے کہ ہمارے علمدوست احباب اس کتاب کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھین گے،

قیمت للعہ، مجلد للعہ، پتہ :- پروفیسر منہاج الدین صاحب ایم اس سی پروفیسر طبعیات، اسلامیہ کالج پشاور

پردۂ غفلت،

مصنفہ جناب عابد حسین صاحب پی، ایچ، ڈی،

پردۂ غفلت ایک تمثیلی افسانہ (ڈرامہ) کا نام ہے، جو گو اردو زبان مین ہے مگر لکھی گئی ہے ایک ہندوستانی کے قلم سے جرمنی مین بیٹھکر، اور وہین ایک ایرانی مطبع شرکت کاویانی (برلن) مین ٹائپ مین چھپی ہے، جس ماحول اور جس سرزمین، اور جس آب وہوا مین یہ افسانہ لکھا گیا ہے، اس کا نتیجہ ہی یہ سمجھنا چاہیے کہ اس مین ہندوستان کے موجودہ رسم ورواج پر یورپ کے نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہوگی، اس افسانہ کا موضوع یہ ہے کہ قدامت پرستی اور روشنخیالی کے درمیان اس طرح محاکمہ کیا جائے کہ قدامت پرستی کو شکست اور روشنخیالی کو فتح نصیب ہو، اس سلسلہ مین سنجیدگی کے ساتھ مشترکہ خاندان کے برے نتائج، "قدامت پسند جماعت" اور "روشن خیال" طبقہ کے اختلاف خیال، مثلاً تعلیم نسوان، آزادیِ نسوان،

اور ہندوستان مین موجودہ پردے کے معائب ومحاسن، مین سے" روشنخیال" طبقہ کی تائید کیگئی، ڈرامہ
مین ظرافت کے کیرکٹر کی بھی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، ڈرامہ مختلف حیثیات سے مختلف ہی طرز نگارش
مین نہایت کامیاب اور اصلاح کی طرف اس کا اقدام ایک امر مستحسن ہو کہ زبان کے اعتبار سے
اب ایسے ہی ڈرامون کی ملک کو ضرورت ہو جو حشو وزوائد اور تکلفات لفظی سے مبرا ہون، طباعت وغیرہ
کی حسن وخوبی عیان ہو کہ جرمنی کے شرکت کاویانی مین خاص اہتمام سے وہ چھاپی گئی ہے، لیکن اگر اسکے
مغز ومعانی کا لحاظ کیا جائے تو اسلامی نقطۂ نظر سے اسے کسی طرح کامیاب ڈرامہ نہین کہا جاسکتا،
کیونکہ اس کے باوجود بھی کہ" قدامت پرستی"" جہل وتعصب" کا ایک کرشمہ ہے اور" روشن خیالی" قوم
کو" معراج کمال" تک پہنچا ئیگی" روشن خیالی" پیدا کرنے کے لیے یورپ کی تقلید مین عورتون کو اس
حد تک توآزادی نہین دیجاسکتی کہ شادیون سے پیشتر منگیترین اپنے بڑون سے ارتباط پیدا کرکے دونون
بے حجابا ملین جلین اور کورٹ شپ کا فرض انجام دین، اسی طرح ڈرامہ مین عورتون کے پردہ کا سوال اہم
اولاً اس بحث پر کوئی تفصیلی گفتگو موجود نہین صرف موجودہ طریقہ پر اظہار نفرت اور سعیدہ کو بے نقاب
فینس پر بٹھا دیا گیا ہے، حالانکہ اگر اس کیرکٹر کو پیش کرنا تھا تو اس پر اسلامی، اور اگر اسلامی نہین تو
اخلاقی یا کسی نقطۂ نظر سے بحث تو کیجاتی، دوسرے پردہ کا مسئلہ ایک فرسودہ و پامال مسئلہ ہے، اگر
قوم کے" جہل وتعصب" سے اس مین تعویق ہے تو عام تعلیم کی اشاعت کی پہلے فکر کیجائے کہ ارتفاع جہل
کے بعد ممکن ہے مقصود حاصل ہو، اور تعلیم نسوان کے سلسلہ مین یہ بھی صحیح نہین کہ ہندوستان کی شریف خواتین
صرف یورپین لیڈیون ہی سے درس لے سکتی ہین اگر ایسا نہین تو ڈرامہ مین صرف یہی شکل کیون
نمایان ہے؟۔ حقیقت یہ ہو کہ یورپ کے موجودہ تمدن ومعاشرت ہمارے دماغون پر مستولی ہو
اسلیے ان کے معائب پر نظر نہین پڑتی، مسلمانان ہند" قدامت" اور" روشن خیالی" کی ربع صدی
کی جنگ سے اس حقیقت تک پہنچ چکے ہین کہ" یورپ کی تہذیب ومعاشرت سرآنکھون پر

لیکن اسی حد تک جب تک اسلام کے تمدنی و معاشرتی نقطۂ نظر کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، امید ہے کہ یورپ کی واپسی کے بعد اب جناب مصنف مین خود قدامت پسندی اور روشنخیالی کے درمیان اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کرینگے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۴۶ صفحے، قیمت عہ، پتہ:۔ شرکت ادبیہ علیگڈہ یا مکتبۂ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

"ل"

مطبوعات جدیدہ

تجوید مشہدی ولنواز مبتدی، عربی مین علم تجوید پر بیشمار تصنیفات ہین، جنمین سے بعض کتابین اردو مین بھی منتقل ہو چکی ہین، اور پھر ہندوستان کے بعض قرا نے اس فن پر بعض مستقل رسالے بھی لکھے، لیکن اردو کی یہ کتابین گرچہ فن تجوید کے اعتبار سے بلند پایہ ہین تاہم ضرورت تھی کہ عام اردوخوان طبقہ کیلئے کسی مختصر رسالہ مین سلیس، عام فہم زبان مین اس کے مسائل یکجا کر دیئے جائین، جناب مولوی حکیم سید تجمل حسین صاحب مشہدی نے یہی مقصد پیش نظر رکھ کر زیر تبصرہ رسالہ لکھا ہے، جسمین علم تجوید کے مسائل سوال وجواب کی صورت مین پیش کئے گئے ہین جس سے اُمید ہے کہ مسائل جلد ذہن نشین ہون گے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۹۲ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، جناب مولف سے حکمت منزل، محلہ سبزی محل شہر بھروچ علاقہ بمبئی کے پتہ سے ملسکتی ہے،

تاریخ دریا آباد، جناب منشی برج بھوکن لال صاحب محب نے اپنے وطن دریا آباد ضلع بارہ بنکی (اودھ) کی نہایت مفصل تاریخ لکھی ہے، یہ تاریخ، اودھ کی مختلف کتب جغرافیہ وتاریخ، فرامین شاہی، دستاویز، مختلف رودادون، یادداشتون، شاہی زمانہ کے مختلف عدالتی کاغذات اور گزیٹیر وغیرہ کی مدد سے مرتب کیگئی ہے، کتاب پانچ ابواب پر اور ہر باب متعدد فصلون پر منقسم ہے، جنمین دریا آباد کے جغرافی وتاریخی حالات بیان کرکے وہان کے پنڈت، علماء، ذی علم اصحاب، مختلف زبانون کے شعراء، اطباء، ڈاکٹر، وکلاء، فقرائے ہنود، فقرائے اسلام، رؤسا، معززین، اساتذۂ فن موسیقی، تجار، اور قصبہ کے موجودہ مشاہیر کے حالات اسی ترتیب سے بیان کئے گیے ہین، اور آخر میں پرگنہ دریا آباد کے جغرانی و دیگر حالات ہین، اس کتاب سے

اودھ کی دیہی معاشرت، تمدن اور وہان کے دیگر حالات پر روشنی پڑتی ہے، جناب مؤلف لائق ستائش ہین کہ انھون نے اپنے وطن کی نمایان خدمت انجام دی، اور ایک مختصر قصبہ کے متعلق اس قدر بسیط معلومات یکجا کر دیئے، حجم بڑی تقطیع پر باریک لکھائی مین ۱۳۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت سے، پتہ:- منشی مکن بہاری لال صاحب آنریری سکریٹری گئوشالہ دریاآباد بارہ بنکی،

تحقیق واقعات کربلا، جناب مولوی خادم حسین صاحب بھیروی احمدی نے زیر تبصرہ کتاب مین شیعون کی مستند کتابون کو ماخذ قرار دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ حضرت امیر علیہ السلام، حضرت امام حسنؑ اور خصوصاً حضرت امام حسین علیہ السلام کو جتنے مشکلات پیش آئے، وہ شیعون کے ہاتھون پیش آئے، خصوصاً واقعۂ کربلا کی تمام تر ذمہ داری شیعیان آلِ اطہار ہی پر ہے، پھر آخر مین شیعون ہی کی کتابون سے یہ دکھانا چاہا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ یزید کی مرضی کے برخلاف ہوا، اسلیے واقعۂ شہادت کی ذمہ داری اس پر اس قدر نہین جتنی ابن زیاد اور ذی الجوشن وغیرہ پر ہے، تحریر کا لب ولہجہ نرم اور اسلوب بیان مین نہایت سنجیدگی ہے، جو لائق ستائش ہے، حجم ۵۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی ہے قیمت ۳ر، پتہ:- مہتمم احمدیہ بک ڈپو ۲۷۷، کوچۂ چابک سواران، لاہور،

نقادی کے نکتے، ہندوستان مین چند سالون سے "فنون لطیفہ" سے زیادہ دلچسپی پیدا ہوگئی ہے، اسی کا نتیجہ زیر تبصرہ رسالہ ہے، جس مین جناب چودھری محمد علی صاحب تعلقدار امیرپور ردولی نے "فنون لطیفہ" مین سے فن مصوری پر تنقیدی نظر ڈالی ہے، اور بتایا ہے کہ کسی تصویر کے حسن و قبح مین امتیاز کرنے کے لیے کن نکات کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، شاید اردو مین یہ نقش اول ہی، اس لیے جو کچھ بھی ہے بہتر ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ ۴۸ صفحے اور کاغذ بھی عمدہ ہے، قیمت ۸ر، پتہ:- تعلقدار پریس لکھنؤ،

خیر المصادر، چند سال گذرے کہ جناب مولوی حکیم محمد حنیف صاحب دیسنوی بہاری نے مبتدیون کے لیے فارسی زبان کے علم صرف کے مسائل جمع کرکے "خیر المصادر" کے نام سے شائع کیا تھا اب جناب مؤلف نے طبع ثانی مین "خیر المصادر" پر "خیر القواعد" کا اضافہ کیا ہے جس مین اسی جامعیت کے ساتھ علم نحو کے مسائل جمع کئے گئے ہین، رسالہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ طلبہ کو فارسی کے تمام مسائل اردو کی مثالون کے ذریعہ سمجھائے گئے ہین، جس سے یہ مسائل خوبی اور آسانی کے ساتھ طلبہ کے ذہن نشین ہو نگے حجم ۸۴ صفحے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۶ر پتہ:۔ مولوی محمد حنیف صاحب دیسنہ ڈاکخانہ استھاوا ضلع پٹنہ

نکاح آریہ، مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے رسالہ "نکاح آریہ" مین آریون کی مذہبی کتابون سے اخذ کرکے مذہب آریہ کے مسائل متعلقہ نکاح پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسلام کے مسائل نکاح کی خوبیان دکھائی ہین، ممکن ہے کہ جناب مؤلف اپنے مقصد مین کامیاب ہون، لیکن اسلوب بیان مین وجادلھم بالتی ھی احسن کا اصول فراموش کر دینے کی وجہ سے اسلامی سکینہ و وقار کا دامن ہاتھون سے جاتا رہا ہے، حجم ۸۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے قیمت ۵ر پتہ دفتر اہلحدیث امرتسر

بہشتی جھومر یا اسباق النسوان، جناب محمد مرزا خان صاحب دہلوی نے تعلیم یافتہ خاتونون کے لیے زیر تبصرہ رسالہ لکھا ہے جس مین ناصحانہ انداز مین عورتون کو اخلاق حسنہ پیدا کرنے اور زندگی بسر کرنے کے چند اصول مثلاً "زود اعتمادی کے برے نتائج" "غیر مستقل مزاجی کی خرابیان"، اور "اخلاقی حس کو ہمیشہ متاثر رہنا چاہیئے"، وغیرہ سمجھائے گئے ہین، حجم ۷۰ صفحے، لکھائی، چھپائی اچھی اور کاغذ چکنا ولایتی ہے قیمت ۸ر پتہ:۔ مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ، حیدرآباد دکن،

خیر الدین، مسلمانون کے ایک مخصوص طبقہ مین یہ خیال قائم ہے کہ دین و دنیا باہم مجتمع نہین ہو سکتے، جناب مولوی ابو الخیر صاحب پی، ایچ ڈی نے رسالہ "خیر الدین" مین عمدہ پیرایہ مین کتاب و سنت سے اسی خیال کی تردید کی ہے، رسالہ کے چند عنوان یہ ہین "اسلام و رہبانیت" "ترک و تجرد" "تعلیم دین و دنیا"، "دور اول کے مسلمان" "منشائے تخلیق انسان"، "معاشرت اسلامی" وغیرہ، رسالہ عام مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے، حجم ۳۲ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی متوسط ہے، قیمت ۴ر جناب مؤلف سے ہمانڈہ ورنگل حیدرآباد دکن سے طلب کرنا چاہئے

مجلد ہفدہم | ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ جون ۱۹۲۶ء | عدد ششم

مضامین

شذرات

مولانا عبد الرحمان مرحوم کے ماتم سے ابھی آنکھین خشک نہین ہوئی تھین کہ ہم کو ندوہ کے ایک دوسرے قابل ترین فرزند مولوی نور الہدیٰ ندوی کے ماتم مین اشکبار ہونا پڑا، جو مقاصد ندوہ کی تکمیل مین ابھی تگ و دو کر رہا تھا، مرحوم نے تقریباً سات سال تک ندوہ مین عربی کی تعلیم حاصل کی، پھر تین سال مدرسہ الٰہیات مین بسر کر کے انگریزی شروع کی اور امسال بی اے آنرز کا امتحان دیا تھا، اور اس کے بعد ہم ان سے مقاصد ندوہ کے مطابق ہر قسم کی علمی توقعات قائم کر سکتے تھے، جس کے آثار اونکی زندگی کے نہایت ابتدائی دور سے نمایان تھے، اور تعلیمی ترقی کیساتھ ساتھ ان مین بھی تدریجی ترقی ہوتی جاتی تھی، چنانچہ وہ پہلے ندوہ مین طلبا کے قلمی رسالہ الاصلاح کے اڈیٹر رہے، پھر کلکتہ مین ایک روزنامہ کو اڈٹ کیا، رسالہ حور جو کلکتہ سے نکل کر چند ماہ کے بعد بند ہوگیا اونہین کے دست و بازو کے بل پر نکلتا رہا، معارف مین بھی انھون نے بعض مضامین لکھے تھے، لیکن اب تکمیل تعلیم کے بعد جبکہ یہ توقعات باضابطہ اور مستقل صورت اختیار کرتین،

این ماتم سخت است کہ گویند جوان مرد

نہایت مسرت کی بات ہے کہ ہز ہائنس نواب حمید اللہ خان بہادر بالقابہ کے فرمانروائے بھوپال ہونے کا جو مژدہ گذشتہ پرچہ مین سنایا گیا تھا، اس نے اس مہینہ مین عملی صورت اختیار کی اور

۹ رجون ۱۹۲۶ء کو باضابطہ طور پر ان کی مسند نشینی کی رسم ادا کیگئی، اور اس مبارک تقریب مین کئی روز تک بھوپال جشن کدہ بنا رہا ہم اس موقع پر نہ صرف نواب صاحب کو بلکہ تمام رعایائے بھوپال کو مبارکباد دیتے ہین کہ ان کو ایک ایسے تعلیم یافتہ اور روشن خیال فرمانروا کے زیر حکومت زندگی بسر کرنے کا موقع ملا ہے جس مین ضروریات زمانہ کے مطابق ریاست کو ہر قسم کی ترقی دینے کی پوری قابلیت و اہلیت موجود ہے،

ہر ہائنس نواب حمید اللہ خان بہادر کی مسند نشینی کے بعد اب ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال سیاسی کشمکش سے آزاد ہوکر اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرینگی جسکی وہ بجا طور پر مستحق ہین، لیکن زمانۂ حکومت مین جو علمی و مذہبی توقعات اونکی ذات سے پوری ہو رہی تھین، وہ اب بھی بدستور قائم ہین بلکہ ہم کو یقین ہے کہ خدا کی عبادت کے بعد بقیہ اوقات مین ان کا سب سے زیادہ دلچسپ مشغلہ مسلمانون کے علمی و مذہبی ترقی کی تکمیل ہوگی،

اپریل ۱۹۲۶ء کے شذرات مین ایک اصلاحی مسئلہ کے متعلق احمد عثمان صاحب بہار بلڈنگس بمبئی کا جو خط معارف مین شائع ہوا تھا اب وہ اس خط کے لکھنے سے انکار کرتے ہین اور اوسکی تردید کرانا چاہتے ہین، اور اگر وہ خط ان کا نہین ہے، اور انکی جانب سے کسی دوسرے شخص نے روانہ کیا ہے تو ہمکو بھی اس کی تردید کرنے مین کوئی تامل نہین ہے، لیکن خط کی تردید کرنے سے اصل واقعہ کی تردید نہین ہوسکتی، اسلیے یا تو اون کو خط کی تردید کے ساتھ اصل واقعہ کی بھی تردید کرنی چاہیئے، ورنہ جیسا کہ معارف مین لکھا گیا ہے، اوسکی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے،

ہندوستان مین علوم قدیمہ وعلوم جدیدہ کی جو درسگاہین قائم ہین، اون مین گو نہ اختلاف یا کم از کم اتحاد نہ تھا، ندوہ درمیانی کڑی بنکر دونون کو ایک شیرازہ مین منسلک کرنا چاہتا تھا، لیکن بدقسمتی سے اوسکو ایک مدت تک اس مین کامیابی نہین ہوئی بلکہ وہ خود ایک تیسرا فریق بن گیا لیکن اب جب کہ ندوہ کے فارغ التحصیل طلبہ نے اپنی علمی قابلیت اور قومی خدمت کی بدولت ملک مین اپنا عام اعتماد قائم کر لیا ہے، اور موجودہ یونیورسٹیون مین علوم اسلامیہ کی تکمیل کی طرف توجہ مبذول کی جانے لگی ہے، دونون قسم کی درسگاہون مین اتحاد کے آثار نظر آنے لگے ہین، چنانچہ صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے سہیل مین علوم اسلامیہ کے عنوان سے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جس کے اخیر مین وہ تحریر فرماتے ہین،

اس قسم کی استعداد ہماری درسگاہون مین اُس اعلیٰ پیمانے پر حاصل نہین کیجاتی جو لکھنؤ اور دیوبند کے مدارس مین حاصل ہوتی ہے، لہذا تجویز یہ ہے کہ کوئی صورت ایسی نکالی جائے جس سے وہ بہترین پیداوار جو لکھنؤ اور دیوبند سے نکلتی ہین کسی طور پر بروے کار لائی جاسکین مثلاً دیوبند اور ندوہ کے طلبا رجو عربی ادب والسنہ اور علوم مشرقی مین اچھی استعداد رکھتے ہین، اگر ان مین سے قابل ترین افراد کو موقع دیا جائے کہ وہ ہماری درسگاہون اور جدید تعلیمات وتحقیقات کے ماحول مین رہ کر تعلیم حاصل کر سکین اور اس کے لیے ہماری یونیورسٹی سامان وسہولت فراہم کرے تو اس کا نتیجہ نہایت طمانیت بخش ہوگا، جو اب تک میسر نہین آسکا ہے بہرحال دیوبند اور ندوہ اور اس قسم کی تمام دیگر درسگاہین اس یونیورسٹی کے مانند قوم ہی کی ہین ان مختلف درسگاہون کا اتحاد اور اشتراک عمل جہان تک کہ مختلف حالات اور واقعات کے تحت ان کا امکان ہے، ظاہر ہے ہر طرح پر پسندیدہ اور قابل آزمائش ہے

دیوبند کا حال ہم کو معلوم نہین، لیکن ندوہ کے فارغ التحصیل طلبار مین ایک بڑی تعداد ندوۃ کی تعلیم سے فارغ ہوکر انگریزی زبان کی تکمیل کرچکی ہے، اور ایک بڑی تعداد انگریزی کی تعلیم مین مصروف ہے، اگر مسلم یونیورسٹی نے ندوہ کے فارغ التحصیل طلبار کے لیے اس قسم کی آسانیان پیدا کین جس سے وہ آزادی کے ساتھ اپنی تعلیم کی تکمیل کرسکے، تو ہم کو یقین ہے کہ طلبائے ندوۃ کی ایک بڑی تعداد اس سہولت سے فائدہ اُٹھائے گی، اور اس طور پر نہ صرف ہمارے قدیم وجدید درسگاہون مین اتحاد ہوگا بلکہ مشرقی ومغربی علوم کی سرحدین بھی باہم ملجائین گی،

نہایت خوشی کی بات ہے کہ نواب عماد الملک مرحوم کی سوانح نگاری کی خدمت مولوی سید ہاشم ندوی رکن دائرۃ المعارف کے سپرد کیگئی ہے جنکو خود نواب صاحب مرحوم نے اپنی زندگی ہی مین اسکی اجازت دی تھی،

مولوی صاحب موصوف ندوہ کے ایک قابل فرزند ہین، اور مدتون نواب صاحب کے شرف خدمت سے مستفیض ہوتے رہے ہین، اس لحاظ سے اونکی ذاتی واقفیت کی بنا پر بھی اگرچہ یہ سوانح عمری نہایت جامع ومستند ہوگی، لیکن نواب مہدی یار جنگ نے مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے مشیر دکن مین یہ اعلان بھی کردیا ہے، کہ جن صاحبون کے پاس نواب صاحب کے سوانح سے متعلق مواد موجود ہون یا ان کو واقعات یاد ہون وہ ان کی خدمت مین بھیجدین جنکو وہ نہایت شکرگذاری کے ساتھ قبول کرین گے،

اُمید ہے کہ اس اعلان کے بعد نواب صاحب کے سوانح کا تمام متفرق ذخیرہ فراہم ہوجائیگا اور عنقریب اردو زبان مین ایک ضروری اور اہم سوانح عمری کا اضافہ ہوگا،

موتمر قاہرہ مین ۷ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۲۶ء کے اجلاس مین خلافت کے وجود شرعی کے متعلق یہ رزولیوشن پاس کیا گیا کہ خلافت کا وجود شرعی اصول کے مطابق ممکن ہے اسلیے تمام مسلمانون کا فرض ہے کہ وہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ایسے وسائل اختیار کرین جن سے اسلامی جماعت مین کوئی تفرقہ واختلاف نہ پیدا ہو،

لیکن اس کے حاصل کرنے کے لیے تمام عالم اسلام کی متفقہ رائے کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت صرف تمام دنیائے اسلام کی عام نمائندگی ہی سے پوری ہوسکتی ہے، لیکن اس موتمر مین تمام دنیائے اسلام کے نمائندے شریک نہ ہوسکے، اسلیے اس رزولیوشن مین یہ درخواست کیگئی ہے کہ تمام دنیائے اسلام کا یہ فرض ہے کہ موتمر کے آئندہ جلسہ مین جو قاہرہ مین ہوگا اپنے اپنے نمائندے روانہ کرین جو ایک جگہ بیٹھکر یہ مشورہ کرسکین کہ ایسی شرعی اور مستجمع الشروط خلافت کیونکر حاصل ہوسکتی ہے، لیکن موتمر حجاز کے تفصیلی حالات ابھی تک معلوم نہ ہوسکے، اگر یہ مقصد اس سے حاصل ہوگیا تو غالباً موتمر قاہرہ کی ضرورت باقی نہ رہے گی،

ہندوستان کے اور صوبون مین گورنمنٹ کی طرف سے اردو تصنیفات کی کم از کم یہ قدردانی توکیجاتی تھی کہ بہترین تصنیفات پر مصنفین کو سالانہ انعام دیاجاتا تھا، لیکن بدقسمتی سے ہمارا صوبہ متحدہ اس سے بھی محروم تھا، لیکن اب وزیر تعلیمات آنریبل راجیشوربلی نے اسکی تلافی ایک اعلیٰ پیمانے پر کرنی چاہی ہے اور ایک ہندوستانی اکاڈیمی کے قائم کرنے کا ارادہ کیا ہے، لیکن ابھی تک خود گورنمنٹ کی طرف سے اس اکاڈیمی کے متعلق کوئی اسکیم شائع نہین ہوئی ہے، اسلیے یہ فیصلہ نہین کیا جاسکتا کہ یہ اکاڈیمی اردو زبان کی ترقی مین کس قدر مفید ہوگی،

معارف کے کسی گذشتہ شذرہ مین مرہٹی انسائیکلو پیڈیا کے ارکان کو ان کے اس دلآزار رویہ کی طرف سب سے پہلے توجہ دلائی گئی تھی جس مین انھون نے پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والتسلیم پر اپنی انسائیکلو پیڈیا مین نہایت گستاخانہ حملے کئے تھے اور اس کے ایک پارہ (پیرا) کا ترجمہ بھی نقل کیا گیا تھا، اور اسی سلسلہ مین یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مقالہ نگار کے خیالات مستشرقین اور کرسچن مشنریز کے خیالات کا آئینہ ہین، اور اظہار افسوس کے بعد ارکان کو اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی تھی، اس شذرہ کے جواب مین اکولہ (برار) کے ایک مسلمان نے مطلع کیا کہ ارکان انسائیکلو پیڈیا اس عبارت کے وجود سے انکار کرتے ہین، اسکے جواب مین معارف نے اپریل کے شذرات مین اس صفحہ کا حوالہ دیا جس مین وہ عبارت درج ہے، اس اثنا مین اسلامی اخبارات بھی اس واقعہ سے گوش آشنا ہوئے اور بمبئی وغیرہ کے مسلمانون نے جلسۂ عام مین ارکان انسائیکلو پیڈیا کے اس طرز عمل سے بیزاری ظاہر کی جب ارکان انسائیکلو پیڈیا نے اس واقعہ سے مسلمانون مین عام ہیجان دیکھا تو پھر انھون نے بھی لب کشائی کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ کچھ دن گذرے کہ جناب شریدھر وی کیتکار نے جو انسائیکلو پیڈیا کے اڈیٹر ہین، بمبئی کرانیکل مین اس حصہ کے وجود کا اقرار کرتے ہوئے معارف کے اسی خیال کی تصدیق کی کہ "مین نے رسول عربی (صلعم) کے حالات جو صفحہ ۴۴ جلد ۴ مین درج کئے ہین وہ پروفیسر مارگولیتھ کی کتاب "انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس" سے ماخوذ ہین" لیکن پروفیسر مارگولیتھ کے علمی و تاریخی تحقیقات کا جو حال ہے اس پر معارف کے کسی گذشتہ مقالہ مین تفصیلی بحث کیجا چکی ہے، مگر حیرت تو یہ ہے کہ یہ کیا شان تحقیق ہے کہ سرزمین ہند مین بیٹھکر ایک ایسے مذہب کے متعلق جسکے پیرؤن کی چوتھائی آبادی ہندوستان مین ہی ہو، یورپ کے ایک نہایت مدلس اور متعصب مورخ سے معلومات حاصل کیجاتی ہین حالانکہ اسی سرزمین مین بعض علمی مجلسین مخصوص فن سیرت کے متعلق کام کر رہی ہین، اور یہ مقدس کام ابھی تک جاری ہے لیکن بہرحال اشک شوئی کے لیے یہ کیا کم ہے کہ جناب مقالہ نگار آخر مین لکھتے ہین، "اگر کوئی عربی دان مسلمان مورخ پروفیسر مذکور کی تحریر کا معقول جواب دے اور تشفی کر دے تو مین وہ حصہ حذف کر دونگا" اگر یہ فقرے صدق دل سے لکھے گئے ہین تو نہایت آسانی سے اسکی تعمیل ہو سکتی ہے،

مقالات

نواب عماد الملک مولنا سید حسین بلگرامی مرحوم

مسلمانون مین آج بہت سے لوگ ہین جو مغربی علوم مین مہارت رکھتے ہین، بہت سے لوگ ہین جو قدیم مشرقی علوم سے واقف ہین، اور بہت سے لوگ ہین جو سیاست و تدبر کے مرد میدان ہین، لیکن صرف نواب عماد الملک ایک ایسے بزرگ تھے جو ان سب کا مجموعہ تھے، اسلیے ان کی وفات سے اس قحط الرجال مین جو جگہ خالی ہوئی ہے وہ مدتون خالی رہیگی اور اسلامی جماعت کے تمام حلقون مین ایک مدت تک انکی وفات پر ماتم کیا جائے گا،

نواب صاحب مرحوم کا خاندان اودھ کے مشہور مردم خیز قصبہ بلگرام سے تعلق رکھتا ہے، لیکن وہ ضلع گیا مین ۱۲۶۰ھ مین پیدا ہوئے، اور چودہ پندرہ سال کی عمر تک خانگی مکتب مین اپنے خاندانی علم عربی و فارسی کی تحصیل کی، اور ان علوم سے فارغ ہو کر انگریزی زبان اور مغربی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلے بھاگلپور مین، پھر پٹنہ مین اور اس کے بعد کلکتہ کے انگریزی مدارس مین تعلیم پاکر ۱۸۶۶ء مین آنرکے ساتھ فرسٹ گریڈ مین بی، اے پاس کیا، تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے علمی ذوق کی وجہ سے ملازمت کے لیے محکمہ تعلیمات کو پسند کیا، اور کیننگ کالج لکھنؤ مین عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، لیکن ۱۸۷۲ء مین جب مدار المہام دولت آصفیہ نظام سر سالار جنگ بہادر اعظم سیاحت کرتے ہوئے وارد لکھنؤ ہوئے تو جنرل بارو نے ان سے نواب صاحب کو ملایا اور انکی ذاتی و علمی خوبیان بیان کین، چنانچہ وہ ان کے گرویدہ

ہوگئے اور انکو سرکار نظام کی ملازمت کا شوق دلایا، اور وہ ۱۸۷۳ء مین حیدرآباد پہنچکر سر سالار جنگ کے پرسنل اسسٹنٹ مقرر ہوئے، ۱۸۸۳ء تک یہی خدمت انجام دی اس کے بعد سر سالار جنگ سفر یورپ سے واپس آئے تو ان کو اپنا پرائیوٹ سکریٹری اور معتمد صیغۂ متفرقات مقرر کیا، جسمین سررشتۂ تعلیم اور متعدد چھوٹے محکمے شامل تھے، اس کے بعد جب حضور پر نور نواب میر محبوب علیخان بہادر مسند آرائے سلطنت ہوئے تو نواب صاحب کو اپنا پرائیوٹ سکریٹری مقرر فرماکر "علی یار خان موتمن جنگ بہادر" کا خطاب عطا فرمایا، اور چند سال کے بعد ان کو عماد الدولہ اور پھر عماد الملک کے خطابات عطا ہوئے، تھوڑے زمانہ کے بعد وہ ناظم تعلیمات مقرر ہوئے، اس کے بعد ان کو گورنمنٹ نے ۱۹۰۲ء مین مجلس وضع قوانین کا رکن نامزد کیا، پھر چند سال کے بعد جب اصلاحات مارلے نافذ ہوئین تو وہ وزیر ہند کی مجلس کے رکن منتخب کئے گئے اور ۱۹۰۷ء سے ۱۹۰۹ء تک اس معزز منصب پر سرفراز رہے، اسی زمانہ مین ان کو سی، ایس، آئی کا خطاب اور تمغہ ملا، اس مجلس کی رکنیت سے بوجہ علالت دست بردار ہوکر واپس تشریف لائے، تو ان کو مدار المہام نواب سالار جنگ ثالث کی مدد کے لیے مشیر المہام مقرر کیا گیا اور اس عہدہ سے علیحدہ ہونے کے بعد اگرچہ انھون نے پھر کوئی سرکاری خدمت قبول نہین کی، لیکن اعلیٰ حضرت شہریار دکن کی نگاہ مین ان کا اعزاز ہمیشہ قائم رہا،

نواب صاحب مرحوم کی زندگی کے یہ تمام پہلو اگرچہ دنیوی حیثیت سے نہایت روشن و نمایان ہین لیکن ہم معارف کے صفحات مین ان کا ماتم اسلئے کرتے ہین کہ ان دنیوی اعزازات و مشاغل نے انکی علمی شان مین کوئی فرق پیدا نہین کیا، چنانچہ عربی شعراء کے کلام پر ان کو نہایت عبور تھا، اور شعرائے جاہلیت کے سادہ اشعار کو نہایت پسند کرتے تھے، انگریزی بھی نہایت سادہ اور سہل ممتنع لکھتے تھے، اور نہ صرف انگریزی نثر مین کمال رکھتے تھے، بلکہ انگریزی کے بہت بڑے شاعر بھی تھے اخیر عمر مین قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ بھی شروع کیا تھا جو سولہ پارہ تک ہوکر ضعف بصارت و علالت کی وجہ سے رک گیا

اس ترجمہ مین بالکل بائبل کی زبان اختیار کی ہے، انگریزی کے علاوہ فرانسیسی زبان کے بھی ماہر تھے، اور اس سے بے تکلف ترجمہ کرسکتے تھے، بنگالہ مین نشو ونما ہونے کی وجہ سے بنگالی زبان بھی بے تکلف بولتے تھے، ان علمی کمالات نے ان کے اخلاق و معاشرت پر بھی نہایت نمایان اثر ڈالا تھا چنانچہ وہ ہمیشہ علما و فضلا کے قدر دان رہے اور ان کو ایک عالم یا طالب العلم کی صحبت مین چاہے وہ کتنی ہی کم حیثیت کیون نہ ہو بڑا لطف آتا تھا، طرز معاشرت بالکل عالمانہ و سادہ تھی، ظاہری حیثیت سے اگرچہ وہ ایک شاندار کوٹھی مین رہتے تھے، لیکن جب مخلی بالطبع ہوتے تھے تو کتابون کے ڈھیر کے درمیان کسی بوریا یا دری پر بیٹھکر کسی مسئلہ کی تحقیق یا کسی تاریخی واقعہ پر گفتگو کرتے ہوئے نظر آتے تھے،

مشرقی و مغربی علوم و فنون کے اجتماع کی بنا پر ندوہ سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے، چنانچہ انھون نے ندوہ کو اپنا قیمتی انگریزی کتب خانہ عطا فرمایا، اور ہر موقع پر طلبائے ندوہ کی سرپرستی و قدردانی کرتے رہے، آج دائرۃ المعارف حیدرآباد مین ندوہ کے جو فارغ التحصیل طلبا کام کر رہے ہین، وہ ان کی اس قدردانی و سرپرستی کے مشکور و معترف ہین،

ایک علمی مرکز ہونے کی حیثیت سے انھون نے دارالمصنفین کے ساتھ ابتدا ہی سے اپنا شغف قائم کیا اور اخیر زندگی تک قائم رکھا، چنانچہ دارالمصنفین قائم ہوا تو انھون نے اس کے لیے سالانہ ایک رقم مقرر فرمائی، اور لکھا کہ دارالمصنفین پہلا انسٹیٹیوشن ہے جس کے لیے مین یہ مستقل رقم مقرر کرتا ہون، لیکن باینہمہ چونکہ یہ رقم ان کے حوصلے کے مطابق نہ تھی اسلیے اس پر ہمیشہ تاسف و ندامت کا اظہار کرتے رہے، اس کے علاوہ اس شغف کے اور بھی متعدد شواہد موجود ہین، مثلاً ہمیشہ معارف کا بالاستیعاب مطالعہ فرماتے تھے، دارالمصنفین کی تصنیفات جب ان کی خدمت مین بھیجی جاتی تھین تو ان کو لازمی طور پر پڑھتے تھے، اور اگر ضعف و علالت کی وجہ سے خود نہین پڑھ سکتے تھے تو دوسرون سے پڑھوا کر سنتے تھے، اور ان تصنیفات کے پہنچنے پر جو خط لکھتے تھے اس مین انکی داد دیتے تھے، اور اپنی مسرت کا اظہار کرتے تھے، افسوس ہے کہ مولانا سید سلیمان

صاحب ندوی اس وقت موجود نہین ہین ورنہ ہم ان کے خطوط کے متعدد اقتباسات نقل کرتے جن سے اونکی اس ولآویزی اور دلچسپی کا واضح طور پر اظہار ہوتا علمی حیثیت سے اونکی سب سے بڑی یادگار مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد ہے، جو ہندوستان مین اپنے قسم کی پہلی یادگار ہے، آج ہندوستان مین عربی زبان کی قدیم و نادر کتابون کی طبع واشاعت کا کوئی سامان نہین ہے، جدید تعلیم یافتہ گروہ کو تو اس کی پرواہی نہین، لیکن قدیم تعلیم یافتہ جماعت نے بھی اسکی طرف توجہ نہین کی، نواب صاحب مرحوم پہلے شخص ہین جنھون نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور حیدرآباد مین اس غرض کے لیے ایک مستقل انجمن دائرۃ المعارف کے نام سے قائم کی جو ہر سال عربی کی نادرالوجود کتابون کو اڈٹ کرکے شائع کرتی ہے، چنانچہ ابھی حال ہی مین مستدرک حاکم اور مباحث مشرقیہ امام رازی جیسی اہم اور نادرالوجود کتابین شائع ہوچکی ہین اور متعدد نادرالوجود قلمی کتابون کی تصحیح ہورہی ہے،

نواب صاحب مرحوم کی یہ ایک ایسی یادگار ہے جو اگر مستقل طور پر قائم رہی، تو ہمیشہ علماء و فضلاء کو اپنا گرویدۂ احسان رکھیگی، اور اس سے ریاست حیدرآباد کے علمی وقار مین بھی نمایان اضافہ ہوگا،

عقیقہ

اور

اوس کے مصالح

از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

عرب جاہلیت مین جو رسمین موجود تھین اُن مین بعض کو تو اسلام نے بالکل مٹا دیا، اور بعض کا جو حصہ قابل اصلاح تھا اوسکی اصلاح کر دی، اور بقیہ حصہ کو بعینہٖ قائم رہنے دیا، صرف اہل عرب کی خصوصیت نہیں بلکہ جو باتین دوسری قومون اور دوسرے مذاہب مین موجود تھین، اگر وہ تمدنی اغراض کے لیے مفید ثابت ہوئین تو اسلام نے ان کو بھی قائم رکھا، مثلاً خراج اور عشر کے جو قوانین کیقباد اور نوشیروان نے مقرر کئے تھے اسلام نے بھی اسی قسم کے قوانین مقرر کئے اور حدود و تعزیرات کے متعلق اسلام کا قانون بالکل تورات کے موافق ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین ایک سرخی قائم کی ہے "باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم" اور اس مین اس قسم کی متعدد مثالین درج کر کے لکھتے ہین،

وامثال ھذہ کثیرۃ جدا لا تخفی علی المتتبع	اس قسم کی مثالین یقیناً بہت ہین جو تلاش و جستجو کرنیوالے
بل لو کنت فطنا محیطا بجوانب الاحکام	سے مخفی نہین، بلکہ اگر تم ذہین اور احکام کے اطراف وجوانب
لعلمت ایضاً ان الانبیاء علیھم السلام	پر حاوی ہو تو تم کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام
لم یاتوا فی العبادات غیر ما عندھم	عبادات کے متعلق بھی وہی باتین لاتے ہین جو بعینہا
ھی او نظیرہ لکنھم نفوا تحریفات الجاھلیۃ	اونکی نظیر انکی قومون مین موجود تھین البتہ انھون نے جاہلیت

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۰)

عقیقہ بھی ایک ایسی رسم ہی، جو عرب جاہلیت مین موجود تھی اور اسلام نے بعض تغیرات کے ساتھ اسکو قائم رکھا، مثلاً جاہلیت مین یہ دستور تھا کہ بچے کا عقیقہ کرتے تھے تو بکری کا خون اُس کے سر مین ملتے تھے، اسلام نے اس کی ممانعت کی، اور بقیہ باتون کو قائم رکھا[1]، لیکن حدیثون اور اسلامی تاریخون سے یہ معلوم نہین ہوتا کہ اہل عرب مین یہ رسم خود ملت ابراہیمیہ کی یادگار تھی؟ یا اُنھون نے اس کو خود ایجاد کر لیا تھا؟ یا کسی دوسری قوم سے اخذ کیا تھا؟ البتہ قرائن سے ان تمام احتمالات کی تائید کیجا سکتی ہے، مثلاً زمانۂ حج مین قربانی کیجاتی ہے، اور سر کے بال منڈوائے جاتے ہین، اور عقیقہ کی رسم کو ان دونون باتون سے مشابہت حاصل ہے، اس لیے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ رسم خود ملت ابراہیمیہ کی یادگار ہو گی یا کم از کم اہل عرب نے حج کے ان مناسک کی مناسبت سے اس کو ایجاد کر لیا ہو گا، اس کے ساتھ مشہور مورخ ہیرڈوٹس کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل مصر مین بھی اسی کے مشابہ ایک رسم یہ جاری تھی کہ جب وہ لوگ کسی دیوتا کے آگے منت مانتے تھے تو اس کو جانورون کے ذریعہ سے اس طرح پورا کرتے تھے کہ منت مانگتے وقت بچے کے سر کو پورا یا نصف، یا تہائی منڈا دیتے تھے اور اس کے بعد ان بالون کے برابر چاندی کی ایک مقدار تول کر اس جانور کے محافظ کو دیدیتے تھے جسکو لیکر وہ مچھلیان خریدتا تھا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس جانور کو کھلا دیتا تھا، ہمارے بعض تعلیم یافتہ دوستون کا خیال ہے کہ ہندؤن مین مونڈن کی جو رسم جاری ہے وہ بھی غالباً مصریون کی اسی رسم سے ماخوذ ہے؛ کیونکہ تاریخی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریون اور ہندؤن مین قدیم تعلقات تھے، اور ان کے متعدد مراسم مین اتحاد پایا جاتا ہے (مثلاً تعظیم بقر، تقسیم ذات وغیرہ) اور رسول اللہ صلعم نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو عقیقہ کیا تھا اسکی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ حضرت ماریہ قبطیہ کے لڑکے تھے جو مصری تھین، اور رسول اللہ صلعم نے اس رسم کو بے ضرر اور غیر بت پرستانہ رسم خیال کر کے انھی کے مصری

---

[1] ابو داؤد کتاب الاضاحی باب العقیقہ،

طریقہ کے مطابق اس پر عمل کیا، لیکن اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ آپ نے اس کو کوئی اسلامی رسم قرار دیا
لیکن حضرت ابراہیم کے عقیقہ کی بحث آگے آئیگی اوس سے ثابت ہو جائے گا کہ ان کا عقیقہ بروایت صحیحہ
ثابت نہین، اور ہمنے ابو داؤد کے حوالے سے اوپر جس روایت کا خلاصہ نقل کیا ہے اوس سے
صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے پہلے عرب مین عقیقہ کا رواج موجود تھا، یہ ممکن ہے کہ خود اہل عرب نے
اس رسم کو مصریون سے اخذ کیا ہو، لیکن رسول اللہ صلعم نے اس کو بہر حال ایک عربی ہی رسم کی حیثیت سے
قائم رکھا جو بے ضرر ہونے کے ساتھ متعدد حکم و مصالح پر مشتمل تھی چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین

عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کرتے تھے اور وہ ان کے نزدیک نہایت ضروری اور سنت مؤکدہ
تھا، چونکہ اس مین بہت سی مصلحتین تھین جنکا تعلق مذہب، تمدن اور اخلاق سے تھا اس لیے
رسول اللہ صلعم نے بھی اس کو قائم رکھا، اس پر عمل فرمایا اور لوگون کو اس کی ترغیب دی،
مثلاً ان مین ایک مصلحت یہ ہے کہ لطیف طریقے سے لڑکے کے نسب کی اشاعت کی جائے،
کیونکہ اسکی اشاعت ضروری ہے، تاکہ اس کے متعلق ایسی باتین نہ کہی جائین جسکو وہ پسند نہ کرتا ہو
لیکن یہ اچھا نہین معلوم ہوتا کہ ایک شخص گلیون مین گھوم گھوم کر یہ منادی کرے کہ میرے لڑکا
پیدا ہوا ہے، اس لیئے عقیقہ کے ذریعہ سے اس مین لطافت پیدا کیگئی، ایک مصلحت یہ ہے
کہ جذبہ فیاضی کی پیروی اور جذبۂ بخل کی نافرمانی کیجائے، ایک مصلحت یہ ہو کہ عیسایون کے
یہان جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو اس کو زرد پانی سے رنگتے تھے اور اس کو تعمید کہتے تھے،
اور ان کا قول تھا کہ اس کے ذریعہ سے لڑکا عیسائی ہو جاتا ہے اس لیے رسول اللہ صلعم نے
یہ پسند فرمایا کہ ان کے اس فعل کے مقابل مین حنیفیون (مسلمانون) کا کوئی فعل بھی ایسا
ہونا چاہیئے جس سے معلوم ہو کہ لڑکا حنیفی اور ملت ابراہیمی و اسمٰعیلی کا پیرو ہے، اور ان
دونون پیغمبرون کے ساتھ جو افعال مخصوص اور ان کی اولاد مین وراثۃً چلے آتے ہین

وہ یہ ہین کہ انھون نے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا عزم کیا پھر خدا نے ان پر احسان کیا اور
ایک ذبح عظیم کو ان کا فدیہ بتایا، اور ان کے شرائع مین سب سے زیادہ مشہور حج ہے جس مین
بال منڈوانا اور قربانی کرنا داخل ہے، اسلیے اس مین ان دونون کی مشابہت کرنا ملت ابراہیمیہ
کی عظمت اور یہ منادی کرنا ہے کہ لڑکے کے ساتھ وہ طریقہ برتا گیا جو اس مذہب کے اعمال مین
سے ہے، ..... ساتوین دن کی تخصیص اسلئے ہے کہ ولادت اور عقیقہ کے درمیان فصل
کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اوس کے اعزہ ابتدا مین زچہ وبچہ کی اصلاح مین مشغول ہوتے ہین
اسلئے ان کو ایسی تکلیف نہین دیگئی جو انکی مشغولیت کو اور بڑھا دے نیز بہت سے لوگ
بکرے کو بڑی محنت سے پاتے ہین اس لیے اگر عقیقہ کو پہلے ہی دن مسنون کر دیا جائے
تو ان پر تنگی پڑ جائیگی، .....

سر کا بال منڈوانا تو جیسا کہ ہمنے بیان کیا حاجیون کی مشابہت کیلئے ہے، اور نام اس دن
اس لیے رکھا جاتا ہے کہ اس سے پہلے لڑکے کو نام رکھنے کی ضرورت نہین پیش آتی،
چاندی کے خیرات کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لڑکا جب جنینیت سے طفلیت کی طرف منتقل ہوا
تو یہ ایک احسان ہے جسکا شکریہ واجب ہوا اور بہترین چیز جسکے ذریعہ سے یہ شکریہ ادا
کیا جائے وہ چیز ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ اس کا معاوضہ ہے اور چونکہ بچے کا بال
نشارۃ جنینیہ کا بقیہ ہے، اور اس کا مونڈ دینا نشارۃ طفلیہ کی علامت ہے، اس لئے
یہ ضروری ہوا کہ بال کے وزن کے برابر چاندی دینے کا حکم دیا جائے اور چاندی کی تخصیص
اس لیے ہے کہ سونا قیمتی ہوتا ہے اور اس کو صرف دولتمند پا سکتا ہے[1]"

لیکن بایں ہمہ احادیث مین عقیقہ کی عملی مثالین بہت کم مذکور ہین، صحابہ کرام رض کا دستور تھا کہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸

جب ان کے یہان اولاد ہوتی تھی تو اُس کو رسول اللہ صلعم کی خدمت مین لاتے تھے اور آپ اُس کا نام رکھتے تھے اور کھجور کا ایک ٹکڑا چبا کر اُس کے منھ مین ڈال دیتے تھے، جسکو اصطلاح مین تحنیک کہتے ہین امام بخاری نے اس قسم کے متعدد واقعات نقل کیے ہین لیکن ان حدیثون مین سے کسی مین یہ تصریح نہین ہے کہ ان بچون کے عقیقے مین آپ نے شرکت فرمائی یا کم از کم ان کا عقیقہ کیا گیا،

بچے کی ولادت کی خوشی تو ہر شخص کو ہوتی ہے، لیکن اسلام کی تاریخ مین بعض مواقع ایسے پیش آئے کہ اس پر عام قومی مسرت کا اظہار کیا گیا، چنانچہ مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ مین آئے تو ان سے کہا گیا کہ یہود مدینہ نے تمپر جادو کر دیا ہے جس کے اثر سے تم لوگون کے یہان اولاد نہ ہوگی، اس لیے جب ہجرت کے بعد سب سے پہلے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تو ان کی ولادت پر تمام مہاجرین کو مسرت ہوئی، لیکن باوجود اس عام قومی مسرت کے ان کا عقیقہ نہین کیا گیا، امام بخاری نے کتاب العقیقہ مین اس قسم کی متعدد حدیثون کو نقل کر کے جو نتیجہ نکالا ہے، اوسکی بنا پر یہ باب قائم کیا ہے،

باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنہ وتحنیکہ	باب اس دن لڑکے کے نام رکھنے کا جس روز وہ پیدا ہوا اُس شخص کے لیے جس نے اوسکا عقیقہ نہین کیا اور اسکی تحنیک کرنے کا،

بخاری کی ان حدیثون مین ولادت کے پہلے ہی دن جن بچون کے نام رکھے گئے اور انکی تحنیک کیگئی ان کے نام ابراہیم بن ابی موسیٰ، عبد اللہ بن ابی طلحہ اور عبد اللہ بن زبیر ہین، اور ان نامون کو گنا کر حافظ ابن حجر فتح الباری مین لکھتے ہین،

فانہ لم ینقل انہ عق عن احد منھم[1]	کیونکہ یہ منقول نہین ہے کہ ان مین سے کسی کا عقیقہ کیا گیا،

[1] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۵۰۷،

خود رسول اللہ صلعم کی اولاد مین حضرت ابراہیم علیہ السلام عہد اسلام مین پیدا ہوئے ہین اور حافظ ابن حجر نے انھی تین بچون کے سلسلے مین اونکو بھی شامل کر لیا ہے، بخاری اور مسلم مین بھی ان کی ولادت کا واقعہ مذکور ہے، لیکن اس مین بھی عقیقہ کی تصریح نہین ہے، چنانچہ مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہین،

عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ولد لى الليلة غلام فسميته باسم ابى ابراهيم ثم دفعه الى ام سيف امرأة قين يقال له ابو سيف فانطلق ياتيه واتبعته فانتهينا الى ابى سيف وهو ينفخ بكيره قد امتلأ البيت دخانا فاسرعت المشى بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت يا ابا سيف امسك جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فامسك فدعا النبى صلى الله عليه وسلم بالصبى فضمه اليه وقال ماشاء الله ان يقول	حضرت انس بن مالک کہتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ رات میرے بچہ پیدا ہوا اور مینے اپنے باپ ابراہیم کے نام پر اوسکا نام رکھا پھر آپ نے اسکو ام سیف کے حوالہ کیا جو ایک لوہار ابو سیف نامی کی بی بی تھین (بطور دایہ و مرضعہ کے) آپ ان کے یہان چلے اور مین بھی پیچھے پیچھے چلا، ہم ابو سیف کے یہان پہنچے تو وہ اپنی بھٹی کو پھونک رہے تھے اور گھر دھوین سے بھر گیا تھا، مین نے تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے آگے بڑھکر کہا کہ اے ابو سیف رک جاؤ رسول اللہ صلعم تشریف لائے ہین وہ رک گئے تو آپنے بچے کو طلب فرمایا اور اسکو لپٹا یا اور جو کچھ کہنا چاہا کہا (یعنی پیار اور محبت کے الفاظ)

لیکن اہل سیر کا بیان ہے کہ آپ نے ساتوین دن ان کا عقیقہ کیا اس مین دو مینڈھے ذبح کیے ابو ہند نے ان کا سر مونڈا آپنے اسی دن ان کا نام رکھا ان کے بال کے برابر چاندی خیرات کی اور انکے بال کو زمین مین دفن کر دیا، لیکن چونکہ یہ واقعہ مسلم و بخاری کی حدیث کے مخالف ہے، اس لئے زرقانی نے مواہب لدنیہ کی شرح مین لکھا ہے،

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال وتواضعہ وفضل ذلک،

ففی هذا الحدیث الصحیح انه سماه صبیحة	تو اس حدیث صحیح مین یہ ہے کہ آپ نے ولادت کی صبح ہی کو انکا
الولادة فیعارض ما ذکرہ اہل السیر انه	نام رکھا اسلیے اہل سیر نے جو یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے ساتوین دن
سماہ یوم سابعه ویجمع بینهما بان التسمیة	ان کا نام رکھا یہ اس کے معارض ہے، لیکن ان دونون مین
کانت قبل السابع کما فی حدیث انس	یہ تطبیق دیجا سکتی ہے کہ جیسا کہ انس کی اس حدیث مین ہے
هذا ثم ظهرت فیه[1]	ساتوین دن سے پہلے نام تو رکھدیا گیا لیکن ساتوین دن اسکا اعلان ہوا

لیکن ہمارے نزدیک تطبیق کی ضرورت وہان پڑتی ہی جہان دو مساوی درجہ کی روایتون مین تعارض واقع ہو، لیکن بخاری و مسلم کی روایتون کے مقابل مین اہل سیر کی روایتون کا کیا پایہ ہے؛ اسلیے یہ تطبیق غیر ضروری ہی، اور مسلم و بخاری ہی کی روایتون کو اس معاملہ مین لازمی طور پر مرجح خیال کرنا چاہیئے،

البتہ بخاری و مسلم کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابون مین یہ روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت حسن علیہ السلام کے عقیقہ مین ایک بکری ذبح کی، چنانچہ ترمذی کی ایک روایت مین ہے کہ آپ نے ولادت کے دن حضرت حسن علیہ السلام کے کان مین اذان کہی، امام ترمذی نے اس واقعہ کو باسناد روایت کیا ہی، اور اسی کے ضمن مین لکھا ہے کہ یہ روایت بھی کیگئی ہے کہ آپ نے حضرت حسن علیہ السلام کے عقیقہ مین ایک بکری ذبح کی اور بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہین لیکن اس موقع پر اس روایت کا سلسلۂ اسناد نہین بیان کیا ہے، دوسری حدیث اس سے زیادہ مصرح ہے، اور اس مین سلسلۂ اسناد بھی مذکور ہے، اس کے اخیر راوی ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین ہین جو حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت کرتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے امام حسن علیہ السلام کے عقیقہ مین ایک بکری ذبح کی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ان کے سر کو مونڈوا دو، اور ان کے

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۰۰، ۲۱۱، ۲۱۶،

بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرو، تو مین نے وزن کیا تو وہ ایک درہم یا درہم کے کچھ حصے کے برابر ہوئے، لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرکے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور اسکی سند متصل نہین ہے کیونکہ ابو جعفر محمد بن علی نے علی بن ابی طالب کا زمانہ نہین پایا[1] اس لیے لازمی طور پر ان دونون کے درمیان کا کوئی راوی چھوٹ گیا ہے جس کے متعلق ہم کو کچھ معلوم نہین ہے، ابوداؤد کی روایت مین امام حسین علیہ السلام کا نام بھی شامل ہے، چنانچہ اوس کے الفاظ یہ ہین

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عق عن الحسن والحسین کبشا کبشا،	رسول اللہ صلعم نے امام حسن و حسین علیہما السلام کے عقیقہ مین ایک ایک مینڈھا ذبح کیا،

لیکن حافظ ابن حجر کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بہت زیادہ قوی نہین ہے کیونکہ تمام روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑکے کے عقیقہ مین دو بکرے یا دو مینڈھے ذبح کرنے چاہئین، اور اس حدیث مین صرف ایک مینڈھے کی تصریح ہے، چنانچہ وہ اس حدیث کے معارض روایتون کو نقل کرکے لکھتے ہین،

وعلی تقدیر ثبوت روایۃ ابی داؤد فلیس فی الحدیث ما یرد بہ الاحادیث المتواترۃ فی التنصیص علی التثنیۃ للغلام بل غایتہ ان یدل علی جواز الاقتصار[2]	اور ابوداؤد کی روایت کے ثابت ہوجانے کے بعد بھی یہ حدیث ان متواتر حدیثون کی تردید نہین کرتی جن مین یہ تصریح ہے کہ لڑکے کے عقیقہ مین دو جانور ذبح کرنے چاہئین انتہا سے انتہا اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہی کہ ایک پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے،

ان تمام روایتون سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

(۱) اسلام مین بہت سے بچے عہد نبوت مین پیدا ہوئے اور ان کا عقیقہ نہین کیا گیا،

---

[1] ترمذی کتاب الاضاحی باب ماجاء فی العقیقہ، [2] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۵۱۱،

(۲) خود رسول اللہ صلعم کی اولاد مین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیقہ بروایت صحیح ثابت نہین،

(۳) حضرت حسنین علیہما السلام کا عقیقہ بھی بہت زیادہ جید اور قوی حدیثون سے ثابت نہین،

ان روایتون کے بعد وہ حدیثین ہین جنمین عقیقہ کا عام حکم دیا گیا ہے، مثلاً

عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجاریۃ شاۃ — لڑکے کی جانب سے دو یکسان بکریان اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری

کل غلام رھینۃ بعقیقۃ تذبح عنہ یوم سابعہ ویحلق ویسمی، — ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ گرو ہے اس کے ساتوین دن اس کی جانب سے ذبح کیا جائے، سر مونڈا جائے اور نام رکھا جائے،

یہ روایتین ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور حدیث کی عام کتابون مین مذکور ہین، لیکن امام بخاری نے اس قسم کی حدیثون کی روایت مین بھی نہایت احتیاط سے کام لیا ہے، یہان تک کہ اسماعیلی کا قول ہے کہ

لم یخرج البخاری فی الباب حدیثاً صحیحاً علی شرطہ، — بخاری نے اس باب مین اپنی شرط کے موافق کسی حدیث صحیح کی روایت نہین کی،

انھون نے ایک باب باندھا ہے،

باب اماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقۃ — عقیقہ مین لڑکے سے تکلیف یعنی بالون کا دور کرنا،

اور اس کے تحت مین ایک موقوف حدیث یہ لائے ہین،

مع الغلام عقیقۃ — لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے،

لیکن اس مین اماطہ اذی یعنی بالون کے مونڈوانے کا ذکر نہین،

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہین،

مع الغلام عقیقۃ فاھریقوا عنہ دماً واماطوا عنہ الاذی، — لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اوسکی جانب سے ذبح کرو، اور اسکی تکلیف یعنی بالون کو دور کرو،

لیکن یہ حدیث بھی بعض لوگون کے نزدیک منقطع ہی عقیقہ کی سب سے مصرح حدیث جسکے الفاظ یہ ہیں

الغلام مرتھن بعقیقۃ تذبح عنہ یوم السابع ویحلق راسہ ویسمی، لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ گرو ہوتا ہی جو اسکی جانب سے ساتوین دن ذبح کیا جائے اس کا سر مونڈا جائے اور نام رکھا جائے،

حضرت سمرہ بن جندبؓ کی سند سے مروی ہے، لیکن امام بخاری نے اس کے متعلق صرف اس قدر روایت کی ہے کہ حبیب بن الشہید کا بیان ہے کہ مجھکو ابن سیرین نے حکم دیا کہ حسن سے پوچھون کہ انھون نے عقیقہ کی حدیث کس سے سنی، مین نے ان سے دریافت کیا تو انھون نے کہا کہ سمرہ بن جندب سے لیکن اصل روایت کو نقل نہین کیا ہے جسکی نسبت حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ چونکہ یہ روایت بہت مشہور تھی اسلئے انھون نے اسکی روایت ضروری نہین سمجھی، احادیث کے بعد ائمہ کے اقوال و مذاہب ہین جن مین اصحاب الرائے اس کو سنت نہین سمجھتے بلکہ امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ عقیقہ جاہلیت کی ایک رسم تھی جسکو اسلام نے مٹا دیا، امام محمد کے نزدیک زمانۂ جاہلیت اور ابتدائے اسلام مین عقیقہ کا رواج بے شبہہ تھا، لیکن قربانی کی فرضیت نے اسکو منسوخ کر دیا، اس کے بخلاف اہل ظاہر اور امام حسن بصری کے نزدیک وہ واجب ہی، لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وہ ایک مستحب چیز ہے اور امام شافعی نے اسی کو ایک معتدل روش قرار دیا ہے،

حقیقتِ اسلام

نواب سر احمد حسین خان امین جنگ بہادر چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام کی نوٹس آف اسلام کا ترجمہ ہے، جس مین نئے انداز سے اسلام کی حقانیت اور اس کا سائنس کے ساتھ تطابق دکھایا گیا ہے، کتاب قابل دید ہے، قیمت ۱۲/

منیجر

عربون کا علم طب شام میں

اور

یورپ کا اوس سے استفادہ[1]

مترجمہ:- مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

عربون کی سلطنت مین علم طب کو خاص عروج حاصل ہوا، اطبا رخاص وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اونھین خلفا، کے دربار مین خاص اعزاز واکرام حاصل تھا، وہ بعض خلفار کے ہمجلیس اور مشیر کار ہوتے تھے، انھین خلعتون سے سرفراز کیا جاتا تھا، اور اسی تناسب سے ان کے پاس دولت وثروت کا ذخیرہ ہوتا تھا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جبرئیل بن بختیشوع نے اپنے بعد اس قدر دولت چھوڑی کہ صرف اس کے لڑکے عبید اللہ کو...... ۸ دینار یعنی تقریبًا..... ۶۰ مصری پونڈ ملے، علاوہ ازین جائداد غیر منقولہ مین چند گاؤن، باغ، اور متعدد عالیشان محل وراثت مین ملے تھے،

سلطنت مین یہ قانون جاری تھا کہ طلبہ مختلف علوم وفنون کی تحصیل کے ساتھ علم طب اور تشریح کو بھی ضرور حاصل کرین، یہی وجہ ہے کہ شام کے طبیبون مین تحصیل علم کا ایک خاص ذوق پیدا ہوگیا تھا، وہ علم کے لیے متعدد سفر کرتے تھے لیکن سفر کی درازی، اس کے مصائب، اور اجنبی زبانون کی تحصیل مین پیش آنے والی دشواریان ان کے علمی ذوق کے پورا کرنے مین سدراہ

[1] ماخوذ از خطبہ ڈاکٹر توفیق موصمہ مندرجہ الہلال بابت مارچ ۱۹۲۶ء،

نہین ہوتی تھین، چنانچہ اسحاق ابن حنین ــــ جسکی کتابین ازمنۂ وسطی مین بھی درس طبیہ کی بنیاد رہ چکی ہین ــــ اسی شام کے بادیہ سے اوٹھا اور پہلے یوحنا بن ماسویہ سے جو یورپ مین MESSUES کے نام سے مشہور ہے، تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ایران، پھر یونان کا سفر کیا، اور ان دونون مقامات پر وہان کی زبانین سیکھ کر وہان کے ممتاز اساتذہ سے مختلف علوم کی تکمیل کی، جب اسے علوم طبیہ مین کافی دستگاہ حاصل ہوگئی تو اس نے اُن تین اسکولون کی طرف توجہ کی جو اس کے زمانہ مین بقراط، افلاطون، اور جالینوس کے نام سے رائج تھے، اسحاق نے پہلے ان اسکولون مین باھسم موازنہ کیا، پھر ہر اسکول کی مختلف کتابون مین سے بعض کتابون کے ترجمے کیئے اور بعض کی شرحین لکھین، اس کے بعد ان ترجمون اور شرحون پر دیگر جدید تجربون اور نظریون کا اضافہ کرنے کے ساتھ ان اسکولون کے بہت سے غلط نظریون کی تصحیح بھی کی، پھر مختلف مباحث مثل علم طب، حفظان صحت، شفا، امراض، اور تندرست ہو جانے کے بعد قوت حاصل کرنے کے طریقون وغیرہ پر متعدد کتابین لکھین، چنانچہ قرون وسطی تک یہی کتابین یورپ اور ایشیا کے طبی مدرسون کے نصاب مین داخل تھین، یہانتک کہ اسکندریہ کے مشہور ترین مدرسہ طبیہ کا نصاب بھی انھین کتابون پر مشتمل تھا،

کیمیا

علم کیمیا علمائے عرب کا رہین منت ہے کہ انھون نے کیمیا کے ایسے بیشتر اجزاء کا اکتشاف کیا ہے جو اس وقت بہت سے معالجون کی بنیاد ہین، یورپ ان علماء مین سے جابر بن حیان کو کیمیا کا مکتشف خیال کرتا ہے، اُسے انگلستان کا مشہور فلسفی بیکن (BECON) "استاذ الاساتذہ" کا لقب دیتا ہے، اور یورپ کا مشہور ریاضی دان کارڈن (CORDON) اسے اُن بارہ ماہرین کی صف مین داخل کرتا ہے جو اپنے علم و فن کے لحاظ سے دنیا مین سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہین

یہ واقعہ ہے کہ علم کیمیا پر جابر بن حیان کے احسانات بہت زیادہ ہین، مثلاً اسی نے عرق کشی، بھاپ کا اٹھنا، کلورائڈ آف سوڈیم (نمک) پارہ، روح شراب اور شوریت رکھنے والی بوٹیون یعنی نباتات ملحیہ وغیرہ کا اکتشاف کیا تھا، اور یہ نظریہ اسی کا دریافت کیا ہوا ہے کہ حرارت کے ذریعہ سے اجسام زیادہ ثقیل کئے جا سکتے ہین، اور سونے کے گھلانے کا طریقہ بھی اسی نے سب سے پہلی مرتبہ معلوم کیا ہے،

جابر بن حیان کے بعد ابوبکر الرازی کا دور آتا ہے، جسے اہل مغرب RHASES کے نام سے یاد کرتے ہین، اس نے نشہ آور اشیا کی عرق کشی کرکے اسپرٹ تیار کرنے کا طریقہ اکتشاف کیا، اور اسی کی طرف گندھک اور چونے کا اکتشاف بھی منسوب ہو،

گستاؤلیبان کہتا ہے: عربون کے علم کیمیا مین غیر ضروری اجزا، کی آمیزش ہوگئی جیسے ان کا علم نجوم، علم تنجیم سے مل جل گیا، لیکن یہ اختلاط ان کے عظیم الشان اکتشافات مین مانع نہین ہوا، اسلئے کہ یونان کے علوم کیمیا ان لوگون تک جو کچھ پہنچے وہ نہایت قلیل تھے، کیونکہ بہت سے اہم اجسام مثل اسپرٹ، الحامض النشری، الماء الملکی، ملح امونیاک، نترات الفضة، ہرتال، بورہ پاپڑی (ونی) وغیرہ سے یونانی قطعاً نابلد تھے، ان مذکورہ بالا اجسام کے علاوہ عربون نے اور بہت سے کیمیاوی عملیات اکتشاف کئے، جو لوگ یہ کہتے ہین کہ علم کیمیا کا موجد لاوسیر (LAVECISIES) ہے، تعجب ہے کہ وہ یہ بھول جاتے ہین کہ عربون کے پاس تقریباً ایک ہزار برس سے بہت سے ایسے معامل کا پتہ چلتا ہے جس سے برابر اکتشافات ہوتے رہے ہین، اگر وہ اکتشافات پیشتر نہ گذر چکے ہوتے تو لاوسیر جدید اکتشافات مین کیونکر کامیاب ہوسکتا تھا،

موسیو لیبان کی طرح اور بہت سے مغربی مؤلفین ہین جو معترف ہین کہ عربون کو اہل مغرب پر یہ خاص فضیلت حاصل ہے کہ انھون نے، ایسے نہایت اہم اجسام کیمیاوی کا اکتشاف کیا ہے، جو موجودہ علم کیمیا کی اصل واساس ہین، انھین اعتراف ہے کہ انھی لوگون نے سب سے پہلی مرتبہ ترکیب عناصر کی

کوشش کی، اور یہی وہ لوگ ہین جنھون نے سب سے پہلی مرتبہ چونا اور بلور وغیرہ بنانے مین کامیاب ہوئے

غرض عرب علم کیمیا مین دوسری قومون کی بہ نسبت زیادہ وسیع النظر تھے، اور اسی لیے اُنکو فن شفا مین دوسری قومون پر تفوق حاصل ہے، ہمین سخت افسوس ہے کہ ان کی تصانیف کا زیادہ ذخیرہ ہمارے ہاتھون سے ضائع ہوگیا، تاہم ان کے علم کے اعتراف کے لیے یہی کیا کم ہے کہ انھون نے بہت سی ایسی دوائیان دریافت کی ہین جن سے ان کے پیشرو قطعاً نابلد تھے، اور ہم نہایت صاف الفاظ مین اعتراف کرتے ہین کہ انھی نے علم صیدلہ (کمپونڈری) کی بھی بنا ڈالی تھی، اور انھی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ دوائیون کی ترکیب کے قواعد وضع کیے،

ساتوین صدی مین سابور بن سہل نے کمپونڈری کی تعلیم کے لیے سب سے پہلا اسکول (دار الصیدلہ) قائم کیا، اس زمانہ مین اسی مدرسہ مین کمپونڈری کی تعلیم دیجاتی، پھر دوسرا مدرسہ امین الدولہ متوفی ۵۶۰ھ نے قائم کیا، پھر ابن سینا والا مدرسہ ہے، اس کے بعد ابن تلمیذ کا مدرسہ ہے، تیرھوین صدی تک لوگ انھین طریقون پر کاربند رہے اس کے بعد آخر مین ابن رُشد کا مدرسہ آتا ہے،

غرض عربون نے کمپونڈری مین بہت سے اصول و قواعد منضبط کیے تھے، جنمین سے شربت شہد، گوند، تیل، مرہم، خوشبو، اور ڈسٹل واٹر، وغیرہ پر ہم آج تک عمل پیرا ہین.

ان حقائق پر یہ مستزاد ہے کہ عربون ہی نے کیمیا، صناعیہ مین بھی وسعت پیدا کی، عام ازین کہ بعض لوگون کی جو رائین ہون، لیکن ہم ان کے مختلف فنون مثلاً، کان کنی، رنگ سازی، میناکاری، صنعت زجاج، اور ان کے فولاد کی صنعت کو کبھی فراموش نہین کر سکتے،

علم النبات

علم نبات جو علم کیمیا، کی طرح علم طب کا ایک جزو اعظم ہے، امراض مختلفہ کو زائل کرنے مین بہت معاون ہوتا ہے، شامی عربون نے علم نبات کے نہایت اہم اجزاء، دریافت کرکے اسے معراج کمال

تک پہنچایا، کیونکہ وہ حکمائے یونان جالینوس وغیرہ کی تصانیف پر اکتفا کرنے کے بجائے جڑی بوٹیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہی کے ذریعہ تجربے حاصل کرنے لگے، بلکہ وہ تحققات کرتے ہوئے حدود شام سے گذر کر یونان، مصر، اور دوسرے ملکون مین پہنچ گئے، اور ہر جگہ سے کثیر معلومات حاصل کر کے حدود شام مین واپس آئے، اور واپسی کے بعد مشاہدہ کے ذریعہ اس علم کے تجربے حاصل کرنے کیلئے نباتات کے باغ لگائے گئے، جنمین ہر قسم کے نبات جمع کئے گئے، اور وہ خود ان نبات کی خاص نگرانی کرتے اور ان کے خواص و تاثیر وغیرہ دریافت کرتے، اور پھر انھین اپنے کام مین لاتے تھے،

اب ہم ذیل مین ان لوگوں کے چند نام درج کرتے ہین جنکی اس فن پر بیش بہا کتابین لاطینی زبان مین ترجمہ ہوئین اور یورپ مین مدت ہائے دراز تک صرف وہی کتابین طبی سرمایہ سمجھی جاتی رہین، تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے اصطفن بن باسیل کا نام آتا ہے، پھر راہب نیقولا دمشقی، پھر ابن بیطار ہے، اور یہی ابن بیطار سب سے زیادہ شہرۂ آفاق حیثیت رکھتا ہے، اس کی ایک ایسی تصنیف ہے جو بہت زمانہ تک یورپین طلبہ کا مرجع رہ چکی ہے، اور اس کے نسخے آئندہ بھی ہمارے پاس ہمیشہ موجود رہین گے، اور اس وقت بھی گیٹ، لیڈن، لندن، اکسفورڈ اور پیرس مین محفوظ ہین، اسکی ایک اور بلند پایہ کتاب "جامع مفردات الادویہ والاغذیہ" ہے جو لاطینی مین Medicamentorum et chorum continens کے نام سے منتقل کیگئی، اور ۱۸۷۷ء مین فرانسیسی زبان مین (Traite des Simples) کے نام سے اس کا ترجمہ ہوا، اور اس کے بعد ۱۸۴۰ء مین جرمنی زبان مین منتقل ہوئی، لکلرک (Leclerc) ابن بیطار کی تصنیف کے متعلق کہتا ہے

دیوسقوریدس کے عہد سے یورپ کی بیداری تک "جامع مفردات الادویہ والاغذیہ" کے مشابہ کوئی کتاب نہین پائی گئی،

اس کے بعد موسیٰ الدمشقی الصغیر (Mezue le Jeune) ہے، اس کی ایک کتاب

"عقاقیر طبیہ" ہے جس کا لاطینی مین ترجمہ کیا جا چکا ہے، اس کتاب کے فخر کے لیے یہ کافی ہے کہ صرف سولھوین صدی مین چھبیس مرتبہ اسکی طباعت ہوئی، لاطینی کے ترجمہ مین اس کا نام (Desimplicibus) رکھا گیا ہے، اور درحقیقت آج ہم جسے مادہ طبیہ (Materia medica) سے تعبیر کرتے ہین، اس کا اساس یہی تصنیف ہے،

پھر رشید الدین الصوری کا تذکرہ کرنا ہے، جو "کتاب الادویہ" کا مصنف ہے، یہ اپنے علمی سفرون مین جو اکثر شام و لبنان مین ہوتے تھے کسی بہترین مصور کو اپنے ساتھ رکھتا تھا جو نہایت توجہ اور دقت نظر سے ان پودون کی تصویرین کھینچتا جنکی جستجو مین وہ نکلتا تھا، یا وہ جنہین اپنے سفر مین اکتشاف کرتا تھا،

اور سب سے آخر مین ہم ابوزکریا اشبیلی کا تذکرہ کرین گے، جس نے اس فن مین نہایت نایاب اور بیش بہا کتاب چھوڑی ہے، جس سے مختلف پودون کی تاثیر اور ان کے لگانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے،

ہم نے ماہرین سے ریوند، جوزبوا، خوشبویات، کافور، اور شعیر ہندی وغیرہ کے استعمال کا طریقہ سیکھا، ان چیزون کے علاوہ اور بھی چیزین ہین جنکا تذکرہ طویل ہے،

شفاخانے،

اُس قدیم زمانہ مین بھی طب کے نظری و علمی اسباق شفاخانون مین پڑھائے جاتے تھے، اور آج ہی کی طرح ان شفاخانون سے ایک طرف مریض فائدہ اُٹھاتے تھے اور دوسری طرف وہی شفاخانے علم طب کے طلبہ کے مدرسے بھی ہوتے تھے، بلکہ اُس زمانہ کے طلبہ ضخیم کتابون پر زیادہ اعتماد کرنے کے بجائے مریضون کے بسترون سے تحصیل علم کرتے تھے، لیکن یورپ کے سامنے نقش قدم موجود ہونے کے باوجود وہ سولھوین صدی تک اپنے طلبہ کو اس طریقہ پر تعلیم نہ دیسکا،

عربون کے تعمیر کردہ شفاخانون مین متعدد منزلین ہوتی تھین اور ہر منزل مین ہر فن کی جداگانہ تعلیم دیجاتی تھی، چنانچہ نورالدین نے دمشق مین جو ہسپتال قائم کیا تھا وہ ایک سال مین دس لاکھ

درہم مین تیار ہوا تھا، اور اس کے سالانہ اخراجات تقریباً پچاس ہزار مصری پونڈ تھے، یہ ہسپتال صرف غربا کے لیے مخصوص نہ تھا، بلکہ اس مین ہر قسم کا انتظام موجود تھا، جس سے ہر طبقہ کے لوگ فائدہ اُٹھاتے تھے، اور خصوصاً عورتون کے علاج کا ایک جداگانہ نظام قایم تھا، اُسمین متعدد کمرے مختلف مصرف کے لیے بنائے گئے تھے، کسی مین صرف بخار کے مریض رہتے، چند کمرے آپریشن کے لیے مخصوص تھے، کسی مین آنکھون کا علاج کیا جاتا تھا، اسی طرح اور دوسری بیماریون کے لیے متعدد کمرے علٰحدہ تعمیر کئے گئے تھے، علاوہ ازین چند کمرے تعلیم کے لیے مخصوص تھے، چند کمرون مین کمپونڈری کی تعلیم دیجاتی تھی، اور چند کمرے صرف ڈسپنسنگ روم (مخزن ادویہ) کے طور پر کام مین آتے تھے، اسی طرح نسخے لکھنے کے لیے چند کمرے مخصوص تھے جن مین وہ مریض آکر نسخے لیجاتے جو اسپتال مین داخل نہین ہوتے تھے، اطبا کے لیے کمرے بنے ہوئے تھے جنمین وہ اپنے معین اوقات مین مطب کرتے تھے، متعدد حمام علٰحدہ قائم تھے اور مریضون کو عافیت پہنچانے کے لیے بہترین انتظام کے ساتھ باورچی خانہ بھی قائم تھا،

اسی طرح اُس زمانہ مین پاگلون کے لیے بھی علٰحدہ ہسپتال کھولے گئے تھے، اور جن مقامات پر ہسپتال موجود نہ ہوتے اور نہ وہان کسی بنا پر اس کا قیام ممکن ہوتا تو ایسے مقامات پر اطبا، علاج و معالجہ کے کافی سامان کے ساتھ بھیجے جاتے تھے، جس طرح آج مصر وغیرہ مین سفری ہسپتال ہین،

سب سے پہلا شفاخانہ ساتوین صدی مین "شفاخانہ بنی امیہ" کے نام سے دمشق مین قائم ہوا، پھر منصور خلیفہ عباسی نے بغداد مین ایک شفاخانہ قائم کیا، جس مین اندھون کے علاج کا سامان بھی تھا، اس کے بعد ہارون رشید نے ایک عظیم الشان شفاخانہ طبی تعلیم کے مصالح پیش نظر رکھ کر قائم کیا، اور پھر اس کے لڑکے مامون نے ایک طبی اکاڈمی قائم کی اور کثیر رقم علمی کتابون کی خریداری اور ان کے ترجمون کے لیے وقف کردی، اس کے بعد شفاخانون کی تعداد مین یوماً فیوماً اضافہ ہوتا گیا، یہانتک کہ وہ رفتہ رفتہ شام کے اکثر شہرون مین پھیل گئے، اور حقیقت یہ ہے

کہ اس زمانہ کے شفاخانے موجودہ ہسپتالون سے آرام وراحت اور صحت کے لحاظ سے بہت بہتر ہوتے تھے، کیونکہ ان کی تعمیر اور موقع عمارت مین بہ نسبت آجکل کے اس زمانہ مین اصول حفظان صحت کا بہت زیادہ لحاظ رکھا جاتا تھا، کیونکہ عربون کے نزدیک اصول حفظان صحت کو نہایت اہمیت حاصل تھی، ان کے بہت سے معالجے دوائیون کے بجائے اصول حفظان صحت ہی پر مبنی تھے وہ تبدیل آب وہوا کے اثرات سے واقف تھے اور خصوصًا اُن امراض کے لیے جو خون خشک کر دیتے ہین، یا انسان کو لاغر بنا دیتے ہین، تبدیل آب وہوا ضروری سمجھتے تھے، اور آج جو ہمارا طرزِ عمل ہے وہ اسی طرح اپنے مریضون کو موسم اور دیگر حالات کے تناسب سے کبھی گرم ملکون مین کبھی پہاڑون پر اور کبھی دریا کے ساحلون پر بھیجتے تھے، کیونکہ انھین وثوق کامل تھا کہ بعض امراض مین طب کے وسیع تجربے بیکار رہتے ہین اور صرف اصول حفظان صحت ہی کام آتے ہین،

اسی طرح عربون کے وسیع علم طب کی ایک شاخ "طب الاسنان" یعنی دانتون کا علاج ہے، وہ دانتون مین کیڑے پڑ جانے اور ان کے خراب ہو جانے کی صورت مین دانتون کو گرم لوہون سے داغتے تھے، اسی طرح خراب دانتون کے سوراخ مین خاص آلات کے ذریعہ گرم تیل ڈالتے تھے، ضرورت کے وقت اپنے آلات کے ذریعہ دانتون پر سونے اور چاندی کے پتھر منڈھتے تھے اور دانتون کے ٹوٹ جانے کی صورت مین اپنے آلات سے سونے اور تارون کے ذریعہ جانورون کی ہڈی اور ہاتھی دانت وغیرہ جڑ دیتے تھے، اسی طرح اگر انھین کوئی دانت اکھاڑنا مقصود ہوتا تو اپنے آلات سے نہایت آسانی کے ساتھ اکھیڑ دیتے تھے اور دانتون کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے انھون نے جو آلات وضع کیے تھے وہی آج یورپ کے موجودہ فن طب مین بھی خفیف تغیر کے ساتھ مستعمل ہین۔

طب ابدان

علم طب نے عباسیون کے دور حکومت مین نمایان ترقی کی چنانچہ مشہور رئیس الحکما بختیشوع نسطوری نے جو خلیفہ عباسی منصور کا طبیب خاص تھا، فارسی اور یونانی زبانون سے طب کی مشہور کتابون کو عربی زبان مین منتقل کیا، پھر اس کے لڑکے جبرئیل نے جو ہارون رشید کا طبیب خاص تھا، بہت سی متعدد کتابین لکھین، بختیشوع کو یہ خاص فضیلت حاصل ہے کہ اس کے خاندان مین نسلاً بعد نسل تین ایسے اطبار گذرے جو خلفائے عباسیہ کے طبیب خاص ہونے کے ساتھ رئیس الاطبار یا دوسرے لفظون مین "انسپکٹر جنرل یا چیف مڈیکل افسر" کے عہدے پر مامور ہوئے انہی کی نگرانی مین حکومت کے تمام ہسپتال تھے اور وہی مدارس طبیہ یا "مڈیکل کالجون" کے افسر اعلیٰ بھی ہوتے تھے، اس خاندان کا آخری طبیب جو اس عہدہ پر سرفراز رہا، جبرئیل بن عبید اللہ ہے اسے تمام اطبار عصر کے درمیان خاص وقعت حاصل تھی، اس کے متعلق ڈاکٹر براؤن ([illegible]) کا مقولہ ہے "وہ ان مین سب سے زیادہ مشہور ہے، اس کا ۱۰ اپریل سنہ ۱۰۰۶ء مین انتقال ہوا"

اسی طرح عہد عباسیہ کے یوحنا بن ماسویہ (Mazue) کو فراموش نہ کرنا چاہیئے جو مامون کا طبیب خاص تھا، اس نے علم طب، حفظان صحت، مریضون کو طاقت پہنچانے اور معدہ کی بیماریون وغیرہ پر نہایت نایاب کتابین لکھی ہین،

عہد عباسیہ مین تحصیل طب کے لیے متعدد قواعد منضبط کئے گئے تھے، آج اس دور ترقی مین یہ سنکر محو حیرت نہ ہونا چاہیئے کہ عہد عباسیہ جیسے قدیم زمانہ مین کوئی شخص طبابت کا پیشہ اس وقت تک اختیار نہین کر سکتا تھا جب تک اس نے طب کا باقاعدہ امتحان دیکر سارٹیفکٹ نہ حاصل

کر لیا ہو، اور یہی قانون کمپونڈری کے پیشہ کیلئے بھی رائج تھا،

اسی طرح اس زمانہ مین مختلف امراض کے مختلف ماہرین ہوتے تھے، مثلاً کوئی امراض باطنیہ کے علاج مین ماہر (Specialist) شمار کیا جاتا تھا، کسی کو اپریشن کرنے مین کمال ہوتا کوئی آنکھون کے علاج کے لیے مخصوص ہوتا، کسی کا خاص فن طب الاسنان یعنی "دانتون کا علاج" ہوتا، اور کوئی اعصاب کے علاج مین شہرت رکھتا تھا جس طرح آج مختلف امراض کے مختلف ماہر شمار کیے جاتے ہین،

ان ماہرین مین سے چند مشہور اطباء یہ ہین: قسطنطین بن لوقا بعلبکی: یہ مشہور فلسفی، فلکدان ریاضی دان، اور ممتاز طبیب تھا، اس کی ان تمام علوم مین نایاب تصانیف ہین، اصطفن حورانی: بن بختیشوع نے اپنی کتابون مین اسے لائق طبیب شمار کیا ہے، تمیمی بیت المقدسی: اس کو فن معالجۂ امراض (Therapeutics) مین خاص درک حاصل تھا، ثابت بن قرہ: امراض قلب کے معالجہ مین ممتاز تھا، اس نے قلب کے حرکات پر ایک نایاب کتاب لکھی ہے، اس تصنیف سے یورپ نے کافی استفادہ کیا ہے، ثابت بن ابراہیم زہران حورانی: دسوین صدی کے اوائل مین گذرا ہے، اسے تشخیص امراض مین ید طولیٰ حاصل تھا، بسا اوقات اس کے معاصرین اسکی تشخیص سے محو حیرت رہ جاتے تھے ابو الحسن ہبۃ اللہ بن سعد: المقتفی لامر اللہ کے زمانہ مین گذرا ہے، اس کو اپنے عہد مین بڑی شہرت حاصل ہوئی، اس کے معاصرین اسے جالینوس اور بقراط سے تشبیہ دیتے تھے، ابو الفرج غریغوریوس: فلسفی طبیب تھا، ۱۲۸۶ مین ساٹھ برس کی عمر مین وفات پائی، ۱۶۶۳ء مین پاکوک (Pocock) نے اسکی کتابون کو لاطینی زبان مین ترجمہ کر کے شائع کیا، ڈاکٹر رائٹ (Wright) اس کا بیحد معترف ہے، ۱۸۹۴ء مین اس نے اپنی ایک کتاب مین نہایت شاندار الفاظ مین ابو الفرج

کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح ابن سینا ہے، جسے یورپ Avicennes کے نام سے جانتا ہے اس کی ۳۷۰ھ مین ولادت اور ۴۲۸ھ مین وفات ہوئی، بغداد یونیورسٹی مین تعلیم پائی تھی، طبیب حاذق تھا، اسکی کتابین دنیا کی اکثر زبانون مین منتقل ہوچکی ہین، تقریبًا چھ سو برس تک اسی کی کتابون پر علم طب کا دار و مدار تھا، فرانس اور اٹلی کی یونیورسٹیون اور خصوصًا سالرنو کے مشہور مدرسہ کے نصاب مین اسکی کتابین داخل تھین، اسکی ایک نہایت اہم تصنیف "القانون" ہے، یہ مصر، ایشیا اور اسپین کی متعدد یونیورسٹیون کے نصاب مین داخل تھی، اور یورپ مین اٹھارہوین صدی تک اسکی طباعت ہوتی رہی، اور ابھی ایک صدی پیشتر فرانس کے مونبلیہ کالج مین اس کے مباحث پر اکثر مذاکرے ہوتے رہتے تھے،

ان اطبائے شام نے مختلف امراض کے جو علاج تجویز کئے تھے ان مین سے بعض امراض پر متعدد صدیان گذرنے کے بعد موجودہ زمانہ مین پھر عمل ہونے لگا ہے، مثلاً ٹائیفائڈ بخار مین ٹھنڈے پانی کے استعمال کو لیجئے، اس طریقۂ علاج کی طرف آج سے نو سو برس پیشتر ابو نصر بن بشر افسر اعلیٰ شفاخانہ امراض عصبیہ، اشارہ کرچکا ہے. وہ بتا چکا ہے کہ ایسے موقعون پر ٹھنڈے پانی اور سُن کر دینے والی چیزون کو استعمال کرنا چاہئیے، اسی طرح آج موجودہ ڈاکٹرون مین کون ایسا ہے جو اپنے اوپر اس وقت نازان نہ ہو جب وہ اس علاج کا موجد قرار پائے جسے ابوبکر رازی (Rhazes) نے چیچک اور پتھری کی بیماریون مین تجویز کیا ہے، اسی طرح کون ڈاکٹر ہے جو بجا طور پر اس وقت فخر نہ کرے جب وہ ایسی کتابون کا مصنف تسلیم کیا جائے جو تاریخ طبعی کے مشہور ماہر دمیری صاحب "حیاۃ الحیوان" کی تصانیف ہین، اس کی کتابون مین آج سے کئی صدی پیشتر اس علاج کا تذکرہ موجود ہے جسے ہم آج Opotherapie کہتے ہین، جس مین کسی عضو فاسد کا علاج اسی کے مثل عضو سلیم کو کھلا کر کیا جاتا ہے، بر اُدن سکا

(Brown Sequard) نے نصف صدی پیشتر اس طریقۂ علاج کو دنیا کے سامنے پیش کیا اسلئے وہ اس زمانہ مین اس طریقۂ علاج کا موجد سمجھا جاتا ہے، حالانکہ بلادِ شام مین ہمیشہ سے یہ طریقۂ علاج جاری ہے اور اس وقت بھی وہان کے باشندون مین یہ اصول عام طریقہ سے رائج ہے کہ وہ جگر اور گردون کے خراب ہوجانے کی صورت مین تندرست جانورون کے جگر اور گردے کھاتے ہین، اسی طرح موجودہ زمانہ کا طریقۂ جراحت (اپریشن) بھی اکثر چیزون مین انھی عربون کا مرہون منت ہے، چنانچہ ابھی بہت قریب زمانہ تک عربون کی کتابین یورپ کے مڈیکل اسکولون مین اساس تعلیم تھین، ارباب علم سے پوشیدہ نہین کہ عرب گیارہوین صدی عیسوی مین آنکھون مین زرد پانی اتر آنے کا، جسے Cataracte کہتے ہیں۔ علاج عدسۃ العین کو نیچے اتارنے یا اسے زائل کردینے کے ذریعہ کرتے تھے اسی طرح مثانہ کی پتھریون اور شرائین سے منھ کھل کر خون بہنے کا علاج ٹھنڈے پانی سے کرتے تھے، آگ سے داغنے اور فصد دینے وغیرہ کے طریقے انھین کے ایجاد کردہ ہین، اور یہ تمام طریقۂ علاج یورپ کے موجودہ فن طب مین رائج ہین، وہ لوگ خراج صناعی سے بھی واقف تھے ــــــ جس پر آج ٹائیفائڈ بخار مین عمل ہونے لگا ہے۔ وہ لوگ بھی مریضون کو تکلیف سے بچانے کے لیے بیہوش کرتے تھے، جسے آج جدید کشف تصور کیا جاتا ہے، حالانکہ معلوم ہے کہ ان کے یہان سخت آپریشن کے موقعون پر زدانہ استعمال کیا جاتا تھا، جس سے حواس مفقود ہوجاتے تھے اور اس طرح مریض کو سکون حاصل ہوتا تھا،

غرض شام کے علماء و حکماء کے انکشافات، کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اگرچہ اس کا بھی اعتراف ہے کہ انھون نے ان یونانی کتابون سے کافی طور پر استفادہ کیا جن کے ترجمے عربی مین کئے گئے تھے، بلکہ انھون نے خود بھی دنیا کے سامنے یونانی کتابون کی فہرست علیحدہ طور پر پیش کی تاکہ ان کی کتابین یونانی کتابون مین مل جل نہ جائین، لیکن اس کے ساتھ اسے نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ انھون نے

ان کتابون سے استفادہ کرنے کے ساتھ ان کی غلطیون کی تصحیح بھی کی ہے اور ان کے علاوہ علم طب مین بہت سے قابل قدر اکتشافات جدیدہ کا اضافہ کرکے اسے معراج کمال تک پہنچا دیا،

مسلمانون نے علم طب کو جو ترقیان دین یہ انکی ایک محدود تاریخ ہے جو صرف ملک شام سے تعلق رکھتی ہے، لیکن خود مسلمانون کا تمدن کوئی محدود تمدن تھا بلکہ وہ شام کے علاوہ ایران، مصر، اندلس اور ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا، اور ہر جگہ علوم و فنون کو ترقی دے رہا تھا ممکن ہے کہ بعض علوم کو کسی خاص ملک یا خاص سرزمین سے مخصوص تعلق ہو، لیکن فن طب ایک ایسا علم تھا جسکی ضرورت ہر ملک اور ہر سرزمین کو تھی اس لیے اس نے تمام اسلامی ممالک مین یکسان طور پر ترقی کی اور اس مضمون مین طبی ترقی کے جو مظاہر نمایان کیے گئے ہین تمام اسلامی ملکون مین اسی قسم کے مظاہر نمایان ہوئے، افسوس ہے کہ اردو مین اب تک علم طب کی کوئی مفصل تاریخ مرتب نہین کی گئی جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی، لیکن کم از کم اس مضمون سے اتنا تو ضرور قیاس کیا جاسکتا ہو کہ جب صرف شام مین علم طب نے اس قدر ترقی کی تھی تو اور دوسری اسلامی ممالک کی طبی ترقیون کا کیا حال ہوگا،

(مترجم)

لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مطبوعہ معارف پریس، قیمت عہ

"منیجر"

جمیس کا نظریۂ جذبات،

(۴)

از مولوی معتقد ولی الرحمن صاحب ایم اے پروفیسر جامعہ عثمانیہ

اعتراض سوم:۔ جذبہ کے ظاہر ہونے سے بجائے اس کے کہ یہ جذبہ شدید ہو جائے، ختم ہو جاتا ہے، چنانچہ بہت زیادہ خفا ہونے، اور بگڑنے کے بعد غصہ رفو چکر ہو جاتا ہے، اور اگر اس کو دبا لیا جائے تو دیوانگی کی سی کیفیت پیدا کرتا ہے،

جواب:۔ یہ اعتراض جذبے کے ظاہر ہونے اور اس کے بعد کے احساسات مین امتیاز نہین کرتا، ظہور کے دوران مین جذبہ ہمیشہ محسوس ہوتا ہے، اور زیادہ فعلیت کی وجہ سے اس کے عصبی مراکز تھک کر فعل کے قابل نہین رہتے، ان کی فعلیت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی، جذبہ کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے، لیکن اگر ہم غم کے باعث کے ہوتے ہوئے آنسوؤن کو روک لین، تو جذبہ کا تموج کسی اور راستے مین منتقل ہو جاتا ہے اور بہت مہلک نتائج پیدا کرتا ہے، کینہ توزی، خباثتِ نفس، شرارت باطن وغیرہ، سب اسی امتناع کا نتیجہ ہوتے ہین. لہذا جذبہ کے ظاہر ہو جانے سے اس کا خاتمہ ہو جاتا اور اس کے روکنے سے دیوانگی کا پیدا ہونا بالکل طبعی ہے[۱]،

یہان تک ہمنے جمیس کے نظریہ، اور اس کی تائیدی شہادتون اور دلائل، کو خود اسی کے الفاظ مین بیان کیا ہے لیکن کوئی دعوی اس وقت تک مسلم نہین ہوتا، جب تک کہ معترضین کے اعتراضات

---

[۱] جمیس صفحہ ۴۶۶،

اور مخالفین کے مخالفانہ حملون کا مقابلہ نہ کرسکے، اگر یہ ان کے سامنے قائم نہین رہ سکتا، تو مٹ جانے ہی سے اپنی خامیون کا اعتراف کرلیتا ہے، اور اگر وہ ان کے مقابلہ مین کامیاب ثابت ہوتا ہے تو ہر حملہ کا دندان شکن جواب دیتا ہے، تو اسکی یہ فتح ہی اس کا ثبوت بنجاتی ہے، جیمس نے اپنے دعوی کو نہایت زور شور سے پیش کیا، اسکی موافقت مین مختلف دلائل نہایت شد ومد کے ساتھ بیان کئے، اور اس کی تائید مین مختلف اشخاص کی شہادتین نہایت یقین واطمینان کے ساتھ پیش کین، لیکن ابھی اس کو معاندین ومعارضین کی جماعت کا مقابلہ کرنا تھا، اس مین اس کی آخری اور کلی فتح ہونے والی تھی، اس تمام مناقشت مین جیمس نے اپنے ہمدرد بھی پیدا کرلیے تھے، لہذا اگر اس کے مقابلے مین ایک جماعت تھی تو وہ بھی اکیلا نہ تھا، جیمس اور اس کے رفقار کو لازمی طور پر مدافعانہ طرز عمل اختیار کرنا پڑا، انھون نے بعض حملون کا تو کامیابی سے جواب دیا، لیکن بعض کے مقابلے مین ان کے قدم نہ جم سکے، اسی وجہ سے اگر اس کے مخالفین نے اس نظریہ کی صحت مین شبہہ کیا، لیکن جیمس کی جدتِ فکر اور ندرتِ تخیل کے سب قائل ہین،

یہ نظریہ سرسری طور پر بہت مستبعد نظر آتا ہے، اور جس طریقے سے، اور جن الفاظ مین، اس کو بیان کیا گیا اس سے اس کے استبعاد مین اور اضافہ ہوگیا، تنقیدون کی بوچھار اور اعتراضون کی بارش نے جیمس کو مجبور کیا کہ اپنے مفہوم اور عندیہ کو واضح طور پر بیان کرے، اس وقت اس نظریہ کے دو مختلف مفہوم لیے جاتے ہین، ایک کے مطابق جبلت کے عضوی اختلالات کا شعور جذبہ کا لازمی اور ضروری جزو ہے، اس بنار پر اس مین اور شعور کی اور غیر جذبی حالتون مین امتیاز ممکن ہے، ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جذبہ مین سوائے ان عضوی اختلالات کے جو جبلت مین پیدا ہوتے ہین، اور کچھ نہین، گو یہ دونون ایک دوسرے کے بالکل ہم معنی ہین، ہم اس نظریہ کو اس وقت تک قبول یا رد نہین کرسکتے، جب تک کہ یہ فیصلہ نہ کرلین کہ خود جیمس کے نزدیک

ان دونون دلالتون مین سے کون سی صحیح ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس پر تمام اعتراضات ایک حد تک اسی ابہام معنی کا نتیجہ ہین، جیمس کے اس فقرے سے

"واقعۂ مہیجہ کا ادراک براہ راست جسمانی تغیرات پیدا کرتا ہے، اور ان تغیرات کا، بحالت وقوع احساس، جذبہ ہے"

بادی النظر مین معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذہن مین مذکورۂ بالا مفاہیم مین سے دوسرا مفہوم ہے لیکن یہ خیال غلط ہے، اس نظریہ کی اشاعت کے پورے دس برس بعد ۱۸۹۴ء مین، خود جیمس نے "جذبہ کی جسمانی بنا" کے عنوان سے سائیکولوجیکل ریویو مین ایک مضمون لکھا اور اس مین صاف طور پر بتایا کہ وہ پہلے مفہوم کو صحیح سمجھتا ہے، یعنی یہ کہ اس کے نزدیک عضوی تغیرات کا احساس وشعور جذبہ کا مترادف نہین، بلکہ اس کا لازمی جزو ہے، اس کے علاوہ جیمس کا یہ قول بھی کہ:-

"اگر یہ عضوی اضطرابات شامل نہ ہون، تو ہمارا ادراک بالکل سرد اور غیر جذبی ہو جاتا ہے"

اسی دلالت کی طرف اشارہ کرتا ہے[1]، لیکن دوسری دقت اس دلالت کو صحیح تسلیم کرنے مین اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب جیمس "بلا معروض" جذبے کا ذکر کرتا، اور اس کے امکان وقوع کی شہادتین پیش کرتا ہے، اگر جیمس اس کو ممکن الوقوع مانتا ہے، تو پھر کوئی شبہہ نہین رہنا چاہیئے کہ وہ ان عضوی اختلالات کے احساس کو جذبہ کا ہم معنی سمجھتا ہے[2]، غرض جیمس کے بیانات اتنے مبہم اور متناقض ہین کہ کسی بات کا فیصلہ کرنا دشوار ہے، لیکن خوش قسمتی سے یہ واضح ہے، کہ اس نظریہ کے مطابق دو جذبات مین عضوی تغیرات کی بنا پر فرق نہین کر سکتے، نہ یہ کسی طرح بھی اس

---

[1] اصلیت یہ ہے کہ سائیکولوجیکل ریویو کے مذکورہ مضمون مین جیمس نے مختلف تنقیدون کا جواب دیتے ہوئے اپنے اصلی عقاید مین بہت کچھ رد و بدل کیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس مضمون مین ایسی ایسی باتون کو تسلیم کر گیا ہے، جو اس کے اصلی خیالات کے منافی ہین (ملاحظہ ہو ڈاکٹر وارڈ کی کتاب (Psychological Principals صفحہ ۲، ۳) بالدون بھی وارڈ کی رائے سے متفق ہے۔ [2] وارڈ صفحہ ۳ ، ۱۲

نظریہ سے لازم آتا ہے، البتہ ہم اس کی مدد سے یہ کر سکتے ہین کہ شعور کی جذبی اور غیر جذبی حالت مین امتیاز کرلین؛ ان توضیحات کے بعد اب ہم نہایت آسانی کیساتھ اس کو تنقیدی روشنی مین دیکھ سکتے ہین،

جیمس کا خیال تھا کہ:-

"اس نظریہ کو ثابت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک ایسا آدمی تلاش کیا جائے جو بے حس ہو، لیکن مفلوج نہ ہو، یعنی جو جذبات کے ہیجے کی موجودگی مین حرکات کر سکتا ہو، اس سے سوال کیا جاوے کہ وہ جذبی تاثر محسوس کرتا ہے، یا نہین"[1]

وہ خود تو اس قسم کے ثبوت سے بالکل مایوس تھا، خود اس نے سٹرمپیل کے ایک مریض کا حال نقل کیا ہے، جو ایک آنکھ اور ایک کان کے سوا بالکل بے حس تھا، لیکن اس مین شرم، غم، حیرت خوف اور غصے کے جذبات پائے جاتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ شہادت نظریۂ زیر بحث کے خلاف ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے، کہ جیمس نے اس کو قابل اعتنا نہ سمجھا، اور اسی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہ کی، لیکن جس بات کو جیمس ناممکن سمجھے ہوئے تھا، اس کو انگلستان کے ایک ماہر عضویات شیرنگٹن نے ممکن کردیا، اور جس بات پر اس کو بہت بھروسا تھا، وہی اس کے نظریئے کے لیے سم قاتل ثابت ہوئی، جیمس کے انتقال کے دس سال قبل ۱۹۰۰ء مین شیرنگٹن نے "جذبہ کی تحقیق مین دماغی اور حشوی عناصر کی اہمیت بر اختبارات" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا[2]، اس کے چھ سال بعد یعنی جیمس کے انتقال کے صرف چار سال قبل، اس کی کتاب "نظام عصبی کا فعل تکمیلی"[3] نیویارک سے شائع ہوئی، مقدم الذکر مضمون تو خصوصیت کے ساتھ جیمس کے خلاف تھا، اس مین اس نے دکھایا کہ اختبارات سے ہم بآسانی معلوم کرسکتے ہین

---

[1] جیمس صفحہ ۴۵۲، ۴۵۳ ملاحظہ ہو

[2] Proceedings of The Royal society جلد ۶۶

[3] Intergative action of The Nervous System.

کہ جذبات کی تخلیق مین وعائی اور حشوی عناصر کو دخل نہین، کیونکہ ان عناصر کی قطع و برید کے بعد بھی جذبات باقی رہتے ہین، پھر اسی بحث کو اس نے اپنی کتاب مین شامل کیا، شیرنگٹن کا یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ اس سے جیمس کا نظریہ اگر مردہ نہین ہوا، تو نیم جان ضرور ہوگیا، جیمس کے ہمدردون نے اس مین دوبارہ روح پھونکنے کی کوشش کی، لیکن وہ جان اور زور پیدا نہ کرسکے،

یہ تمام اختبارات کتون پر کیے گئے تھے، عمل جراحی کے ذریعہ سے ان کے اعصاب کو کاٹ چھانٹ کر، احشا، اور کندھے کے پیچھے کی تمام جلد، اور عضلات کے تمام احساسات کو روک دیا گیا تھا، اسی عمل مین جسم کے دوران خون کے آلات اور شعور کے روابط کو بھی توڑ دیا گیا تھا، یہ عمل بہت سے کتون پر کیا گیا اور ازان بعد ان کی حرکات و سکنات کا بغور مطالعہ کیا گیا، ایک کتا خاص طور پر شیرنگٹن کے زیر مطالعہ رہا، کیونکہ اس کے مزاج مین جذبی عنصر بہت غالب تھا، اس کے مشاہدات شاہد ہین، کہ اگرچہ، عمل جراحی کی وجہ سے، اس کتے کے احساسات کے تمام راستون کو قطع کر دیا تھا، لیکن اس سے اس کے جذبات پر کوئی اثر نہ ہوا، اس کا غصہ اس کی خوشی، اسکی نفرت اور اس کا خوف علی حالہ قائم رہا، اپنے رکھوالے کو آتے دیکھکر وہ بدستور سابق خوشی ظاہر کرتا، بلی کو قریب آتا دیکھکر اس پر غصہ کی علامات پیدا ہوتین، ان جذبات کی کیفیت یا کمیت کسی مین بھی کوئی تغیر نہ ہوا، زیادہ عجیب بات یہ ہے، کہ چند ماہ قبل یہ کتا ایک مہمان کو دیکھکر سخت غضبناک ہوا تھا، اور اب پھر اس کو دیکھ کر اس نے اسی غصہ کا اظہار کیا، یہ تمام باتین صاف ظاہر کرتی ہین، کہ یہ کتا اس عمل جراحی کے بعد بھی مغلوب الغضب ہوسکتا تھا،

کوئی کتا کسی حالت مین بھی کتے کا گوشت بطور خوراک قبول نہین کرتا، بلکہ وہ اس کو کراہیت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، شیرنگٹن اپنے کتون کو بالعموم گھوڑے، یا گائے کا گوشت دودھ مین بھگو کر دیا کرتا تھا، اور یہی ان کا من بھاتا کھاجا تھا، ایک مرتبہ اس نے اس خاص کتے کو

کتے کا گوشت دیا، نتیجہ حسب ذیل تھا:-

"نوکر نے جب حسب دستور اس کا پیالہ ایک کونے مین رکھا، اور اس مین دودھ ڈالکر کتے کا گوشت بھگو دیا، یہ کتا بہت رغبت کے ساتھ اس کی طرف بڑھا، اور اپنی تھوتھنی کو دودھ مین ڈالتے ہی باہر کھینچ لیا، اس نے گوشت کو منھ مین لینے کی ہمت کی لیکن لیتے لیتے چھوڑ دیا، اور ایک طرف کو ہٹ کر بیٹھ گیا، اس نے دوبارہ اس پیالے کے گوشت کا معائنہ کیا، اور آخر کار جاکر دوسرے کونے مین دبک کر بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد بڑی کوشش سے وہ پھر پیالے کے پاس آیا، لیکن پھر کراہیت وخواہش کی وہی کشاکش ظاہر ہوئی، اس کے بعد نوکر نے وہ پیالہ ہٹا لیا، اور اس کو اچھی طرح دہوکر گھوڑے کا گوشت دودھ مین بھگویا، اور اس کے سامنے رکھ دیا، اس مرتبہ وہ اس کے پاس آیا، اور چند منٹون ہی مین اس پیالے کو خالی کر دیا"

اس مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے، کہ کتے کے گوشت سے جو نفرت ہر کتے کو ہوتی ہے، وہ اس مقطوع النخاع کتے نے بھی ظاہر کی، یعنی نفرت وکراہیت کا جذبہ اس مین علی حالہ موجود تھا، اسی طرح ایک اور کتے کے عصب ثائرہ[1] کو کاٹکر معدے، شش اور دل کو شعور سے بےتعلق کیا گیا، لیکن نتیجہ بھی یہان وہی تھا کہ اس بےتعلقی کی وجہ سے جذبی مظاہر معدوم نہ ہوئے، ان تمام اختبارات ومشاہدات کے بعد شیرنگٹن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ:-

بہرکیف ان مشاہدات کے بعد تکوین جذبہ کا محرک ادعیہ نظریہ ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے، اور اسی طرح ان کے ہوتے ہوئے یہ بھی تسلیم نہین کیا جاسکتا کہ حشوی احساسات یا عضلات

---

[1] ایک عصب جو اکثر اندرونی آلات (مثلاً وہ جو نظام تنفس کے خلامین واقع ہین) کے احساسات کے نقل مقام مین مدد دیتی ہے، یہی حنجرہ اور آنتون کے عضلات تک ریشہ ہائے محرکہ کو لیجاتی ہے، اور اسی کی بدولت دل کی حرکات سست پڑتی ہین،

جذبے کے لیے ضروری ہیں، کیونکہ عمل جراحی کے بعد بھی جذبات کتون مین موجود رہتے[1]"

ان اختبارات پر پروفیسر لائڈ مارگن معترض ہے کہ

"تعلق کے راستے اس وقت مسدود کئے گیے، جب حرکی اور حشوی اثرات تخلیق جذبہ مین عمل کر چکے، عمل جراحی کے بعد مین احضاری مواد تو ضرور ناممکن الحصول ہوگیا، لیکن ان کے استحضاری مابعدی اثرات خارج نہ ہوئے[2]"

شیرنگٹن کے پاس اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ زیر مشاہدہ کتون مین سے ایک ایسا ایسا تھا، جس پر صرف نو ہفتے کی عمر مین عمل جراحی کیا گیا تھا، لہذا یہ فرض نہین کیا جاسکتا کہ کتے کے گوشت سے نفرت و کراہت اس چھوٹی سے عمر کے تجربون کا نتیجہ ہو سکتی ہے،

اس اعتراض کی جواب دہی کے بعد شیرنگٹن پر ایک حملہ اور ہوا، جو گذشتہ حملہ سے کہین زیادہ سخت تھا، لائڈ مارگن کے اعتراض کی تردید تو اختبارات کی نوعیت مین تغیر و تبدل کرنے سے ممکن تھی، لیکن اعتراض اس قسم کا تھا، جس کو اختبارات سے کوئی تعلق نہ تھا، اس کا جواب اگر ہوسکتا تھا، تو صرف اس طرح کہ اس کتے کے مطالعۂ باطن کے نتائج طلب کئے جاتے، اور ان کی بنا پر اس کی تردید کیجاتی، لیکن مطالعۂ باطن مین جہان اور بہت سے نقص ہین، وہان ایک یہ بھی کہ حیوانات کے لیے یہ بالکل بے کار ہے، کیونکہ اول تو نہین کہہ سکتے کہ اس مین اسکی قابلیت ہوتی ہے، اور اگر یہ فرض بھی کرلین، تو یہ یقینی ہے، کہ نطق سے محروم ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مطالعۂ باطن کے نتائج

---

[1] "نظام عصبی کا فعل تکمیلی" صفحہ ۲۵۹-۲۶۰، [2] پروفیسر اینجل نے بھی یہی اعتراض کیا ہے، وہ لکھتا ہے "بعض حیوانات پر اس طرح عمل کیا گیا ہے، کہ حشوی حصہ کے عضوی ہیجانات کے قشر تک پہنچنے کے راستے قطع کردیئے گئے ہین، لیکن اس کے بعد بھی جذبات باقی رہے جو نظریۂ جیمس کے بعد نہ ہونے چاہئین تھے،... قلت گنجائش کی وجہ سے اس پر مفصل بحث تو ممکن نہین لیکن مصنف کی رائے مین ان معترضین نے بعض اہم باتون کو نظر انداز کردیا ہے، مثلاً انھون نے حافظہ کے ممکن اثرات کو بالکل بھلا دیا..." (النفسیات صفحہ ۱۰۰ حاشیہ)

کے اظہار پر قادر نہیں، ایسے حالات مین ہم کو صرف مشاہدہ خارجی پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے، اور ان کی ظنی کیفیات اور ذہنی احوال کا اندازہ جسمانی تغیرات کی بنا پر، اور خود اپنے تجربے کی مدد سے ہو سکتا ہے، اسی وجہ سے جیمس کے ہمخیال بزرگون کو اس اعتراض پر بڑا اعتماد تھا کہ

"یہ صحیح ہے کہ جانورون مین (قطع نخاع کے بعد بھی) جذبی علامات و مظاہر پیدا ہوتے ہین لیکن ہوسکتا ہو کہ وہ جذبہ کو محسوس نہ کرتے ہون"

مطلب ان کا یہ تھا، کہ ظاہری علامات بغیر کسی نفسی کیفیت کے پیدا ہوسکتی ہین، اور ظاہر ہے کہ چونکہ جذبہ کا اطلاق صرف نفسی کیفیت پر ہوتا ہے، اور اسی کو چونکہ ثابت نہین کیا جاسکتا، لہذا یہ بھی ثابت نہین ہوسکتا، کہ حشوی اور دعائی راستون کے مسدود کر دینے سے جذبات بھی ختم ہوجاتے ہین، جیسا کہ ہم ابھی کہہ آئے ہین، نفسی کیفیت کے وجود کا علم اور ثبوت صرف مطالعۂ باطن کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے، اور یہ موجودہ صورت مین ناممکن ہے، لیکن شیرنگٹن جذبے کی نفسی کیفیت کے وجود کے ثبوت مین اس طرح استدلال کرتا ہے:-

"اگر ان جذبات کے مظاہر کے ساتھ ساتھ وہ سلاسلِ افعال نہ ہوتے جو عقلاً اس ظاہر شدہ جذبہ کے مستلزمات ہین، یا اگر یہ مظاہر ان سلاسلِ افعال کو پیدا نہ کرتے، تو یہ اعتراض کچھ موقع ہوسکتا تھا، لیکن جہان غصہ کی ہیئت وجہی کے بعد ایک مقرر و معین قصد و ارادہ کے ساتھ آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کے افعال ہون، میرے لیے یہ قیاس کرنا ناممکن ہو کہ وہ ادراک جو غضبناک مظاہر کا باعث ہوتا ہے، غصے کی حرکات کو تو پیدا کرے، لیکن "غصّے کی حسیت" کو پیدا کرنے کے ناقابل ہو[1]"

شیرنگٹن کا یہ استدلال کسی مغالطہ کی آڑ نہین لے رہا ہو، مطالعۂ باطن کے نتائج میسر نہ آنے کی صورت

[1] "نظام عصبی کا فعل تکمیلی" صفحہ ۲۵۹، ۲۶۶،

مین یہ استدلال ناقابل تردید ہے، غصہ کی قصدی حرکات کا بغیر کسی نفسی کیفیت کے پیدا ہونا یقیناً محالات مین سے ہے، اگر یہ حرکات پیدا ہوتی ہین، اور ان سے ایک خاص مقصد بھی ظاہر ہوتا ہے، تو یہ بھی بدیہی ہے، کہ ان حرکات و مقصد کے پس پردہ کوئی نفسی کیفیت عمل کر رہی ہے،

معترضین شیرنگٹن کے اس جواب سے لاجواب ہو کر کہتے ہین، کہ اچھا ہم تسلیم کیے لیتے ہین، کہ وہ جذبی کیفیت یقیناً پیدا ہوئی، اور یہ کہ حشوی اور دعائی احساسات جذبے کے لوازم نہین لیکن اس کا کیا ثبوت ہے، کہ جذبہ پورا کا پورا موجود رہا بہت ممکن ہو کہ جذبہ کا کچھ حصہ غائب ہو گیا، اور کچھ باقی رہا ہو، اور باقی ماندہ حصہ کی وجہ سے وہ تمام جبلی حرکات پیدا ہوئی ہون، اس اعتراض کے کرنے مین منظرپیش پیش[1] ہے، یہ اعتراض صرف اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے، کہ اس کتے کی نخاع کو تو دماغ سے علیحدہ کر دیا گیا لیکن اسکی آنکھون، کانون، ناک منھ وغیرہ کے اعصاب اب بھی دماغ تک پہنچ رہے ہین، اور اس وجہ سے اس کتے کے جسم کے آدھے حصے مین اضطراری قوسین بالکل صحیح وسالم ہین، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ احساسی تہیجات ان راستون سے داخل ہو کر ان جبلی حرکات کو پیدا کر سکتے ہین، یہ صحیح ہے کہ یہ حرکی ہیجانات اس کتے کے پچھلے حصے تک نہین پہنچ سکتے اور اس وجہ سے اس مین عضلی فعلیت پیدا نہین ہو سکتی، اور جب عضلی فعلیت ہی پیدا نہین ہوتی تو احساسی ہیجانات کا پیدا ہونا معلوم، لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا، کہ اس کا اگلا حصہ بھی بالکل منفعل اور غیر عامل رہتا ہے، لہذا اگر حشوی اور دعائی احساسات کو خارج کر دینے کے بعد بھی جذبات پیدا ہوتے ہین، تو یہ جذبات ان احساسات کا نتیجہ ہو سکتے ہین، جو ناک، کان، آنکھ وغیرہ کے اعصاب کی وجہ سے پیدا ہوتے ہین،

اس اعتراض کا شیرنگٹن کے پاس کوئی جواب نہین، یہان وہ مجبور ہو کر سپر انگندہ ہو جاتا ہے

---

[1] عام نفسیات صہ ۲۰۱

اور اعتراف کرلیتا ہے کہ:۔

"اس قسم کے اختبارات مین ایک کمزوری یہ ہے کہ اگرچہ جذبی مظاہر کے حشوی، دماغی اور کچھ عضلی آلات کو تو قطع کر دیا گیا، لیکن موخر الذکر کا ذرا سا حصہ یعنی چہرے کا، باقی رہا، یہ ان مراکز پر اثر آفرین ہو سکتا، جنکو شعور سے تعلق ہو"

لیکن اس کمزوری کے باوجود وہ اپنے اختبارات کے نتائج کو قطعی سمجھتا ہے اور اس اعتراض کو بہت اہمیت نہین دیتا، وجہ ظاہر ہے کہ جب نخاع کو اور حصون سے بے تعلق کرنے کے باوجود جذبات باقی رہتے ہین، تو چہرے وغیرہ کے اعصاب کی قطع و برید کے بعد بھی ان کا باقی رہنا کچھ متعسر نہین، موجودہ صورت مین اینجل کا یہ خیال صحیح ہے کہ جس شہادت مین کھوپری اور چہرے کے عضلات صحیح و سالم ہون، اس کو جیمس کے نظریئے کی تردید مین پیش نہین کیا جا سکتا، اور نہ خود جیمس اس کو قطعی سمجھتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم اینجل کے اس خیال سے متفق نہین کہ "شیرنگٹن کے اختبارات سے یہ ثابت نہین ہوتا، کہ حشوی احساسات جذبی نفسی حالات کے لیے لازمی نہین" نہ معلوم یہ خیال اینجل نے کس بنا پر ظاہر کیا ہے، اگر حشوی احساسات کو ختم کر دینے اور ان کے راستے کو مسدود کر دینے کے بعد بھی جذبات باقی رہتے ہین، تو ہر ذی عقل شخص سمجھ سکتا ہے کہ یقیناً تخلیق و ترکیب جذبات مین شامل نہین ہوتے،

اس حقیقت سے نہ جیمس کو انکار ہے، نہ اس کے مخالفین کو کہ جذبہ کے ساتھ شدید و عمیق جسمانی تغیرات ہوتے ہین، دونون کے دونون اس کے قائل ہین، کہ ہر جذبہ لازمی طور پر جسمانی عضوی تغیرات پیدا کرتا ہے، ان دونون مین مابہ النزاع یہ ہے کہ جیمس ان تغیرات کو نفسی کیفیات

---

(۱) A. Reconsideration of James theory of Emotions in the light of Recent Criticisms Psychological Review XXIII, P 261

پر مقدم اور اس کے لیے ضروری سمجھتا ہے، برخلاف اس کے اس کے مخالفین کا دعویٰ ہے، کہ یہ تغیرات نفسی کیفیت کا نتیجہ اور اس کے مظاہر ہوتے ہین، دوسرے الفاظ مین تمام بحث جسمانی تغیرات اور نفسی کیفیات کی تقدیم و تاخیر کی ہے، عضویاتی مظاہر کی تقدیم و تاخیر کی بحث مین، ظاہر ہے، کہ شیرنگٹن کے اختبارات جیمس کے نظریئے کا بال بیکا نہین کر سکتے، لیکن ہمارے نزدیک ان سے عضوی تغیرات کی ضرورت و لزوم کی تو قطعاً تردید ہے، اسی سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے، کہ نفسی کیفیات مقدم اور عضوی تغیرات مؤخر ہوتے ہین،

جیمس کے خلاف شیرنگٹن کے اس اختباری حملے کو ہارورڈ یونیورسٹی کے معملِ عضویات کے پروفیسر کینن اور اس کے شاگردون نے جاری رکھا، چنانچہ ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۵ء کے درمیان مین انھون نے مختلف مضامین شائع کئے، اور آخر ۱۹۱۵ء مین کینن کی کتاب "الم، خوف، غصہ اور بھوک مین جسمانی تغیرات"۔ شائع ہوئی، ان سب کا مشترک موضوع یہ تھا کہ الم، خوف اور غصہ کے جذبات کا آلاتِ ہضم پر کیا اثر پڑتا ہے، یہ تمام اختبارات جیمس کے نظریہ سے براہ راست کوئی تعلق نہین رکھتے، لیکن ان سے اس کے سمجھنے مین بہت مدد ملتی ہے، کینن نے یہ ثابت کیا، کہ ان جذبات کے انبعاث سے ان تمام آلات کے وظائف متاثر ہوتے ہین، جنکا تعلق نظام اشتراکی[1] سے ہے، یہ تمام اختبارات بلیون پر کیے گئے تھے، اس کا نتیجہ ان سے یہ برآمد ہوا تھا، کہ خوف اور غصہ دونون کی وجہ سے معدے کی انضمامی حرکات بند ہو جاتی ہین، اور خاص خاص غدود کے وظائف مختل ہو جاتے ہین، غدود کے اختلال وظائف کی ایک بین مثال تو یہی ہے کہ غصہ مین منھ خشک ہو جاتا ہے، اور غم مین آنسو جاری ہو جاتے ہین، یعنی یہ کہ غصے کی حالت مین ان غدود کی فعلیت رک جاتی ہے جن سے تھوک خارج ہوتا ہے، اور غم مین آنسوؤن کے غدود کام کرنا شروع کر دیتے ہین، اسی طرح

[1] ریشون کا وہ نظام جو نخاع کے درمیانی حصے کے مراکز سے خارج ہو کر معدوں اور گردوں کے قریب کے غدود سے جا کر ملتے ہین، اسکی وجہ سے عمل انہضام بند ہو جاتا ہے، دل کی حرکات تیز اور غدود کی فعلیت قوی ہو جاتی ہے،

اس نے دکھایا کہ ان جذبات مین وہ غدود متاثر ہوتے ہین، جو گردون کے قریب واقع ہین، اس تمام تحقیق سے ان تمام حشوی اضطرابات کی حقیقت معلوم ہوئی، جو جمیس کے نزدیک جذبات کے جوہر ہین، کینن خود ان تمام نتائج کو جمیس کے نظریہ کے خلاف سمجھتا تھا[1] لیکن بقول ہنٹر اس کا یہ خیال غلط تھا، کیونکہ اور کچھ نہین تو ان سے اتنا تو معلوم ہوگیا، کہ جذبات مین جسمانی، اور خصوصیت کے ساتھ حشوی، تغیرات کا ہونا لازمی ہے، اس کے علاوہ کینن نے یہ بھی دکھایا کہ خوف اور غصہ مین عضوی تغیرات بعینہ یکسان ہوتے ہین، لہذا محض ان کی بنا پر ان مین امتیاز ناممکن ہے لیکن یہان بھی اس کو غلط فہمی ہوئی جمیس نے کبھی یہ دعویٰ نہین کیا کہ ان حشوی اور دعائی تغیرات کی بنا پر جذبات اور غیر جذبات مین امتیاز کیا کرتا تھا، اس کے علاوہ خود جمیس خوف اور غصہ کی یکسانیت اور ان کے قریبی تعلق کا قائل تھا، پھر دو جذبات کے تمام عضویاتی تغیرات مین سے صرف چند کو لے کر یہ کہنا کہ "چونکہ ان مین کوئی اختلاف نہین، اسلئے ان جذبات مین بھی کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیئے" یقیناً غلط ہے، یہ مشابہت و مخالفت اس وقت تیقن کے ساتھ معلوم کیجا سکتی ہے، جب تمام اضطراری تغیرات واثرات کو پیش نظر رکھا جائے، یہ واقعہ ہے کہ خوف اور خوشی دونون مین دل دھڑکتا ہی لیکن اگر دل کی دھڑکن کے ساتھ عضلات کی حالت کو بھی شامل کیا جائے تو ان دونون مین بیّن فرق نظر آتا ہے،

جمیس کے نزدیک فقدان احساس اور فقدان جذبہ مین چولی دامن کا ساتھ ہے، کیونکہ ہم پہلے دیکھ چکے ہین، کہ ایک محروم الاحساس شخص محروم الجذبہ بھی ہوا کرتا ہے جمیس کے اس خیال کی تردید گذشتہ اختبارات سے بخوبی ہو چکی ہے، شیرنگٹن نے دکھایا ہے کہ فقدان احساس فقدان

---

[1] Bodily Change in pain Hunger Fear and rage صفحہ

[2] ،، عام نفسیات صفحہ ۲۰۳،

جذبہ کا ہم معنی نہیں ہوتا، یعنی یہ کہ اگر حشوی احساسات کا شعور و توقف غائب ہوتب بھی غصہ، خوف وغیرہ باقی رہتے ہیں، پروفیسر شیرنگٹن کے ان نتائج کی تصدیق اٹلی کے ماہر عضویات پیگانو نے کی ہے[1]، ان اختبارات کے علاوہ بعض اور مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں، جو سب کی سب اسی نتیجہ پر صاد کرتی ہیں چنانچہ جی، ایچ، برکلے نے دو واقعات ایسے بیان کیے ہیں، جو جمیس کے نظریہ کے بالکل مخالف ہیں[2] اسی طرح دو واقعات ایسے مذکور ہوئے ہیں، جنہیں ہپناطیقی اثر آفرینی سے فقدان احساس پیدا کیا گیا لیکن ان کے متعلق خود جمیس کا خیال ہے: کہ اس قسم کے اختبارات قابل اعتماد اور بری عن الخطا نہیں ہوتے[3]، ان مثالوں میں ایک اور مریض کے ذکر کا اضافہ بھی مفید ہوگا، اُس میں حشوی احساسات کا فقدان تھا، لہذا نظریۂ زیر بحث کے مطابق اس کے جذبات بھی غائب ہو جانے چاہئیں تھے، لیکن اس مریض کو ایک جذبہ کا تجربہ ہو رہا تھا، حالانکہ اس کے حواس اس قدر ضعیف و نحیف ہو گئے تھے کہ اس کو کسی بات کا یقین نہ آتا ہے اس کے عضلات اس قدر کمزور تھے، کہ بولنا، یا چلنا اس کے لیے ناممکن تھا لیکن اس کے باوجود جب اس کو نیند نہ آتی تھی، تو اپنی حالت کو بہت زیادہ سمجھتا تھا، اور جاگنے کو مصیبت اور کوفت کے ناموں سے تعبیر کرتا تھا، اس کے بے حس ہونے سے ان تمام اثرات میں کسی قسم کا فرق پیدا نہ ہوا[4]، اسی قسم کے اور بہت سے واقعات بیان کئے جاسکتے ہیں، ان سب کا متفقہ فتویٰ ہے کہ حشوی احساسات تخلیق جذبات کے لیے لازمی نہیں، اور جب ان کو جذبات کیلیے لازمی ہی ثابت نہیں کیا جاسکا، تو بھلا اس کا ثبوت کس طرح ممکن ہے، کہ یہ دونوں ہم معنی الفاظ

[1] سائیکولوجیکل پرنسپلز" مصنفہ وارڈ صفحہ ۳۷۵ حاشیہ [2] رسالہ برین - جلد ۱۴، [3] مولوی عبد الماجد صاحب نے بھی اپنا ایک تجربہ بیان کیا ہے، جس میں انھوں نے عمل ہپناطیقی سے ایک شخص پر جذبۂ خوف کے صرف مظاہر پیدا کیے اور معلوم ہوا کہ اس نے فی الواقع اس جذبہ کو محسوس کیا (فلسفۂ جذبات ص ۹۲) اس بنا پر انھوں نے جمیس کی تائید کی ہے، لیکن بدقسمتی سے خود جمیس اس قسم کی شہادت کو اپنے لئے بیکار سمجھتا ہے [4] سائیکالوجی پرنسپلس مصنفہ وارڈ ص ۲۴۲

ہین ان تمام اختبارات و واقعات کے نتائج اس قدر قطعی اور اذعان بخش ہین، کہ جمیس کے نظریہ کو کسی طرح بھی تسلیم نہین کیا جا سکتا،

یہان تک ہم نے جمیس کے خلاف اختباری اعتراضات کا ذکر کیا ہے، ہم دیکھ چکے ہین کہ یہ اعتراضات ایسے کرارے تھے، کہ جمیس، یا اس کے ہمدردون سے اُٹھائے نہ اُٹھے، اور چونکہ سب اختبارات پر مبنی تھے، اس لیے سوفسطائی ہتھکنڈے بھی استعمال نہ ہو سکے، لیکن اس نظریہ پر صرف یہی اعتراضات نہین ہین، بلکہ ان کے علاوہ اور نظری اعتراضات بھی ہین، ان سے جمیس کے خیال کی تردید ہوتی ہے،

جمیس کہتا ہے:-

"جذبات احساسی اعمال ہوتے ہین، جو آیندہ توجات کا نتیجہ ہوتے ہین، اور یہ آیندہ توجات عالم خارجی کے واقعات و حادثات سے پیدا ہوتے ہین، دوسرے الفاظ مین یہ احساسی اعمال گویا اشیاء محرکہ کے اضطراری اثرات ہوتے ہین۔۔۔۔۔ اب سوال صرف علمی ہے یعنی یہ کہ یہ شے کن تغیرات کو پیدا کرتی ہے، اور وہ شے کن کو، اور کیا وجہ ہے، کہ یہ اشیاء مخصوص تغیرات پیدا کرتی ہین، کسی اور قسم کے تغیرات کیون پیدا نہین کرتین[1]"

اب جو اشیاء ایک خلقی نظامِ آلات کے ذریعہ سے ان تغیرات کو پیدا کرتی ہین، ان طبعی اشیاء سمجھنا غلط نہ ہوگا، پھر اس کے ساتھ ہی اس تمام عمل کو اضطراری کہا گیا ہے، اب قصہ یہ ہے کہ اضطراری حرکات کیلئے مہیج[2]

---

[1] جمیس صفحہ ۴۵۳ [2] مہیج دراصل عضویاتی اصطلاح ہے، جسکا استعمال نفسیات مین بھی رواج پا گیا ہے، لیکن دونون بحثون مین اس کے مفہوم جزئی طور پر مختلف ہوتے ہین، عضویات مین اس کا اشارہ جسم کی حالت مین تغیر کی علت کی طرف ہوتا ہے اور نفسیات مین اس سے مراد کیفیت شعور مین تغیر کے سبب سے لیجاتی ہے، لیکن چونکہ شعور کی کیفیت کے تغیر کا سبب ہمیشہ جسم کے اثرات ہی پیدا کرتا ہے، اسلیے نفسیاتی مہیج عضویاتی مہیج کی ایک مخصوص صورت ہوتا ہے، عضویاتی مہیجات کی ایک صنف ایسی ہے، جس کے تحت (کم سے کم انسان) تمام نفسیاتی مہیجات رکھے جا سکتے ہین، ہمارا مطلب ان مہیجات سے ہے جو نظام عصبی مین ایک تغیر یا تہیج پیدا کرتے ہین، لہذا ہم نفسیاتی مہیج کی تعریف کو زیادہ وضاحت اور صحت کے ساتھ اس طرح بیان کر سکتے ہین، کہ اس عصبی تہیج کو نفسیاتی مہیج کہا جا سکتا ہے، جو شعور کے تغیر کی علت، یا اس کا معلول ہے، یا اس قسم کے عصبی تہیج کی مختلف علتین ہو سکتی ہین،

کی ضرورت ہوتی ہے، نہ کہ اشیار کی، نالائق سے نالائق ماہر عضویات بھی کبھی یہ نہ کہیگا کہ اشیار کی وجہ سے اضطراری حرکات پیدا ہوسکتی ہین، اگر تھوڑی دیر کے لیے جمیس کی ہان مین ہان ملا دیجائے، تو ایک ہی شے ہمیشہ ایک ہی قسم کی اضطراری حرکات کا باعث ہونی چاہیئے، لیکن

اگر جمیس کے سامنے پہلے پنجرے مین بند ریچھ لایا جائے، اور بعد ایک آزاد ریچھ اس کے سامنے چھوڑا جائے تو پہلے ریچھ کا وہ تماشا دیکھتا ہے، اور دوسرے کو دیکھتے ہی ہوا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ایک ماہر مغنی کے غنا، اور مشاق مصور کی تصویر کا اثر ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے، کہ پہلی صورت مین ایک ہی علت کے مختلف نتائج، اور دوسری حالت مین دو مختلف علتون کے ایک ہی معلوم کی توجیہہ کس طرح ہوسکتی ہے اگر یہ مختلف نتائج، یا یکسان اثر اشیار کے اضطراری اثرات ہین، تو ان کا تخالف یا تشابہ ناقابل فہم ہے، لیکن یہان جمیس کہتا ہے، کہ وہ شخص ایک منفرد چیز سے متاثر ہوکر رد عمل نہین کرتا، بلکہ اس کے رد عمل کا اصلی محرک وہ تمام موقع و محل ہے جسمین یہ رد عمل کیا جارہا ہے، دوسرے الفاظ مین "شے" سے مراد وہ تمام موقعہ و محل ہے، نہ کہ ایک شے واحد، ہم اس کو تسلیم کئے لیتے ہین، لیکن اس توضیح سے جمیس اپنے آپ کو اور کڑی مشکلات مین پھنسا لیتا ہے، پہلے اس کے نزدیک "شے" ہم معنی تھی ہیج کے جو ایک خلقی نظام آلات کی مدد سے، ایک برآیندہ اخراج مین تحویل ہوجاتا ہے اب اس جدید توضیح کے مطابق "شے" مترادف ہو جاتی ہے، اس مجموعی موقع و محل کے جس کا وہ جواب دیتا ہے، لیکن غائر نظر کو "شے" کی ان دونون دلالتون مین ایک جہان اختلاف دکھائی دیتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ قبل) علتین ہوسکتی ہین، (۱) کوئی دوسرا عصبی عمل، (۲) اس سے متعلق کوئی اور جسمانی یا عضوی عمل، (۳) طبیعی یا کیمیاوی عمل جو جسم سے خارج ہو، ہیج اور عصبی تہیج مفصل اور دلچسپ بحث کے لیے پروفیسر کلپے کی کتاب BIKINEZOF PSYCH OLA Y صفحات ۸۷ و ما بعد کا مطالعہ مفید ہوگا، لے ڈاکٹر وارڈ صفحہ ۲۷، لے جمیس کا مضمون PHYSICAL BASIS OF EMOTION مندرجہ سائیکولوجیکل ریویو ۱۸۹۴ء، صفحہ ۵۱۸ حاشیہ،

اب ظاہر ہے کہ "شئے" کے ان ہی دونوں اسم مین سے ایک کو ہم کو اختیار کرنا ہے، اگر ہم اول الذکر مفہوم کو اختیار کرتے ہین، تو انسان ایک ذی شعور خودکار مشین بنجاتا ہے، اور اس کا جمیس منکر ہے[1] لہذا یہ مفہوم خود جمیس کے خیال کے مطابق ناقابل قبول ہے، اب رہ گیا دوسرا مفہوم، اگر اس کو صحیح تسلیم کیا جائے، تو ہم کو بالضرورت یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اس ردعمل کے صدور کے لیے فاعل کی وضع وحالت بھی لازمی ہے، اور اس کے علاوہ یہ بھی ناقابل انکار ہوجائیگا کہ مسرت یا الم اس ردعمل کی تعین کرتے ہین، یعنی یہ کہ اس ردعمل کے ساتھ ہماری کوئی غرض، یا دلچسپی وابستہ ہے، لیکن جب ہم ان دونوں باتون کو تسلیم کر لیتے ہین، تو پھر جمیس کے نظریہ کو قبول کرنے کی گنجائش نہین رہتی، کیونکہ جذبات کی یہی تعلیل ہے، جو ماہرین نفسیات مین جمیس کے وقت تک مروج تھی، فرق صرف اتنا ہے، کہ اس تمام بحث سے وقعت، یا قیمت، کا ایک اور مقولہ روشنی مین آجاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس سے ماہر عضویات کو کوئی سروکار نہین ہوسکتا، اس مین شک نہین کہ اس کا وجود غور وخوض کے بعد معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ جن تجربات سے اس کو اخذ کیا جارہا ہے ان کا مقدم ہونا ضروری ہے، ہمارا مطلب فاعل کے تاثری میلانات سے ہے، ان کی تقدیم ضروری اسلئے ہے کہ ان ہی کی وجہ سے وہ خارجی موقع ومحل اس شخص کے لیے قیمتی ہے اور وقیع بنتا ہے، اور اس شخص کی وضع وہیئت کی توجیہ بھی صرف اسی بناء پر ممکن ہے، اسی بناء پر جمیس کے سوالات، متعلق بہ علت جذبات کا جواب دیا جاسکتا ہے[2]،

لیکن بہت جلد یہ حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے کہ یہ تمام علمی سوالات خود جمیس کے لیے بھی محض ضمنی تھے، اس کا اصلی دعویٰ یہ تھا، کہ جذبے مین عضوی احساسات کے علاوہ اور کچھ نہین ہوتا، اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے مین وہ کہان سے کہان پہنچ گیا، بجائے اس کے کہ وہ

---

[1] پرنسپلز آف سائیکولوجی جلد اول، باب پنجم، [2] وارڈ، سائیکولوجیکل پرنسپلز صفحہ ۲۷۲

ان اشیار کی طرف اشارہ کرتا، جو جذبات کا باعث ہوتی ہین، اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کسی جذبہ کی جسمانی علت پیدا ہو جائے، یہ کسی طرق اور کسی درجہ سے ہو تو وہ جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، یہانتک کہ اس جذبے کا بلا معروض یا بلا علت خارجی کے پیدا ہونا بھی ممکن ہے، یہی جمیس کی اس تناقض بیانی پر مزید روشنی پڑتی ہے جسکی طرف ہم پیچھے کہین اشارہ کر آئے ہین، ایک طرف تو وہ کہتا ہے، کہ جسمانی تغیرات جذبے کی تکوین کے لازمی اجزا ہین، لیکن یہان اس کا عندیہ صاف طور پر یہ ہے کہ جذبات اور عضوی احساسات کے مجموعے مین شرکت وجود ہی نہین، بلکہ اتحادِ ماہیت بھی ہے، اب چونکہ یہ جذبہ "بلا معروض" ہے، اس لیے "وہ شے" جو اس کا محرک بنتی ہے، عضویاتی ہو گی، نہ کہ نفسیاتی یعنی یہ کہ یہ جذبہ کسی ایسے ہیج کا نتیجہ ہو گا، جو ان عضوی احساسات کو پیدا کرے گا، نہ اُس مجموعی موقع ومحل کا، اس خیال کی تائید مین جمیس نے علم الامراض کے واقعات بیان کئے ہین[1] یہ صحیح ہے کہ جذبہ خارجی حیثیت سے بلا معروض ہو سکتا ہے، لیکن ان واقعات سے یہ کسی طرح ثابت نہین ہوتا، کہ داخلی لحاظ سے بھی ان کا کوئی معروض یا ان کی کوئی علت نہین ہوتی، برخلاف اس کے ان کا منشا صرف اس قدر ہے کہ یہ علت غیر واضح اور موہوم ہوتی ہے، قانونِ تلازم کے اس عمل سے ہر شخص واقف ہے، کہ عضوی اضطرابات و اختلالات اس مخیلہ کو دوبارہ زندہ کرنے کی طرف مائل ہوتے ہین، جو ان کے ساتھ کبھی پہلے متلازم ہو چکا ہے، لیکن جب تک کہ اس مخیلہ کا احیا نہین ہوتا، اس وقت تک وہ عضوی اضطرابات جذبی نہین بنتے[2] اس مین بھی کسی کو کلام نہین ہو سکتا، کہ صحیح الذہن اشخاص مین معمولی سے معمولی واقعات بھی ان متلازمات کے احیا کے لیے کافی ہوتے ہین، صرف شرط یہ ہے کہ ان کا جسم سقیم ہو، اور جب جسم اور ذہن دونون سقم کی حالت مین ہون، تو کسی خارجی سبب کی ضرورت ہی نہین ہوتی، کیونکہ ایسی حالت مین داخلی اسباب کی بہتات ہوتی ہے، اور ان ہی

---

[1] جمیس صفحہ ۴۵۸، [2] وارڈ، سائیکولوجیکل پرنسپلز صفحہ ۲۷۱،

کی وجہ سے ان متلازمات کا احیا رہو جاتا ہے اور ان کے احیار سے وہ عضوی اضطرابِ جذبی صورت اختیار کرلیتا ہے[۱]،

اس تمام بحث کے بعد وارڈ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ :-

جیمس ولینگ کا نظریہ نفساتی اور حیاتیاتی نقطۂ نظر سے بالکل لغو ہے، اس مین علت کو معلول اور معلول کو علت ثابت کیا گیا ہے، علم الامراض کی طرف اس کا مرافعہ واقعاً بے کار اور اصولاً غلط ہے، جذبہ ہمیشہ حسیت کا مظہر ہوتا ہے، اور حسیت کا محسوس کرنے والی ذات کیلئے کوئی نہ کوئی خارجی معروض ہوا کرتا ہے، جذبہ کسی صورت مین بھی ارتسامات کے اصول کا ہم معنی نہین ہوتا، بلکہ یہ ہمیشہ ان کا جواب ہوتا ہے، یہ جواب عام طور پر کم وبیش منتشر دوہری تحریک سے مرکب ہوتا ہے جو دوران خون اور دیگر نباتاتی اعمال مین تغیرات پیدا کرتی ہے، اور (۲) قوی یا ضعیف جذبات، مثلاً غصہ دہشت وغیرہ مین ارادی عضلات کی مخصوص قوت یا ضعف پیدا کرتی ہے جیمس یا لینگ کے نظریہ نے یہ (تخیلاً) ثابت نہ کیا، کہ حرکی اجزار جذبی مظہر مین عضوی اجزا کے برابر ضروری نہین، یا (تخلیقاً) یہ کہ عضوی اجزا حقیقی معنون مین حرکی اجزار کی طرح داخلی و فاعلی طور پر متعین نہین ہوتے، شروع سے لیکر اخیر تک یہ نظریہ عضویات کے غلط استعمال کی زندہ مثال ہے[۲]"

ہم کو ذاتی طور پر ڈاکٹر وارڈ کے اس نتیجہ سے کلی اتفاق ہے، اصل یہ ہے کہ جیمس کے نظریہ پر کوئی تسلی بخش بحث نہین کیجا سکتی وجہ اسکی یہ ہے کہ کچھ تو خود جیمس کے اصلی خیالات مین تغیر ہوا، اور کچھ مخالف اور زیادہ موافق تنقیدون سے اسکی اصلی شکل و شباہت مسخ ہوگئی، اس نظریہ کی بعد کی صورت مین بعض باتین اصلی عقیدہ کے بالکل منافی ہین، چنانچہ اس کی طرف ہم پیچھے اشارہ کرچکے ہین، ایک ہی نظریئے

---

[۱] وارڈ، سائیکولوجیکل پرنسپلز صفحہ ۲۷۳، [۲] ر ر صفحہ ۲۷۵

کے اس قدر متناقض بیانات ظاہر ہے کہ تمام بحث اور صحیح تنقید کو ناممکن کر دیتے ہین، مثال کے طور پر یہ بیان کیا جا سکتا ہے، کہ اس نظریئے کے خلاف ایک اعتراض یہ ہے، کہ اگر جذبہ کو بغیر عضوی تغیرات کے تصور مین نہین لایا جا سکتا ہے تو اس سے یہ لازم نہین آتا کہ یہ دونون ہم معنی الفاظ ہین، زنگ بغیر استداد کے، اور بادشاہ بغیر سلطنت کے، ناقابل تصور ہین، لیکن کیا اس سے یہ لازم آتا ہے، کہ یہ دونون ہم معنی ہین؟ کیا زنگ کو استداد اور بادشاہ کو سلطنت کہا جا سکتا ہے؟ اگر ہم جیمس کے اصلی الفاظ کو ملحوظ رکھین، تو اس کا کوئی جواب نہین ہو سکتا، کیونکہ وہ صاف کہہ رہا ہے کہ "عضوی اضطرابات کے احساس کا نام جذبہ ہے"، لیکن جو توضیح اس نے اپنے نظریہ کی بعد مین کی ہے، اس کے مطابق یہ اعتراض بالکل بےکار ہے، کیونکہ یہان خود تسلیم کر رہا ہے، کہ یہ عضوی اضطرابات جذبات کے ہم معنی نہین بلکہ ان کے ضروری اجزاء ہین[1]، اب ہم ان دونون جوابات مین کسی ایک کو اختیار کر سکتے ہین، اسی طرح ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے، کہ اگر عضوی اضطرابات کے شعور و وقوف ہی کا نام جذبہ ہے، تو کیا وجہ ہے کہ ایک ہی جذبہ مختلف حالات مین مختلف اضطرابات پیدا کرتا ہے؛ مثلاً خوف کی حالت مین ہم کبھی بھاگ جاتے ہیں، اور کبھی ہماری تمام حرکات بند ہو جاتی ہے، اور ہم بہان کھڑے تھے وہین کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہین، اس کا جواب بھی جیمس کی بعد کی توضیح کی بنا پر ممکن ہے، یعنی یہ کہ دونون مین ناگواری کی حسیت مشترک ہوتی ہے، اور یہ اشتراک مبنی ہوتا ہے عضوی اضطرابات کے اشتراک پر[2]، اس کے اصلی بیان کے مطابق یہان بھی کوئی جواب نہین بن پڑتا، اسی نوع کے اور اعتراضات بھی ہین، جن کا جواب دینا اسی وجہ سے متعسر ہوتا ہے،

بعض مصنفین تو محض جدت کی لذت کی وجہ سے اس نظریہ کی حمایت کرتے ہین، ان کے پاس کوئی دلائل اس قسم کے نہین ہوتے جن سے وہ اپنے اس دعوی کو ثابت کر سکین، صرف گول گول

---

[1] عام نفسیات" مصنفہ ہنٹر صفحہ ۱۹۹ [2] ر ر

الفاظ، اور تحکمانہ انداز مین وہ جمیس کا بیان کر کے کہدیتے ہین، کہ اس کے خلاف کسی شہادت کا لانا ناممکن ہے، اور یہ کہ اس کے موافق شہادتین اس قدر کثیر اور اس قدر قطعی ہین کہ اُن کا انکار ناممکن ہے لیکن بحالت موجودہ بہترین فیصلہ فرانسیسی فلسفی ربو نے کیا ہے، اس نے جمیس دلینگ کے ساتھ اصولاً اتفاق کرتے ہوئے، ان کے طریق اظہار کی مخالفت کی ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ دونون بھی، قدیم نظریہ کے حامیون کی طرح جسمانی اضطرابات اور ذہنی تغیرات کے قائل ہین، متقدمین اور اُن مین متنازع فیہ ان کی تقدیم و تاخیر ہے یعنی یہ کہ جس نظریہ کی براندازی پر انھون نے کمر باندھی ہے، اس کے مطابق ذہنی تغیرات مقدم اور جسمانی حالات مؤخر ہین، لیکن ان کے نزدیک ذہنی تغیرات مؤخر ہین اور جسمانی اضطرابات مقدم، اسی کو دوسرے الفاظ مین اسطرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے، کہ متقدمین کے نزدیک جذبہ علت ہے، اور جسمانی مظاہر معلول، اور ان کے ہان جسمانی مظاہر علت ہین اور جذبہ معلول ربو نے[1] یہ ترمیم پیش کی ہے، کہ اس مسئلہ مین سے علت و معلول کا سوال اڑا دینا چاہیئے، ور اس کی بجائے ارسطو کے ہیولیٰ و صورت سے اس کی توجیہ کی کوشش کرنی چاہئے، اس طرح کہ جسمانی واقعات کو ہیولیٰ سمجھا جائے، اور ان کے مقابل نفسی کوائف کو صورت یعنی یہ کہ یہ دونون ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہو جائین، اس خیال کی بنا اس حقیقت پر ہے، کہ شعور کی کسی حالت کو جسمانی حالت سے منتزع نہین کیا جاسکتا، ان دونون مین چولی دامن کا ساتھ ہے، یہ دونون کے دونون ایک کے اجزار، ایک تصویر کے دورخ ہین اور اسلیے ان کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ ہونا چاہیئے، چہرہ اور جسم کی حرکات، اور محرک ادعیہ اور تنفس وغیرہ کے تغیرات، گویا خارجی مظاہر ہین اور ان کے مقابلہ مین نفسی واقعات ہین، ان مین تقدیم و تاخیر نہ ہوسکتی ہے، نہ ہوتی ہے، عام طور پر ایک ہی واقعہ کو دو مختلف نقطہ ہائے نظر سے بیان کیا جاتا ہے[1]،

---

[1] "نفسیات جذبات" صفحہ ۱۲۱ - ۱۲۲،

جیسا کہ ہمنے کہا ہے، مدعی کی تناقض بیانی، اس کے متلون عقائد اور ہر روز بدلنے والے خیالات کو دیکھتے ہوئے، ربیو کا فیصلہ بہترین ہے، لیکن اگر بنظر امعان دیکھا جائے، تو ربیو نے نہایت ہوشیاری وچالاکی سے شہد کی مکھیوں کے اس چھتے کے قریب جانے سے، یہ کھکر اپنے آپ کو بچایا ہے، کہ دونوں حق بجانب ہین، یہ صحیح ہین کہ نفسی واقعات جسمانی تغیرات کے بغیر ناممکن الوقوع ہین، یہ مسلّم ہے، کہ ذہن اور جسم کا گہرا تعلق علوم جدیدہ، خصوصاً عضویات اور تشریح الاجسام نے آئینہ کر دیا ہے، لیکن جذبات مین ان دونوں مین فصل زمانی نہ ہونے کا مطلب پوری طرح واضح نہین ہوتا، شرح رفتار اور سمت رفتار حرکت کے دو پہلو کہے جا سکتے ہین، لیکن جذبہ اور اس کے مظہر مین اس قسم کا تعلق نہین ہوتا، ہمارا دماغ بلحاظ مقام کے ہمارے جسم کا ایک علیحدہ حصہ ہے، دماغ کا تہیج جن عضوی تغیرات کو پیدا کرتا ہے وہ عصبی اعمال کے نتیجہ پر ہوتا ہے، اس وجہ سے یہ کہنا بعید از صحت نہ ہوگا کہ عصبی اعمال کا وجود اس وقت تک نہین ہو سکتا، جبتک کہ یہ اپنے آپ کو ظاہر کر سکنے پر قادر نہ ہون، اور اسلیے ان دونون کو ایک ہی واقعہ کے دو پہلو کہا جا سکتا ہے، لیکن جمیس کے نظریہ مین سوال یہ ہے، کہ آیا اول عصبی اضطرابات بذات خود جذبی قسم کے شعور، یا کم از کم اس شعور کو مستلزم ہین کہ نہین، جو ایک مکمل جذبہ کا جزو ہوتا ہے، جمیس اس کو تسلیم نہین کرتا، کیونکہ اس کا خیال ہے، کہ اول عصبی اضطرابات پہلے آلات و اعضاء جسم مین تغیرات پیدا کرتے ہین، اور یہ تغیرات پھر نظام عصبی پر عمل و اثر کرتے ہین، قبل اس کے جذبہ پیدا ہو، اس دوسرے عمل و اثر کے ساتھ جو شعور متعلق ہے، اسی کو جمیس جذبہ کہتا ہے، ابتدائی عصبی تہیج کو وہ ادنی مراکز کے تہیج کا نتیجہ سمجھتا ہے، اور اسلیے شعور مین اس کے مقابل کوئی چیز نہین ہوتی، یہ صحیح ہے کہ جمیس نے اس ابتدائی ادراک کو، جو جذبہ کا باعث ہوتا ہے، "واقعہ مہیجہ کا ادراک" کہا ہے لیکن اس سے اس کا اشارہ ذہنی تہیج کی طرف نہین، اس واقعہ کو "مہیجہ" اس وجہ سے کہا گیا ہے، کہ اس کے ادراک سے عضوی تغیرات پیدا ہوتے ہین، اور یہ عضوی تغیرات ایک ردّ عمل کے طور پر ذہنی

تہیج کا باعث ہوتے ہین، اس کا یہ قول کہ "ان تغیرات کا بحالت وقوع احساس جذبہ ہے" ہمارے اس بیان کی تائید کرتا ہے، اس کے علاوہ وہ صاف طور پر کہ رہا ہے کہ" واقعہ مہیجہ کے ادراک کے فوراً بعد جسمانی تغیرات پیدا ہوتے ہین"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جسمانی تغیرات اس واقعہ کے بعد ہوتے ہین جو انکا باعث ہوتا ہے، نہ اس واقعہ کے بعد جو ہم کو متہیج کررہا ہے، اگر یہ مفہوم جمیس کا نہین، تو اس کے نظریہ مین کوئی نئی بات بھی نہین، کیونکہ اس سے کسی کو انکار نہین کہ عضوی اضطراب ایک مکمل جذبہ کا جزو ہوا کرتا ہے، چنانچہ مین نے اس کی اسی قدر شد و مد سے حمایت کی ہے اور ہم بھی اس کے منکر نہین، لیکن اگر یہ ثابت ہوجائے (جیساکہ ڈاکٹر وارڈ نے کردیا ہے) کہ اس عضوی اضطراب سے قبل ذہنی تہیج ہوتا ہے، تو اس تہیج کو بھی جذبہ مین شامل سمجھنا چاہیے[1]

مختصر یہ کہ جمیس کا نظریہ کسی حیثیت سے بھی قابل قبول نہین ٹھہرتا، ربو کا فیصلہ اس بحث سے پیچھا چھڑانے کا بہترین ذریعہ ہے، ورنہ یہ بھی لائق تسلیم نہین، اور نہ واقعات اور جمیس کے بیانات سے اسکی تائید ہوتی ہے جمیس کا نظریہ غلط اور بے کار سہی، لیکن اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا، کہ جذبات کی بحث کا عضویاتی پہلو روشن ہوگیا، جس پر اس سے قبل کسی نے توجہ نہ کی تھی، اس کے تردید کے لیے شیرنگٹن وغیرہ کے اختبارات سے یہ پہلو روز بروز روشن تر ہوتا چلا گیا، اگر نفسیاتی پہلو بجائے روشن ہونے کے، مدہم پڑتا گیا، غالباً اسی وجہ سے ڈاکٹر سٹائٹ نے اس کو "عضویات جذبات"[2] کے نام سے یاد کیا، ہے، اس لحاظ سے یہ نظریہ یقیناً قابل توجہ اور لائق تحقیق ہے، نفسیاتی نقطۂ نظر سے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

---

[1] مینوئل آف سائیکولوجی مصنفہ سٹائٹ صفحہ ۴۱۵-۴۱۶ حاشیہ،

[2] گراؤنڈ ورک آف سائیکولوجی، بحث جذبات،

آثار قدیمہ

از شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب نائب ناظم محکمۂ آثار قدیمہ عجائب خانہ، کلکتہ

گذشتہ دسہرہ کی تعطیل مین آثار قدیمہ و کتب نایاب کے لیے علی گڈھ کا سفر کیا، اپنے معزز لائق و فایق دوست جناب مولوی حاجی سید محمد احسن شاہ کے دولت کدہ پر فرو کش ہوا، یہ بھی آثار قدیمہ کے بڑے شیفتہ اور علم دوست شخص ہین، ثابت خان کے تالاب کے مقابلہ مین ان کا مسکن ہے، علی گڈھ مین تحصیلداری کے عہدہ پر مامور ہین، وہان کے آثار قدیمہ کی نسبت وسیع معلومات رکھتے ہین، چند قلمی اور نادر اشیاء ان کے پاس بھی ہین،

کچکول گدائی (۱) کچکول گدائی جسے فقراء نارِیل کے کھوپڑے کا سیاہ رنگ کا بناتے ہین، اور چاول وغیرہ جو خیرات اور بھیک سے ملتا ہے اس مین جمع کرتے جاتے ہین، یہ کچکول عجیب بے نظیر اور دلچسپ ہے گو یا زیادہ قدیم نہین، طول ۱۱ انچ، عرض ۷ انچ، موٹائی ایک فٹ چار انچ ہے، اس کا بنانیوالا اور گلکاریان اور نقوش وغیرہ کرنے والا مرزا محمد علی نامی کوئی شخص ہے، اور یہ کشکول مہر علی شاہ کیلئے بنائی گئی تھی، ایک رباعی حافظ کی نہایت اعلیٰ اور بہترین نستعلیق مین کندہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مہر علی شاہ، اور محمد علی عامل و نقاش دونون ایرانی تھے،

(رباعی)

مردی ز کنندۂ در خیبر پرس	اسرار کرم ز خواجۂ قنبر پرس
گر تشنۂ رحمتی زفیض از حافظ	سرچشمۂ آن ز ساقی کوثر پرس

"میر علی شاہ، عمل مرزا محمد علی" نیچے تحریر ہے،

حبیب گنج کا کتب خانہ دو دن قیام کے بعد مین حبیب گنج بھکین پور جو شہر سے ۲۰ کوس کی مسافت پر ہے

اپنے قدیم کرمفرما مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی، صدر الصدور ریاست دکن کے کتب خانہ کے معاینہ کے لیے گیا مولانا کے صاحبزادے مولوی عبید الرحمن خانصاحب ام، ال سی موجود تھے لیکن سوء اتفاق سے مہتمم کتب خانہ علیل تھے اسلیے مجھے تفصیلی طور پر کتب خانہ دیکھنے کا موقع نہ ملا، سرسری نظر سے دیکھا، مولانا کو ۴۵ سال سے کتابون کی فراہمی کا ازحد شوق ہے اور زر کثیر صرف کرتے ہین، تقریباً ۰۰۰ اقلمی اور ۲۰۰۰ ہزار مطبوعہ تقریباً ۳ ہزار کتابین موجود ہین، اور کتب خانہ نہایت ہی مصفا و پاکیزہ ہے مگر مشرح فہرست نہین، صرف داخلہ کتب کی فہرست ہے مین نے مولانا کو صلاح دی ہے کہ مشرح فہرست مرتب کرین تاکہ طلبا مستفید ہون،

شمشیر ظفر تکیہ عالمگیری کتب خانہ مین ایک تاریخی تلوار عالمگیر کی ہے جسکا نام ظفر تکیہ ہے، (تلوار پر بھی یہ نام کندہ ہے)

سنہ ۳۸ جلوس مطابق ۱۱۰۵ھ ۲۰ جولائی ۱۶۹۷ء مطابق ۱۰ محرم الحرام کو عالمگیر نے شمشیر ظفر تکیہ مع قبضہ مرصع ظفر تکیہ اور سی صد بیگہ زمین پرگنہ حویلی سرکار و صوبہ الہ آباد سے قاضی شیخ محمد دائم ولد شیخ محمد قائم کو عطا فرمایا تھا جو مندرجہ ذیل فرمان سے ظاہر ہوتا ہے، یہ فرمان اور شمشیر ظفر تکیہ مع قبضہ مرصع کے دونون اس کتب خانہ مین موجود ہین،

مروی ہے کہ شہنشاہ عالمگیر جب تخت دربار پر اجلاس فرمایا کرتے تھے اسی تلوار پر ٹیک دیکر اٹھا کرتے تھے، یہ تلوار دربار مین برابر ان کے دست مبارک مین رہا کرتی تھی، واللہ اعلم بالصواب،

نقل فرمان عالمگیر

درین وقت میمنت عنوان فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ خدمت قضائے بلدہ صوبہ الہ آباد مع سواد و قریات و متعلق آن از انتقال محمد ظریف بشیخ محمد دایم ولد شیخ محمد قائم و ۰۰۰ بلا قصور یومیہ از خزانہ بلدہ مذکور سیصد بیگہ زمین از پرگنہ حویلی سرکار و صوبہ مزبور از انجملہ

دو صد بیگه بازیافت غلام رسول قاضی سابق ویکصد بیگه زمین افتاده لائق زراعت خارج جمع مع قبضه ظفر تکیه مرصع بشرط خدمت وعدم عهد مہرانه و تکاخانه در وجه معاش او حسب الضمن مقرر باشد که بلوازم و مراسم آن کما ینبغی پردازد، ودر شرعیات وقطع وفصل قضایا ومعاملات ودفع دعاوی وخصومات وعقود وانکحه بلاد ولی وقسمت ترکات وکتابت وصکوک سجلات وتحریص وترغیب مردم بطاعات وعبادات واجراء حدود وتعزیرات واقامت جمعه وجماعات وتحقیق اموال غیب وایتام وتعین و صیا ونصب قوام مساعی موفوره بتقدیم رساند، باید که حکام وعمال ومتصدیان مهمات وداروغگان ومشرفان وجاگیرداران وکروریان حال واستقبال اوراقاضی انجادانند ویومیه مزبور را موافق ضابطه ومعمول باو رسانیده باشند، وزمین افتاده را پیموده وحک تسیه مع الاضی بازیافت تبصرف او بازگزارند واصلاو مطلقا تغیر وتبدل بدان راه ندهند وبعلت مال وجهات واخراجات مثل قلنغه وپیشکش وجریبانه وضابطانه ومحصلانه ومہرانه وداروغگانه وبیکار وشکار ومقدمی وقانون گوئی وضبط هرساله بعد تشخیص حک تکرار زراعت وکل مطالبات سلطانی وتکالیف دیوانی مزاحم نشوند، ودرین باب هرسال سند مجدد نطلبند واگر درمحل دیگر چیزے داشته باشند آنرا اعتبار نکنند، طریق جمهور سکنه ومتوطنین بلده مرقوم انکه حظوظ مقالات وصکوک وسجلات را بخط ومهر او معتبر شمارند، بستم محرم الحرام سال چہل ویکم جلوس والا نوشته شد،

تلخیص و تبصرہ

جرمنی میں تعلیمی جد و جہد،

چند مہینے گذرے کہ ترکی سے پروفیسر کمال بک — جو پہلے ولایت ادرنہ میں انسپکٹر تعلیم تھے، اور آج کل ٹریننگ کالج آستانہ میں درس دیتے ہیں — جرمنی بھیجے گئے تاکہ وہاں کے تعلیمی نظم و نسق کا مشاہدہ کریں، اُنھوں نے واپس آکر ایک بیان شایع کیا ہے، جس سے جرمنی کے تعلیمی حالات پر روشنی پڑتی ہے، اس بیان کا اقتباس مصر کے مجلۃ الزہرا بابت ماہ رمضان میں شایع ہوا، جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

پروفیسر کمال بک جرمنی کے ایک مشہور رکن تعلیمی سے ملے تھے، جو ایک کالج میں پروفیسر بھی ہیں، اُنھوں نے ترکوں کو اپنے صیغۂ تعلیم میں جرمنی کے نقش قدم پر چلنے کا مشورہ دیا، اور پھر جرمنی کے نظام تعلیم کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا، "جرمنوں کا دستور ہے کہ جب وہ کسی نظام میں کوئی خفیف تغیر و تبدل بھی کرنا چاہتے ہیں تو اسے مدتہائے دراز تک زیر غور رکھتے ہیں، اور خصوصاً نظام تعلیم میں تو بغیر طویل غور و خوض کے ادنٰی سے ادنٰی تغیر بھی نہیں کرتے ہیں"، چنانچہ اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ جرمنی میں جو نظامِ تعلیم اس وقت رائج ہے، وہ ۱۸۷۱ء کا قائم کردہ ہے، اس اثنا میں جنگ عظیم ہوتی رہی، ملک میں متعدد انقلابات ہوئے، نظام شاہی درہم برہم ہوگیا، مختلف الخیال اشخاص کے ہاتھ میں حکومت کی باگ آئی لیکن وہاں کے نظام تعلیم میں کوئی معمولی تغیر بھی رونما نہیں ہوا،

وہاں کے تعلیمی حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ اواخر ۱۹۲۵ء کی مردم شماری کے مطابق وہاں کی آبادی ۶۲ ملین ہے جس میں ۹۰ فیصدی تعلیمیافتہ ہیں، ۱۹۱۷ء کے نظام تعلیم کے لحاظ سے وہاں مدارس کے تین زینے ہیں، ابتدائی ثانوی اور علیا، بچے جب چھ برس کی عمر کو پہونچتے ہیں تو وہ مدرسہ ابتدائی میں داخل کر دئے جاتے ہیں، مدرسہ ابتدائی میں دو قسم کے بچے پڑھتے ہیں، کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے سرپرست انھیں صرف ابتدائی تعلیم دلانا چاہتے ہیں یہ بچے مدارس ابتدائی میں آٹھ سال تک رہتے ہیں، اس مدت میں انھیں مناسب تعلیم دیکر چودہ برس کی عمر میں مدرسہ سے رخصت کر دیا جاتا ہے، پھر ان کے سرپرست انھیں برسر روزگار لانے کے لئے ایک خاص قسم کے مدرسہ میں بھیجتے ہیں جنھیں وہاں (BEIRUFF (صنعت و حرفت پیشہ) یا OORTBALDUNG) کہتے ہیں، ان طلبہ کو ان مدارس میں چار سال تک تعلیم دیجاتی ہے، اس طرح اٹھارہویں برس معمولی نوشت و خواند کے ساتھ ان میں اتنی صلاحیت ہو جاتی ہے کہ وہ کسی کارخانہ یا دفتر میں ملازمت کرکے بسر اوقات کر سکیں، یا اپنا کوئی ذاتی کاروبار کرکے زندگی بسر کریں اور مدارس ابتدائیہ میں کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں جن کے سرپرست انھیں اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے ہیں، یہ بچے ان مدرسوں میں چار سال تک رکھے جاتے ہیں، پھر انھیں مدارس ثانویہ میں بھیجا جاتا ہے جہاں وہ نو سال تک تعلیم پاتے ہیں، پھر اس کے بعد وہ مدارس عالیہ میں پہونچتے ہیں، اور یہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے تعلیمی زندگی ختم کر دیتے ہیں،

یہاں کے مدارس ثانویہ بھی ایک خاص نوعیت رکھتے ہیں، یہ مدارس تین قسم کے ہیں، طلبہ اپنے ذوق کے لحاظ سے ان تینوں قسم کے مدارس میں سے کسی کو منتخب کرکے اس میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ ان تینوں قسم کے مدرسوں میں مدارس عالیہ کی تعلیم کی مناسبت سے مختلف نوعیت کی تعلیم دیجاتی ہے مثلاً کوئی طالب علم مدارس عالیہ میں علم ہندسہ لینے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اقسام مدارس ثانویہ میں سے

اسی مدرسہ کو منتخب کریگا، جس کا نصاب تعلیم مدارس عالیہ کے علم ہندسہ کی تعلیم کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے بنایا گیا ہے، اور انھیں وجوہ کی بنا پر بعض مدارس ثانویہ میں غیر ملکی زبانوں میں سے فرانسیسی پڑھائی جاتی ہے بعض میں لاطینی اور بعض میں کوئی دوسری زبان،

جرمنی میں تعلیمی جد و جہد کے سلسلہ میں یہ معلوم کرنا نتیجہ خیز ہوگا کہ وہاں کے مدرسوں میں مذہبی تعلیم لازمی اور جبری ہے، صرف بعض صورتوں میں بعض طلبہ کو ان کے سرپرستوں کی مخالفت کی بنا پر اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے،

سب سے آخر میں وہاں کے مدرسوں کے مجموعی اعداد و شمار پیش کئے ہیں، وہ یہ ہیں: ۱۹۲۴ء ۱۹۲۵ء کے اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ جرمنی میں سرکاری ابتدائی مدرسے ۵۲ ہزار اور غیر سرکاری ۶۷۰ ہیں، جنمیں ۵۸ ہزار ۰۰ طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں، علاوہ ازیں دوسرے ابتدائی مدارس جو اندھوں بہروں اور گونگوں کے لئے ہیں ۹۰۱ ہیں جنمیں ۱۴ ہزار ۰۰ ۵ طلبہ و طالبات ہیں، ان مدرسوں کے بعد مدارس ثانویہ ہیں جنکی مجموعی تعداد ۳۴۱۳ ہے جنمیں ۲۷ ہزار ۵۸۴ اساتذہ اور ۳ لاکھ ۱۵ ہزار ۱۳۱۹ طلبہ ہیں، اور ۲۳ مدارس جامعہ ہیں جنمیں ۴۶۵۴ اساتذہ اور ۸۵ ہزار ۱۷، طلبہ اور ۸ ہزار ۴۴۱ طالبات ہیں،

ان تمام مدارس کے علاوہ ۶۰ مدرسے تجارت کی تعلیم کیلئے ہیں، ۱۱ مدرسے صنعت و حرفت کیلئے، ۱۷ موسیقی سکھانے کے لئے، ۲۶ مدرسے فنون جمیلہ کے لئے، اور ۴ مدارس زراعیہ ہیں، ۳ مدرسوں میں جنگلوں کے متعلق اور ۳ مدرسوں میں معادن کے متعلق تعلیم دیجاتی ہے، "م"

ہندوستان اور کتبخانے

موجودہ ترقی یافتہ دور میں متمدن ممالک میں کتب خانوں کو خاص اہمیت حاصل ہے، چنانچہ برٹش میوزیم میں تقریباً پانچ ملین کتابیں ہیں، واشنگٹن کانگریس کے کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد

تقریباً ڈھائی ملین ہے، اسی طرح جاپان میں جو متمدن ممالک کے دوش بدوش قدم بڑھا رہا ہے، بہت سے ایسے کتب خانے قائم ہیں جن کے اخراجات کا بڑا حصہ خود حکومت جاپان ادا کرتی ہے، لیکن کتبخانوں کے قیام اور انکی ترقی کے اعتبار سے ہندوستان کی حالت نہایت یاس انگیز ہے، خصوصاً جب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی سرزمین ہے جسمیں کبھی ٹیکسلا، نالندہ، وکرام سلا، اور اودانت پوری کے کتبخانے موجود تھے، اور قدیم نایاب تصاویر اور موجودہ دیگر تاریخی تحقیقات کے علاوہ بہت سے غیر ملکی سیاحوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ان بے بہا کتب خانوں میں ہزار ہا قلمی نسخے موجود تھے جو بمنزلہ عالیشان عمارتوں میں آراستہ تھے، اور یہ کیوں نہ ہوتا جبکہ یہ کتابیں ہندو، جینی، اور بدھ مت کی عبادت گاہوں میں بطور ایک مذہبی فرض کے محفوظ رکھی جاتی تھیں، لیکن آج یہاں اس علمبردار تہذیب حکومت برطانیہ کے شاندار عہد میں صرف ایک سرکاری پبلک لائبریری کلکتہ میں پائی جاتی ہے، جو ۱۹۰۲ء میں لارڈ مٹکاف کی یادگار میں قائم کی گئی تھی اور اسی میں سابق "امپیریل لائبریری" کے سکریٹریٹ لائبریری کو مدغم کرکے ۱۰ ہزار روپیہ سالانہ خرید کتب کیلئے مقرر کئے گئے تھے، اس کتبخانے کے علاوہ کلکتہ یونیورسٹی اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتبخانے ہیں، لیکن ان کے دروازے عام لوگوں پر بند ہیں، اس لئے عام لوگ ان سے کوئی استفادہ نہیں کرسکتے، ایسی حالت میں ملک میں ان کا وجود و عدم مساوی حیثیت رکھتا ہے، ان کے علاوہ دیگر یونیورسٹیوں کے کالج و اسکول میں بھی کتب خانے قائم ہیں، لیکن ان سے بھی بآسانی استفادہ کرنا دشوار ہے، کہ ان کی کتابوں کی نہ کوئی بہتر ترتیب ہوتی ہے، اور نہ ان کا کوئی صحیح نظام قائم ہوتا ہے، کیونکہ ان کتبخانوں کے مہتمم بالعموم اسی قدر استعداد رکھتے ہیں کہ ایک کلرک کے فرائض انجام دے لیں، اور اسی لئے ان کتبخانوں میں وہ گرانقدر کتابیں بالعموم نظر نہیں آتیں، جو مختلف علوم و فنون پر مختلف ممالک میں برابر شایع ہوتی رہتی ہیں، کیونکہ ان کتبخانوں کے مہتممین ان کتابوں

کی اشاعت سے بالعموم لاعلم رہتے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان کے کتبخانوں کی رفتار ترقی تیز کی جائے، سفری اور دیہی کتبخانے قائم کرکے عام لوگوں میں کتبخانوں سے استفادہ کرنے کا مذاق پیدا کیا جائے، یہ فریضہ حکومت ہند کا ہے، اگرچہ اس نے جنوری ۱۹۱۸ء میں کتبخانوں کے لئے لاہور میں ایک آل انڈیا کانفرنس منعقد کی تھی، اور اس کانفرنس نے ایک "دی انڈین لائبریری ایسوسی ایشن" بھی قائم کی تھی لیکن ہم اس جدوجہد کے شاندار نتائج کے لئے ابتک چشم براہ ہیں،

(سوشیل سروس کوارٹرلی بمبئی بابت ماہ اپریل ۱۹۲۶ء)

"ر"

قسطنطنیہ میں فن خطاطی کی نمائش

قدیم دارالخلافت قسطنطنیہ نے قدیم عربی فن خطاطی کو ابتک زندہ رکھا ہے، اور اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر "مدرسۃ الخطاطین" کی بنا ڈالی گئی تھی، جس میں کامل الفن اساتذہ طلبہ کو خوشنویسی سکھاتے ہیں، اسی مدرسہ کے زیر اہتمام وہاں خوشنویسی کی ایک سالانہ نمائش ماہ رمضان میں ہوتی ہے، جسمیں وہ تمام نفیس و نادر اشیا جمع کی جاتی ہیں جنھیں ایک سال میں مختلف اساتذہ اپنے کمال فن کیساتھ تیار کرتے ہیں،

اس سال بھی رمضان میں نمائش ہوئی تھی، اس میں اس مرتبہ بعض امریکن بھی شریک ہوئے، اور مشرقی صنائع خصوصاً مذہب و مطلا اوراق، مختلف قسم کی رنگ آمیزی اور ان باریک نقوش کو دیکھ کر محو حیرت تھے جو کاغذ، لکڑی کے ٹکڑوں اور سیپ وغیرہ پر بنائے گئے تھے، نمائش میں مدرسۃ الخطاطین کے نو اساتذہ نے اپنے لکھے ہوئے قطعات وغیرہ پیش کئے تھے، یہ قطعہ تعداد میں تقریباً دو سو تھے، ان میں سے ایک بدیع قطعہ استاذ کامل آفندی کا تھا، جسمیں خط ثلث میں قرآن مجید کی آیت نور لکھی گئی تھی، اس قطعہ میں رنگ کی آمیزش اسمٰعیل حقی بک

نے کی تھی، ایک دوسرا قطعہ خطِ تعلیق میں تھا جس میں "یا مالک الملک" لکھا ہوا تھا، اس قطعہ کو استاذ خلوصی آفندی نے لکھا تھا، استاذ حسین بک نے چند طباقوں کی تصویر تیار کرکے بھیجی تھی جو لکڑی کے ٹکڑوں پر بنائی گئی تھی اور ایرانی طرز کے نقشوں سے منقش تھی، کمال الدین آفندی نے بطور پر لائٹ ہوس کا نقشہ کھینچا تھا، یہ بھی نمائش گاہ میں موجود تھا، ان کے علاوہ مشرقی منقش جلد سازی کا بھی ایک نادر نمونہ استاد بہار الدین آفندی نے پیش کیا تھا،

نمایش دوسرے سالوں کی بہ نسبت اس سال کم کامیاب ہوئی کیونکہ خیال کیا جاتا ہے کہ شاید نوجوانانِ ترک، مشرقی روایات کو زندہ رکھنے والے سینٹھے کے قلم اور قدیم مشرقی سیاہ روشنائی کے استعمال کو یورپ کی بنائی ہوئی نب اور روشنائی کی بوتلوں کے ہوتے ہوئے تضیع اوقات خیال کرتے ہیں، اور اسی لئے قسطنطنیہ سے قدیم عربی فن خطاطی کے زوال کا بھی اندیشہ ہے،

"د، ر" الزہراء

جمعیۃ العلماء کلکتہ کا خطبۂ صدارت

یہ خطبہ جسمیں عالم اسلام کے ہر قسم کے مسائل پر غائر نظر ڈالی گئی ہے، اور علماء کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے، اور ہندوستان میں مسلمانوں کے فرائض سے بحث کی گئی ہے، نہایت اہم ہے اکثر شایقین اس کا تقاضا کر رہے ہیں، اس لئے ان کو اطلاع دیجاتی ہے، کہ دفتر میں اس خطبہ کے تھوڑے سے نسخے باقی ہیں، جو اصحاب چاہیں بقیمت منگوا سکتے ہیں، قیمت ۸ ر ضخامت ۴۶ صفحے،

منیجر

لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ ر

اخبارِ علمیّہ

مصنوعی جزیرے، امریکہ کے مہندس ارمسٹرنگ نے سمندروں میں مصنوعی جزیرے قایم کرنے کا ایک طریقہ معلوم کر لیا ہے، تاکہ ان جزیروں میں وہ ہوائی جہاز اتر سکیں جو سمندروں کے اوپر پرواز کرتے ہوئے گذرتے ہیں، یہ جزائر فولاد اور سمنٹ سے بنائے جائیں گے، ان کا طول ۱۲۰۰ انچ اور عرض ۴۰۰ انچ تک ہوگا، اور یہ سمندر کی سطح سے ۱۰۰ انچ بلند ہوں گے، اور ان کے وزن کا ۹۵ فی صدی حصہ پانی کے اندر ہوگا،

ریڈیم سے جذام کا علاج، ایک اسپتال میں ریڈیم کی شعاعوں سے مرض جذام کا علاج کیا گیا، اس طریقۂ علاج سے مریضوں کو بہت فائدہ ہوا، اس لئے امید کی جاتی ہے کہ یہ جدید طریقۂ علاج مرض جذام کے انسداد میں بہت کارآمد ثابت ہوگا،

امریکہ میں موٹروں کی تعداد، گذشتہ سال کے تناسب سے امریکہ میں موٹروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے، چنانچہ اس وقت وہاں ۱۵ ملین موٹر استعمال میں ہیں، اور چند سالوں کے موٹروں کی تعداد کے تناسب سے خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۹۵۰ء تک وہاں ۴۵ ملین تک یہ تعداد پہونچ جائیگی اور اسی لئے مختلف ممالک کے بہ نسبت وہاں زیادہ تعداد میں موٹر تیار ہوتے ہیں چنانچہ وہاں ہر سال ۶۰۰۰۰ ۳ موٹر بنائے جاتے ہیں،

خارق عادت ماں ، ڈاکٹر فرید بک محمد نے مصری اخبارات میں اطلاع شائع کی ہے کہ بندرگاہ سنورس میں ایک عورت کو بیک وقت چار لڑکے ہوئے، جن میں ایک لڑکی اور تین لڑکے تھے، ان کا بیان ہے کہ عورت کو ایام حمل میں کوئی غیر معمولی تکلیف نہیں ہوئی تھی، یہ بچے زندہ وسلامت پیدا ہوئے، اور اس دنیا میں چند روزہ زندگی بھی بسر کر گئے،

امریکہ کے اصلی باشندے ، ڈاکٹر ہرڈلک اصلی باشندگان امریکہ کے متعلق بسیط بحث وتحیص کے بعد اس نتیجہ تک پہونچے ہیں کہ امریکہ کے اصلی باشندے کم از کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ پندرہ ہزار سال پیشتر وہاں مشرقی ایشیا سے ہجرت کرکے پہونچے، اور وہیں اقامت پذیر ہوگئے، اور لیو وینر (LEO WIENER) نے اپنی ایک تصنیف میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ امریکہ میں کولمبس کے داخلہ سے چند صدی پیشتر وہاں کے باشندوں کے تجارتی تعلقات عرب اسپین اور افریقہ کے باشندوں سے قائم تھے،

ایک مصری فوٹوگرافر کی کامیابی ، چند مہینے گذرے پیرس میں فوٹوگراف کی تصویروں کی نمائش ہوئی تھی، مختلف ممالک کے فوٹوگرافروں نے اپنے ہاتھ کی کھینچی ہوئی تصویریں اس نمائش گاہ میں بھیجی تھیں، ان تمام تصویروں میں احمد صادق آفندی مصری کی کھینچی ہوئی تصویر فن اور حسن کے لحاظ سے سب پر فوقیت لے گئی، پیرس کے ایک وقیع مجلہ نے اس مصری مصور کی کامیابی کی تقریب سے خود مصور کی اور اسکے ہاتھ کی کھینچی ہوئی دو تصویریں بڑی مدح وستائش کیساتھ شائع کی تھیں، ان دونوں تصویروں میں سے ایک کا عنوان "غروب آفتاب اور انعکاس شعاع" تھا، اور درحقیقت احمد صادق کی یہی وہ تصویر ہے جس نے نقادانِ فن کو محو حیرت کر دیا تھا، اس مصری نوجوان کی اور تصویریں یورپ اور امریکہ

کی اور نمائش گاہوں میں بھی پیش ہو کر خراج تحسین وصول کر چکی ہیں،

مباحث طبیہ کیلئے ایک گرانقدر عطیہ، لندن کے ایک صاحب ثروت نے اپنا نام مخفی رکھکر وہاں کے ایک اسپتال کے ناظم سے مشورہ کر کے مباحث طبیہ کے لئے ۵۰ ہزار پونڈ یعنی تقریباً سات لاکھ پچاس ہزار روپیہ وقف کیا ہے، اس گراں قدر رقم کے منافع سے ان اطبا کی خدمت میں معاوضہ پیش کئے جاویں گے جو مباحث طبیہ میں اپنا وقت صرف کر کے علم طب کی ترقی کے وسائل پیدا کریں گے،

چند جدید عناصر کا انکشاف، ڈاکٹر ہبکنس اور نیوی یونیورسٹی کے چند دیگر اساتذہ نے ایک جدید عنصر دریافت کیا ہے، جو ۶۱ ۱ اجزا سے مرکب ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ جدید عنصر ان عناصر مین سے ہے، جن کے ۵۹ سے ۷۱ تک اجزا ہوتے ہین، اسی طرح ڈاکٹر ہیروسکی نے بھی ایک جدید عنصر معلوم کیا ہے، جس کے ۷۵ اجزا ہین، ڈاکٹر موصوف نے اس جدید عنصر کو اپنے وطن بوہیمیا کی مناسبت سے "عنصر بوہیمیوم" سے موسوم کیا ہے، اب دیکھنا ہے کہ یہ جدید عناصر تمدنی ضروریات مین کن چیزون کا اضافہ کرتے ہین،

ایک امریکن کا مصر کو گرانبہا عطیہ، مصر مین آثار قدیمہ کا انکشاف اس قدر غیر معمولی سرعت سے ہو رہا ہے کہ وہان کا موجودہ عجائب خانہ ان کے لیے کافی نظر نہین آتا، اس سے متاثر ہو کر امریکہ کے مشہور دولتمند مسٹر جان راک فلر نے مصر کو دس ملین ڈالر یعنی تقریباً تین کروڑ روپیہ اسلیے عطا کیا ہے کہ اس رقم سے مصر مین ایک ایسا عجائب خانہ قائم کیا جائے جس کا دنیا کے بہترین

عجائب خانون مین شمار ہو، مسٹر جان رکفلر نے اپنے عطیہ کے ساتھ آثار قدیمہ کے مباحث کیلئے ایک انسٹیٹوشن کے قیام کی بھی خواہش کی ہے

علم ہیئت سے تاریخ کی تحقیق، ہومر کے قصیدہ کی کتاب ۲۰ مین ایک جگہ آتا ہے کہ آفتاب یکایک غائب ہوگیا، اور تمام دنیا تاریک ہوگئی، اب اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے، کہ اس زمانہ مین ایسا پورا سورج گرہن پڑا تھا کہ سورج کی ایک کرن بھی چھن کر باہر نہ آسکی، اب اس نظریہ کو پیش نظر رکھکر ڈاکٹر سکوتش نے علم ہیئت کے رو سے یہ دریافت کرلیا ہے کہ وہ سورج گرہن ۱۶ اپریل ۱۱۷۸ق م کو ظہر کے قبل ۱۱ بجکر ۴۱ منٹ پر واقع ہوا تھا،

روس مین علمی جد وجہد، روس مین ایک ایسی مجلس قائم ہوئی تھی جو سمندرون اور اس کے پانی وغیرہ پر علمی نقطۂ نظر سے بحث کرتی تھی، اس مجلس نے بحر اسود کے متعلق ۱۸۹۰ء اور ۱۹۱۰ء مین بعض علمی مباحث شایع کئے تھے، روس کی موجودہ اطلاعات سے واضح ہوتا ہے، کہ اس مجلس کے سرگرم مباحث ابتک بدستور جاری ہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ اس نے کامل تیس برس کے بعد بحر اسود پر دوبارہ غور کرنا شروع کیا، اور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۵ء تک غور وخوض اور تجربے کرنے کے بعد بحر اسود کے متعلق بعض مفید حقائق کا انکشاف کیا ہے، جو اب شایع ہوگئے ہیں،

"ر"

ادبیات

کلام گرامی،

یک اشک خوں بدجلۂ جیحوں برابر است | دردِ ادیِ بلا کم د افسردن برابر است
مفت است گر ز غمزۂ خونریز جاں بریم | یک خونِ بیگناہ بصد خوں برابر است
در کارگاہ عقل بود رنگ امتیاز | در بزم عشق لیلی و مجنوں برابر است
ما حادث او قدیم انا الحق چہ می زنی | چوں اے پسر چگونہ دیچوں برابر است
در نزع بر زبان زلیخا جز ایں نبود | یک آہ با ہزار شبیخوں برابر است
اللّٰہی ست دیگر او لاہی دگر بود | غافل کجا بحضرت ذوالنوں برابر است

آنجا کہ شد گرامیِ غمدیدہ اشک ریز
یک قطرہ با تلاطم جیحوں برابر است

نوائے حزیں

مولوی سید محمد صاحب حزیں نوگانوی سیاح ایران نائب مدیر رہنمائے تعلیم لاہور مدرس فارسی سرکار کوٹ ٹیلر ہائی اسکول شملہ ر

اے بتِ کافرم از من خبرے نیست ترا | می کشم نالہ و بر دل اثرے نیست ترا
چشم صد لطفِ تو دارم نظرے نیست ترا | خاک رہ گشتم و بر من گذرے نیست ترا
شمع رخسار بگیری دیجوری بجہاں[1] | مثل من والہ و شیدا دگرے نیست ترا

---

[1] دیجوری یعنی تجوئی،

بشکند گر قفس اے دل اچہ کارِ تو خورد — تو ئے[ل] گلشن برسی بال و پرے نیست ترا

رہ غلط گر بکنی خضر تو دل ہست حزیں

درجہاں بہتر ازیں راہبرے نیست ترا

کلام عابد

از جناب سید عابد علی صاحب بی، اے مدیر ہزار داستان لاہور

بڑی لذت سے آتا ہے زباں پر میری نام اسکا — خدا چاہے تو آیا چاہتا ہے کچھ پیام اس کا

ضرورت کیا کہ اب ساقی اسے لبریز می کردے — کہ عکسِ رخ سے رنگیں ہوگیا ہاتھوں میں جام اس کا

کسی کی لغزشِ مخمور فردوسِ تماشا ہے — نشاطِ حسن سے سرشار ہے طرزِ خرام اس کا

وہ عالم ہے کہ پھر بجلی گریگی دشتِ ایمن پر — کوئی دیکھے تو آرایش میں رنگِ اہتمام اس کا

ہمیں ذوقِ طلب میں دوریِ منزل کا غم کیا ہے — بلند و پست سے بالا ہے عشقِ تیز گام اس کا

تپش دردِ محبت کی نہیں جاتی نہیں جاتی — ابھی تک میرے سینہ پر ہے داغ ناتمام اس کا

وہ کیا جانے کہ اندوہ محبت کے مزے کیا ہیں — ابھی ناآشنا ہے غم سے حسنِ شادکام اس کا

بہارِ ناز ہیں انداز اس کے مہ جبینوں میں — جنوں زا ہے ادا اس کی گل افشاں ہے کلام اس کا

نجاؤ عابدِ رنگیں نوا کی خاکساری پر

ذرا دیکھو تو اقلیم جنوں میں احترام اس کا

ل تو ئی بہ لغتِ جدید یعنی و راست،

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے رسالے،

ہم کو اکثر یہ شکایت رہا کی ہے کہ اردو کے پرچون کا معیار، یورپ اور مصر تو گیا، خود ہندی زبان
کے پرچون مادھری اور سرستی کے برابر بھی نہین ہے، لیکن سہیل کی اشاعت نے ہمارے خیال مین
تغیر پیدا کر دیا جو مسلم یونیورسٹی کی انجمن اردوئے معلّی کی طرف سے ہمارے دوست پروفیسر رشید احمد
صدیقی کی ادارت مین ہر تیسرے ماہ شائع ہوگا، اس کا پہلا پرچہ جوبلی کے موقع پر نکلا، اسلیے اسکی ظاہری
شان و شوکت کی ستائش اسی وقت کرنی چاہیئے، جب یہ صورت برابر قائم رہے، یہ پرچہ اگر
دیر تک زندہ رہا تو اردو کی ارتقا اور ترویج مین اس کا خاص حصہ ہوگا کیونکہ یہ پرچہ اسی مقصد کو پیش نظر
رکھکر نکالا گیا ہے، سہیل کا یہ مقصد اس کے ٹائیٹل پیج، یا اس کے دعاوی سے نہین بلکہ اس کے
مضمونون کی نوعیت سے ظاہر ہوتا ہے، نہ صرف مضامین کی نوعیت بلکہ ترتیب مضامین بھی خاص
تعریف کی مستحق ہے، یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد، انجمن اردوئے معلّی کے شرکا اور ملک کا علم دوست
طبقہ اگر سہیل کی امداد کرتا رہا تو ہم کو اس سے بہت کچھ خوش آیند امیدین ہین، جو لوگ رشید احمد صاحب
سے محض اخباری تعارف رکھتے ہین وہ خیال کرتے ہون گے کہ سہیل صرف متین ظرافت کا سرمایہ
دار ہوگا، لیکن وہ جب سہیل کو دیکھین گے تو ان کو علمی وقار و متانت اور سنجیدگی و ثقاہت محسوس کر کے
حیرت ہوگی، قیمت سالانہ سے پتہ:-

اردو کے مرکز لکھنؤ سے بھی اس کا ایک ہم نام سہیل یمن ابو البراعۃ سید ظفر مہدی اور اسید

نواب علیؔ الرضوی کی ارادت مین" افق نورالمطابع وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے طلوع ہو کر دفتر سہیل یمن سے سیاربلاد ہوا ہے، تعجب ہے کہ لکھنؤ، جو ہمیشہ" فرنگی محلی اردو" کو مولویانہ اردو" کہتا رہا ہے، "ابو البراعۃ" "السید الرضوی" "معرکۃ القلم" اور "اثرا لماضی" جیسی ترکیبون کو کیونکر برداشت کر سکا،

سہیل یمن کا موٹو" اتنک موتھ ...... الخ" یعنی یہ سنیون پر یا خود اس کے لفظون مین ان نجدیون پر اعتراضات کریگا" جو سنی بنکر شیعون پر حلے کرتے ہین، قیمت سالانہ ستے ششماہی ۲ر پتہ دفتر سہیل یمن وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ،

سہیل یمن کے ساتھ اسی لکھنؤ کے ایک دوسرے پرچہ طالب علم کو دیکھکر مسرت ہوگی، یہ چھوٹے بچون کے اہتمام سے ماہوار نکلتا ہے، چھوٹے چھوٹے با کار مضامین کا مجموعہ ہوتا ہے، اس مین عالمانہ شان کے مضامین کی تلاش مناسب نہین، بچون کے لیے پرچہ نہایت مناسب ہے، زبان ستھری ہے قیمت سالانہ عہ، پتہ دفتر طالب علم سرکلر روڈ نمبر ۲۰۹، لکھنؤ،

اسی لکھنؤ سے ایک "جہان عزیز" پرچہ مرقع بھی نکلتا ہے، ہم کو شبہہ ہے کہ شاید خود لکھنؤ نے "جہان عزیز" کو نہ سمجھا ہوگا، لیکن پرچہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے خاصا ہے، اس کے مدیر جناب وصل بلگرامی کو شعر و شاعری مین خانوادہ امیرؔ سے نسبت ہے اسلیے ابھی اس درخواست کی گنجائش ہے کہ پرچہ اس ادبی تفوق کا آئینہ نہین معلوم ہوتا جو لکھنؤ کو، پنجاب، حیدرآباد، علی گڈہ وغیرہ دوسرے مقامات پر حاصل ہونا چاہیئے تاہم قابل مذمت نہین، قیمت سالانہ صہر

اردو کے دوسرے مرکز دہلی سے بھی ایک ماہوار پرچہ تجلی شائع ہوتا ہے، لیکن اس کا دعوی ہر قسم کے علوم یا ادب کی خدمت کا نہین ہے، وہ لوگون کو کام مین لگانا چاہتا تھا، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ بقول خود ترقی کی عملی تدابیر بتانے والا ماہانہ رسالہ ہے، اس بنا پر یہ اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ہے، اس کے مضامین زیادہ تر صرف اصلاح معاشرت اور اخلاق سے

تعلق رکھتے ہین، اس وقت ہمارے پیش نظر اس کا پانچوان نمبر ہے جسمین "آمدنی بڑھانے کے طریقے"، "تجارت مین کامیابی" جیسے عنوانات نہایت مفید ہین، مگر سرسری ہدایات اور نصیحتون کے ساتھ واقعی اور عملی باتون کو بھی پیش کرنا چاہیئے، ہم کو صرف اتنا بتا دینا کافی نہین ہے کہ فلان کام کرنا مناسب ہے، بلکہ ہم کو یہ بھی بتانا چاہیئے کہ اس کام کے شروع کرنے مین جو عوائق ہین انکو دفع کرنے کی یہ سبیل ہے، قیمت سالانہ عار، پتہ :- دفتر تجلی سرکیوالان دہلی،

حال مین عظیم آباد پٹنہ سے بھی ایک واحد مجلۂ علمیہ ادبیہ شائع ہونے لگا ہے جس کا نام **تصویرِ خیال** ہے، اس پرچہ کی اصل ذمہ داری جناب ضیاء الملک منظور الحق صدیقی پر ہے، ان کے علاوہ تین "مدیران اعزازی" اور ہین جو ان کی مدد کرتے ہین، یہ تینون بزرگ "شاعر" اور ادیب ہین، رسالہ اچھا ہے لیکن صحت زبان اور بلندی معیار کی ضرورت ہے، قیمت سالانہ ؎ پتہ دار الاشاعت علمیہ مرادپور پٹنہ،

ہندوستان مین طبی پرچون کی جس قدر ضرورت ہے ظاہر ہے، لیکن افسوس! ہمارے ملک مین اردو طبی پرچے دو ہی ایک ہین، جنمین سے کسی کا بھی معیار بلند نہین، حال مین کلکتہ سے **شفاء** نام کا ایک پرچہ نکلنے لگا ہے، اس پرچے کے مضامین کی نوعیت بتا رہی ہے کہ اگر کوشش کیجائے تو اس کا معیار بلند ہو سکتا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ "گذشتہ سے پیوستہ" کے سلسلون مین کمی ہو، قیمت سالانہ سے، پتہ ۶۶ نمبر کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ،

کچھ دن ہوئے لاہور سے "انتخاب" نام کا ایک مفید رسالہ نکلنا شروع ہوا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ اردو رسالون کے منتخب اور بلند معیار مضامین کو یکجا کر کے پیش کرے، اگر انتخاب زندہ رہتا اور خوش اسلوبی سے اپنا فرض ادا کرتا رہتا تو ملک کے لیے نہایت مفید ثابت ہوتا، لیکن افسوس کہ وہ بند ہوگیا تاہم اب وہی "انتخاب" **بہارستان** بنکر نکلا ہی جسکا مقصد منتخب مضامین شائع کرنا نہین بلکہ قابل انتخاب مضامین کی اشاعت ہے،

کیا ہم جناب شیرانی سے یہ درخواست کرنے مین کامیاب ہو سکتے ہین کہ انتخاب کا مقصد بہارستان مین بھی ملحوظ رکھا جاسکتا ہے، اگر صحیح نظر انتخاب کے ساتھ، غلط اعتراضات کا جواب سکوت کے رنگ مین دیتے ہوئے، آپ اپنے پرانے مقصد کو انجام دیتے رہین تو بالآخر کامیابی یقینی ہے، بہارستان کی قیمت سالانہ ؏ روپیہ ہے، پتہ، دفتر رسالہ بہارستان مزنگ لاہور،

چاند، (لاہور) علمی، ادبی، اخلاقی، تاریخی، طبی، روحانی (غرض تمام) دلچسپیون کا ماہوار مجموعہ ہے" ار ڈی کا جریہ کی اڈیٹری مین دفتر رسالہ چاند ستی گیٹ لاہور سے شائع ہوتا ہے، قیمت سالانہ ؏

آفتاب کلکتہ، چاند سے زیادہ روشن اور مفید ہے، قیمت سالانہ ہے رتبہ: نمبرا گنگا دھر بابو لین بئو بازار کلکتہ،

کلیات اقبال،

مرتبہ

مولوی عبد الرزاق صاحب ایچ، سی، ایس

ڈاکٹر اقبال ان لوگون مین ہین جنکے کلام کی جمع و ترتیب کے لیے کسی غیر معمولی خدمت کی ضرورت نہین، ان کی متعدد نظمین الگ الگ چھپی ہوئی عام طور پر بازارون مین ملتی ہین ان کا کلام بکثرت اخبارات ورسائل مین شائع ہوتا رہتا ہے اور بہت سی نظمین لوگون کو ازبر یاد ہین، اسلئے ان پراگندہ موتیون کو سمیٹ کر ایک لڑی مین پرو دینا نہایت آسان کام ہے، لیکن اس کلیات کے جامع مولوی عبد الرزاق صاحب نے اس آسانی کے بجائے علمی زحمت گوارا کی ہے اور ابتدا ہی سے ان کی شاعری کو تاریخی حیثیت سے پیش نظر رکھا ہے، چنانچہ انھون نے ایک بیاض مین ان کی دو سو نظمین جن مین غزلین بھی شامل تھین، جمع کی تھین، اور نظمون کے ساتھ

ان کے متعلق چند اہم تاریخی مواد بھی فراہم کئے تھے، مثلاً،

(۱) کونسی نظم کس سنہ مین لکھی گئی، کب، کس موقع پر، اور کہان پڑھی گئی، ؟

(۲) کونسی نظم ہندوستان سے گذر کر دنیا کے کس کس ملک مین پہنچی، وہان اس کا ترجمہ کس زبان مین اور کس رسالے یا اخبار مین شائع ہوا اور اس پر کس کس نے تنقید کی، ؟

(۳) نظم لکھنے کے کون سے اسباب محرک ہوئے، ؟

(۴) نظم کی بنیاد کلام مجید کی کس آیت یا فلسفہ کے کس مسئلہ پر ہے، ؟

(۵) نظمون سے متعلق معتبر روایتین کیا کیا ہین، ؟

لیکن افسوس ہے کہ یہ بیاض گم ہوگئی، اسلیے کہ یہ مجبوراً اس مجموعے مین یہ تمام تاریخی مواد شامل نہ ہوسکا، تاہم انھون نے اپنی یادداشت سے متعدد نظمون کے متعلق اس قسم کی چند معلومات اس مجموعے مین بھی درج کردی ہین، اس کے بعد ۳۲۶ صفحات مین ایک دیباچہ لکھا ہے، جو حسب ذیل ابواب پر منقسم ہے،

(۱) اقبال کے مختصر حالات،

(۲) اقبال کی شاعری،

(۳) اقبال کی تصنیفات،

ڈاکٹر اقبال کے حالات ۸۰ صفحون مین آتے ہین، اور ہر عنوان کے متعلق کافی مواد موجود ہے، لیکن افسوس ہے کہ ان کے اخلاق و عادات کا عنوان نہایت نامکمل اور تشنہ ہے، حالانکہ ایک شخص جو صرف شاعر ہی نہین بلکہ فلسفی اور مصلح بھی ہے، اوسکی اخلاقی شخصیت بہت زیادہ نمایان کرنے کی چیز تھی،

حالات کے بعد اقبال کی شاعری پر نہایت مفصل بحث کی ہے، اور اوس کے متعلق

جس قدر تاریخی مواد موجود تھا سب کو یکجا کر دیا ہے، اور غالباً اردو شعراء مین کسی کی شاعری کے متعلق اس قدر تنقیدی و تاریخی مواد نہین ملسکتا،

اس کے بعد اقبال کے شاعرانہ خصوصیات نہایت تفصیل کے ساتھ دکھائے ہین، اور ہر خصوصیت کو واضح مثالون سے ثابت کیا ہے، دیباچہ کے دو پہلے ابواب تاریخی حیثیت رکھتے ہین یعنی اقبال اور اقبال کی شاعری کے متعلق جامع کو جو کچھ معلوم تھا، یا خود اقبال نے یا دوسرے لوگون نے لکھا تھا، اس کو نہایت جامعیت و استقصاء کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے، لیکن یہ تنقیدی حصہ خاص جامع کی دماغی کاوش کا نتیجہ ہے، اور ہم کو اس کے کہنے مین مطلق تامل نہین ہے، کہ ڈاکٹر اقبال کی شاعری کے متعلق ہر حیثیت سے نہایت تشفی بخش بحث کیگئی ہے،

اس کے بعد ان کی تصنیفات کی فہرست دی ہے، اور یہ تمام مباحث ۱۳۶ صفحون مین آئے ہین، جنکے بعد اصل کلیات شروع ہوتا ہے، جسکی ابتدا غزلون سے کیگئی ہے، اور ۲۸۴ صفحات تک انھی کا سلسلہ چلا گیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ انھون نے ڈاکٹر اقبال کے کلام پر جو ریویو کیا ہے اس مین انکی غزلون کی خصوصیات کو نظرانداز کر دیا، حالانکہ تاریخی حیثیت سے یہ دکھانا ضرور تھا کہ اقبال نے غزل کے اسٹائل مین کیا کیا تغیرات کئے ہین، اور وہ کس قسم کے مضامین پر مشتمل ہین غزلون کے بعد نکات یعنی ظرافت آمیز لیکن خرد آموز اشعار کا مجموعہ ہے، پھر نقش قدرت یعنی مناظر قدرت، پھر فانوس حیات یعنی وہ نظمین ہین جو حقائق و معارف کا گنجینہ ہین، اس کے بعد شمع طور ہے لیکن یہ معلوم نہین ہوتا کہ ان نظمون مین وجہ اشتراک کیا ہے؟ اور ان کا عنوان "شمع طور" کس مناسبت سے قائم کیا گیا

اس کلیات کی ضخامت ۴۲۶ صفحہ اور لکھائی چھپائی عمدہ ہے، اور محمد نجم الدین احاطہ حیدر جنگ مرحوم ترپ بازار حیدرآباد دکن سے ملسکتی ہے، قیمت مجلد ٦؎ غیر مجلد ۵؎

"ع"

مطبوعات جدیدہ

فلسفیانہ مضامین، الناظر بک ایجنسی لکھنؤ نے مولانا عبدالماجد صاحب بی اے دریابادی کے ان دقیع فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ شائع کیا ہے جو مجلۂ الناظر لکھنؤ مین چند سال پیشتر تک وقتاً فوقتاً مختلف فلسفیانہ مباحث پر نکلتے رہے ہین، یہ رسالہ چھ مضامین کا مجموعہ ہے، پہلا مقالہ "فلسفہ کی ماہیت اوراس کے مذاہب" پر ہے، جس مین پہلے فلسفہ اور سائنس کے حدود کو الگ الگ کرکے فلسفہ کی تعریف سمجھائی گئی ہے، پھر فلسفہ کی ابتدا سے موجودہ زمانہ تک کے تمام مذاہب فلسفہ کی اجمالی تاریخ اور فلسفہ کے ہر اسکول کے مختصر حالات بتائے گئے ہین، دوسرا مقالہ "فلسفہ کی تعلیم گذشتہ اور موجودہ" ہے جس مین یونان اور یورپ کے عہد بعہد کے ممتاز فلاسفہ کے سوانح، اور دیگر علمی و تعلیمی حالات اجمالی طور پر بیان کئے گئے ہین، اس کے بعد تیسرے مقالہ مین "فلسفۂ تشکیک" کی تشریح اور اسکی تاریخ ہے، پھر "مل کی منطق" پر ایک مقالہ ہے جس مین مل کی کتاب "نظام منطق" کی مختصر مگر جامع تلخیص اضافۂ امثلہ کے ساتھ کیگئی ہے، اس کے بعد "نظام ازدواج" پر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بحث کیگئی ہے، سب سے آخر مین یورپ کے مشہور فلسفی ہکسلے کے حالات ہین، پہلے مضمون کی ابتدا مین مولانا موصوف کا ایک خط اڈیٹر الناظر کے نام ہے، یہ خط ان حالات کا آئینہ ہے جب مولانا موصوف فلسفہ کے رنگ مین رنگے ہوئے تھے، اسیلیے ان کے قدیم خیالات پر تنقیدی نظر ڈالنا بیسود ہے لیکن ناشر مجموعہ کا فرض تھا کہ ان تمام مضامین اور خصوصاً اس خط پر خود مولانا موصوف سے ایک تبصرہ لکھا کر مجموعہ مین منسلک کر دیتے کہ اس سے بعض غلط فہمیان بھی دور ہو جاتین اور

اور ایک علمی و مذہبی خدمت بھی انجام پاتی، ضخامت چھوٹی تقطیع پر مع فہرست اصطلاحات و فہرست ۱۳
۵۶ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت عہ پتہ:- انا ظر بک ایجنسی لکھنؤ،

تاریخ زوال رُوما، یورپ کے مشہور مورخ ایڈورڈ گبن کی مشہور تصنیف "ہسٹری آف دی ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر" کا اردو ترجمہ جناب سید مطلب حسین صاحب بی اے لکھنوی نے "تاریخ زوال روما" کے نام سے کیا ہے، اس کا پہلا حصہ دائرۂ ادبیہ لکھنؤ نے شائع کیا ہے اور یہی زیر تبصرہ ہے، ابتدا مین جناب چودھری رحم علی ہاشمی بی اے کا ایک مقدمہ انیس صفحون مین ہے جس مین گبن کے سوانح و حالات بیان کئے گئے ہین، لیکن گبن کے سوانح و حالات کے ساتھ ساتھ یہ زیادہ بہتر ہوتا کہ حکومت روما کی مکمل تاریخ کا ایک مختصر خاکہ بھی پیش کیا جاتا کہ اس سے عام اردو دان طبقہ کو کتاب کے سمجھنے مین زیادہ سہولت ہوتی، اصل کتاب کا ترجمہ سلیس اور سادہ زبان مین ہے، ضخامت ۷۰۸ صفحے کتابت نہایت باریک ہے جو غالبًا دائرۂ ادبیہ کی مالی مشکلات کا نتیجہ ہے، قیمت دائرۂ ادبیہ لکھنؤ سے طلب کرین،

عام فہم تفسیر پارہ سیقول وعم، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی "عام فہم تفسیر" کے پارہ الم پر کسی گذشتہ نمبر مین تبصرہ کیا جا چکا ہے، اب اسی تفسیر کے پارے "سیقول" اور "عم" تیسا ارون شائع ہوئے ہین، جو اسی طرز پر لکھے گئے ہین، صرف فرق یہ ہے کہ ان پارون مین "پارہ الم" کی طرح "عملیات" کا باب نہین ہے، جس پر گذشتہ تبصرہ مین خواجہ صاحب کو توجہ دلائی گئی تھی اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ خواجہ صاحب اپنی تفسیر مین جا بجا تعلیقات بھی لکھتے ہین، "پارہ سیقول" مین "الطلاق مرتان" الآیہ کے ذیل مین بھی ایک بسیط تعلیق لکھی ہے، جس مین مسائل طلاق کی توضیح کیگئی ہے، اسی سلسلہ میں ایک جگہ خواجہ صاحب لکھتے ہین "غیر مدخولہ عورت کو ایک ہی طلاق دیدینے سے وہ طلاق بائن ہوجاتی ہے"۔ افسوس ہے کہ خواجہ صاحب سے اس

مسئلہ مین شدید لغزش ہوئی کہ یہ حکم اولاً نص قرآن کے صریح مخالف ہے اور علاوہ ازین ائمہ اربعہ مین سے کسی ایک کا بھی یہ فتوی نہین ہے، ضرورت ہے کہ خواجہ صاحب اپنی تفسیر کو شائع کرنے سے پیشتر ہندوستان کے مستند علمار کے پاس بھیجا کرین جیسا کہ وہ خود پارہ الم کے دیباچہ مین وعدہ کر چکے ہین، تاکہ اس قسم کی فاحش غلطیان نہ رہجائین، ضخامت پارۂ سیقول ۸۴ اور پارۂ عم ۸۶ صفحے قیمت ہر ایک پارہ آٹھ آٹھ آنے پتہ:- منیجر نظام المشائخ، پوسٹ بکس نمبر ۸ دہلی،

مجذوب، علامہ ابن تیمیہ نے ایک استفتار کے جواب مین مذہبی احکام اور شریعت غرا کی نظر سے ان لوگون کا مقام بتایا ہے جو متصوفین کی اصطلاح مین "مجذوب" کہے جاتے ہین، مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی نے اسی استفتار کے جواب کا ترجمہ "مجذوب" کے نام سے شائع کیا ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۳۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، قیمت ۴؍ پتہ:- پبلک لائبریری نمبر ا بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ،

سالومی، یورپ کے مشہور انشا پرداز اسکر وائلڈ نے ایک مذہبی تمثیلی فسانہ (ڈرامہ) سالومی کے نام سے لکھا تھا جس کا تعلق ہیرودیس انتی پاس کے زمانہ مین سالومی اور حضرت یوحنا سے ہے، اس فسانہ کا ترجمہ یورپ کی متعدد زبانون مین ہو چکا ہے، اب اردو مین جناب مجنون گورکھپوری نے منتقل کیا ہے، فسانہ کی جان زبان کی لطافت ہے جسکو جناب مترجم نے ترجمہ مین بہت کچھ قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، ابتدا مین جناب مترجم کا ایک مقدمہ بھی ہے جس مین اس فسانہ کی تصنیف اور اس کے دیگر حالات بیان کئے گئے ہین، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۸۳ صفحے، قیمت ۱۲؍ پتہ:- دفتر نگار بھوپال یا بذریعہ مولوی احمد ذکی صاحب وکیل سرکار گورکھپور،

"ر"

اسباق النحو حصہ اوّل و دوم، اردو میں سہل طرز پر عربی گرامر ۵؍۶
دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان جو صحت زبان اور خوبی بیان میں اس عہد میں بے نظیر ہے ۱۲؍
تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم میں چھوٹے بچوں کے حفظ کے لیے
خرد نامۂ منظوم، خاص فارسی زبان میں حضرت سلیمان کے امثال کا ترجمہ
دیوان فیض، مشہور ادیب زمانہ مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری کے عربی قصاید کا مجموعہ جو بڑی محنت سے مولانا حمید الدین صاحب نے فراہم کیا ہے۔ ۱۲؍

مولانا سید سلیمان ندوی

سیرۃ نبوی حصہ معجزات، قیمت عہ، ۶؍
ارض القرآن حصہ اوّل، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، قیمت ۱۲؍
ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں سے مدین، اصحاب الایکہ قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۴۲۵، ۲؍
سیرت عائشہ (طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اور اسلام کے متعلق انکی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات قیمت ۲؍
دروس الادب عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۳؍
دوسری ریڈر طبع سوم ۴؍
رسالہ اہل السنت والجماعہ، فرقہ اہل سنت والجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق طبع دوم ۸؍
حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطأ امام مالک پر تبصرہ ۱۲؍
خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین ہند کے سکوں اور کتبوں سے ان کا ثبوت ۸؍
دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد میں خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کے لیے دنیا کی مسلمان قومیں کیا جدوجہد کر رہی ہیں مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہیں، قیمت ۶؍
خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانوں اور اسلامی ملکوں کی گذشتہ صدیوں میں کیا کیا خدمتیں انجام دی ہیں، ۲؍
بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتوں کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم ۴؍
بشری، عیسائیوں کا اعتراض تھا کہ مسلمانوں کا خدا قہار و جبار ہے، اس میں اس کا جواب دیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اسلام میں محبت اور رحمت الٰہی کا کیا درجہ ہے اور یہ مذہب کس قدر ہمہ تن محبت ہے اور اس باب میں اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ قیمت ۸؍

مولانا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اوّل، صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر اور قرون اولیٰ کے اسلام کا عملی خاکہ اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے ضخامت ۳۵۰، ۸؍
ایضاً جلد دوم، صحابہؓ کے سیاسی انتظامی، اور علمی کارناموں کی تفصیل، ضخامت ۴۵۰، قیمت ۸؍
انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب، قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین النفسی کا خلاصہ، طبع دوم قیمت ۸؍
اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع، قیمت ۸؍
سیرت عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے طبع دوم قیمت ۸؍
شعر الہند، شروع سے آج تک کے اردو شعرا پر اور ان کے ہر قسم کے کلام کی تنقید اور اصناف شاعری پر بحث اور ہر صنف پر مستقل نقد قیمت ۲؍
تاریخ الحرمین، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی تاریخ اور مقامات مقدسہ کے حالات، قیمت ۱۲؍
فطرت نسوانی، عورت کے فطری قویٰ پر ایک فلسفیانہ بحث قیمت ۸؍

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح مجلد ۱۲؍ غیر مجلد ۸؍
مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید میں برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت سلیس اور بامحاورہ ترجمہ جس میں حیات انسانی پر بحث کر کے مادیت کا ابطال کیا ہے، مجلد ۱۲؍ غیر مجلد ۸؍
مذہب اور عقلیات، ۴؍

مولوی عبد الماجد بی اے

مثنوی بحر المحبت، شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی مع سوانح مصحفی، قیمت ۲؍
فلسفہ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح ۱۲؍
تصوف اسلام، اسلامی تصوف کا عطر اور عہد بعہد کے ایک ایک امام تصوف کی سوانح عمری اور ان کی تصانیف کے حقایق کا بیان، ۸؍

پیام امن، موسیو جو ڈپال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات در بارہ امن عالم، و اخوت انسانی و خون آشامی دول یورپ کی ترجمانی ہے، اس کے بعد مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہے، جس میں انھیں مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے، اردو میں بالکل نئے خیالات ہیں، ۱۶۰ صفحے . . . . عہ

مکالمات برکلے، مشہور فلاسفر برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت باختلاف کاغذ طبع دوم، . . . . عمر و عہ

مولوی سعید صاحب انصاری،

تفسیر ابومسلم اصفہانی، عربی معتزلی کی مفقود اور نادر الوجود نقلی تفسیر قرآن کے اجزا، جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہیں، عمدہ ٹائپ میں چھپی ہے قیمت ۲

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہرات، اور عام صحابیات رض کی سوانحعمریاں اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے، عہ

سیر الانصار حصہ اول، انصار کرام کی مستند سوانحعمریاں اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے . . . . . ہے

سیر الانصار حصہ دوم، انصار کرام کے بقیہ حالات اور انکے اخلاقی اور مذہبی کارنامے، . . . . قیمت عہ

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعت ہائے انسانی کے اصول نفسیہ، کا اردو ترجمہ جس میں انسانی جماعت کے اخلاق پبلک رہنماؤں کی خصوصیات اور جماعتوں کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں، صفحہ ۲۳۲، . . . . ع

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے اور جسکی تصنیفات مدتوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں، اس کے سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں مل سکتا، ضخامت ۰۰ ۴ صفحے قیمت ہے

پروفیسر سید نواب علی ایم اے،

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفہ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ عہ

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب قیمت ہے

شمع سخن، پروفیسر صاحب کی اخلاقی نظموں کا مجموعہ قیمت ۱۰

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال،

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح، عہ

تذکرۃ الحبیب، یعنی رسول صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان، عمر

اثبات واجب الوجود، یعنی ذات و صفات واجب الوجود پر عقلی پہلو سے ایک نظر، عہ

تاریخ ابوالبشر، کیفیت آغاز نوع انسانی حسب تحقیقات جدید عہ

قوت خیال، رالف والڈو ٹرائن صاحب کی کتاب کا ترجمہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہم اپنے خیالات کی اصلاح سے اپنے اخلاق کی اصلاح کرسکتے ہیں [illegible]

متفرق کتابیں،

رسالہ عماد الملک، یعنی مجموعہ مضامین و خطبات نواب عماد الملک بہادر قیمت مع محصول للعہ

سیاحت قسطنطنیہ، مولانا شبلی مرحوم کی فرمائش سے خواجہ سید رشید الدین صاحب نے مشہور پروفیسر میکس مولر کے سفرنامہ قسطنطنیہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، . . . . عہ

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار ضخامت ۴۰۰ مؤلفہ حکیم سید عبدالحئی صاحب مرحوم، صہ

جواہرات حالی، مولانا حالی کے غیر مطبوعہ اخلاقی کلام کا مجموعہ عہ

الندوہ، کی جلدیں موجود ہیں قیمت فی جلد ہے، قیمت فی نمبر ۴ نادر ذخیرہ کمیاب ہے،

مقالہ روسو، فرانس کے مشہور انقلابی اہل قلم روسو کے اس مضمون کا بہترین ترجمہ جسمیں اس نے علوم و فنون کے لازمی اثرات اور نتائج کی تنقید کی ہے، مترجمہ جناب ظفر حسین خان صاحب، . . . . قیمت ۸

رسول عربی، آنحضرت صلعم کی مختصر سیرت جسے حضور کے ایک سچے مداح سردار گوردت سنگھ دارا بی اے، بیرسٹر، اڈیٹر اخبار "ہند" (لندن) نے تصنیف کیا ہے، لفظ لفظ سے مصنف کی سچی محبت کا اظہار ہوتا ہے . . . . عمر

داغ جگر، جناب علی سکندر صاحب جگر مرادآبادی کی غزلوں کا مجموعہ، مرتبہ مرزا احسان احمد صاحب بی اے ال ال بی (علیگ) عہ

علمائے سلف، علمائے سلف کے طلب علم، حق پسندی، اتفاق، اختلاف اور ان کی معاشی زندگی کا نمونہ جسے مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی نے ۱۳۲۷ میں ندوۃ العلماء کے چوتھے سالانہ اجلاس میں بمقام میرٹھ پیش کیا تھا، قیمت عمر

مرتبۂ نسواں، شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی کے انگریزی رسالہ کا ترجمہ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام میں عورتوں کا درجہ کیا ہے، اور اسکا مقابلہ دیگر اقوام سے، قیمت عہ

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ،